اسلام اور موسیقی

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

فہرستِ مضامین

مقصدِ تحریر

اس موضوع پر لکھنے کا مقصد فن موسیقی پر کوئی کتاب لکھنی نہیں۔ مجھے اس فن میں بحیثیت فن کوئی درک نہیں۔ سننے کا ذوق ضرور ہے۔ اور کبھی کبھی کچھ گنگنا بھی لیتا ہوں۔ درک زیادہ سے زیادہ اسی قدر ہے کہ بے سُرے پسند نہیں آتے۔ اور سُر دار کے متعلق اندر سے طبیعت کہہ دیتی ہے کہ یہ اچھا ہے۔ ایسا کیوں ہے اور اس کا مقیاس کیا ہے؟ مجھے خود نہیں معلوم۔ آنکھیں کسی حسین شے کو دیکھ کر حسین ہونے اور بدنما چیز کو دیکھ کر بدنما ہونے کا حکم لگا دیتی ہیں۔ اسی طرح کانوں کو بعض آوازیں اچھی اور بعض بُری لگتی ہیں۔ لیکن اس کی خوبی و زشتی کے لیے میرے پاس نہ کوئی مادی مقیاس ہے نہ منطقی دلیل۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہاں خانہ دماغ کے کسی گوشے میں ایک غیر مرئی مقیاس ہے جسے ذوق کہتے ہیں۔ یہ ذوق سلیم بھی ہوتا ہے اور غیر سلیم بھی۔ لیکن کون سا ذوق ایسا ہے جسے سلیم کہا جاسکے اور کس قسم کے ذوق کو غیر سلیم بتایا جائے؟ یہ خود ایک بڑا ٹیڑھا سوال ہے' جسے ذوق سلیم ہی حل کرسکتا ہے۔

اس کتاب کا مقصد کوئی فقہی مناظرہ نہیں۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا یہ فرض ضرور ہے کہ اس کی دینی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھیں' اس لیے جابجا ضمناً" اپنا دینی رجحان بھی پیش کردیا ہے۔

ہمیں اس موضوع پر جو کچھ بھی بحث کرنی ہے اس کا بڑا حصہ ثقافتی

(کلچرل) ہے یعنی یہ دکھانا ہے کہ عام طور پر مسلمانوں کا اس سے کیا ربط رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ربط کہیں تو یکسر مفقود ہوگا اور کہیں حد جواز کے اندر ہوگا۔ اور کہیں اس سے باہر بھی۔ ہم ان سب کا ذکر کریں گے۔ جس طرح مسلمانوں کا کوئی کام کرنا اس کے جواز کی دلیل نہیں' اسی طرح کسی کا نہ کرنا بھی عدم جواز کی دلیل نہیں۔ جواز وعدم جواز کا فیصلہ یا تو کسی نص سے ہوتا ہے' خواہ صراحتہ النص ہو یا دلالتہ النص یا اشارۃ النص ہو یا اقتضاء النص' یا نص کی روشنی میں عقل فیصلہ کرے گی کہ کس فرد یا قوم کے لیے کن حالات میں جائز یا ناجائز ہوگا۔

دراصل اس کتاب میں تین مکاتب فکر پیش کئے گئے ہیں:

۱۔ محدثین عام طور پر اس کی اباحت کے قائل ہیں۔

۲۔ فقہا عام طور پر اس کی حرمت کے قائل ہیں۔

۳۔ صوفیہ عام طور پر اس کے جواز کے قائل ہیں۔ مگر اس کے لیے بعض کڑی شرطیں رکھی ہیں تاکہ کوئی اس کا غلط استعمال نہ کرسکے۔

خود میرا رجحان محدثین کے مسلک کی طرف ہے۔

دوسرے ایڈیشن میں جو آپ کے پیش نظر ہے' خاصے اضافے ہوئے ہیں اور آخر میں موسیقی سے متعلق وہ مضامین شامل کر دیئے گئے ہیں جو (پہلے ایڈیشن کے بعد) بعض مخلص کرم فرماؤں کے اعتراضات یا سوالات کے جواب میں لکھے گئے تھے۔ ان میں کہیں کہیں مناظرانہ انداز پیدا ہو جانا ایک قدرتی نتیجہ ہے اعتراضات کا۔ بہرحال یہ آخری حصہ مضامین بھی بعض بڑے اہم نکات پر مشتمل ہے' جن سے بہت سے شبہات دور ہو جائیں گے اور کئی نئے پہلو سامنے آجائیں گے۔

قرآن اور جمالیات

فطرت اور جمالیات

جب ہم کائنات فطرت پر غور کرتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ انسان کے لیے قدرت نے بے شمار سامان فرحت و سرور پیدا کیے ہیں۔ یہ شگفتگی و مسرت انسانی زندگی کا ایک بڑا اہم حصہ ہے بشرطیکہ اس کا ربط دوسرے اجزائے حیات سے توازن کے ساتھ قائم رہے۔ انسان اپنی بقا کے لیے جس طرح مادی اسباب کا محتاج ہے اسی طرح کچھ روحانی مسرتیں بھی ہیں جن کا وہ محتاج ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو یہ اندرونی تقاضا اتنا زبردست ہوتا ہے کہ مادی تقاضے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

بلکہ اگر آپ زیادہ ڈوب کر دیکھیں تو یہ نظر آئے گا کہ ہر مادی تقاضے کے ساتھ ساتھ ہی ایک اندرونی تقاضا بھی ہوتا ہے جو مادی تقاضے پر غالب ہوتا ہے۔ کھانا انسان کا ایک مادی تقاضا ہے' لیکن اسی کے ساتھ ایک اندرونی تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ کھانا صاف ستھرا ہو' نمک مسالے میں تناسب ہو' کچا نہ ہو' سڑا بُسا نہ ہو۔ کھانے میں اگر ایک بال یا مکھی پڑ جائے تو لطیف طبائع مکدر ہو جاتی ہیں۔ کھانا صاف ستھرا' خوش رنگ' خوش ذائقہ اور تازہ ہو' لیکن افتادِ طبع کے خلاف جہاں ذرا سی چیز کوئی ایسی ویسی اس میں پڑی تو ترک طعام کا جذبہ خواہش طعام پر غالب آگیا۔ صرف مادی ضرورت تو ہر کھانے سے پوری ہو سکتی ہے' لیکن کیا کوئی انسان گوارا کرے گا کہ اگلے ہوئے لقمے کھا کر اپنا پیٹ

بھرے؟ کیا طبیعت انسانی کا یہ اباء اس بات کی دلیل نہیں کہ بھوک صرف معدی ہی نہیں ہوتی' ذوقی بھی ہوتی ہے اور یہ ذوقی بھوک معدی بھوک کے برابر ہی نہیں' بلکہ اس پر غالب بھی ہوتی ہے؟

مادی اور روحانی تقاضوں میں وہی فرق ہے جو قانون اور اخلاقی اقدار میں ہے۔ قانون مادی زندگی کے کچھ گوشوں کو پُر کر سکتا ہے' لیکن خود قانون بالکل بے جان اور بے معنی ہوتا ہے' اگر اس کی بنیاد اخلاقی قدروں پر نہ ہو۔ (ہم نے اس موضوع پر "ازدواجی زندگی کے متعلق اہم قانونی تجاویز" میں تھوڑی سی بحث کی ہے' اسے دیکھ لینا مفید ہوگا) اخلاقی اقدار اور ذوق سلیم دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں اور مادہ و قانون کا اصل مقصد اسی حقیقت کی طرف آگے بڑھانا ہوتا ہے۔

مادیت اور روحانیت

مادیت اور روحانیت اگرچہ بظاہر ایک دوسرے کی ضد نظر آتی ہیں لیکن انسان کو دونوں کا جامع بنایا گیا ہے۔ یہ اپنی اصل حقیقت میں صرف ایک انا (Ego) ہے' ایک لطافت ہے' اور ایک انرجی ہے جسے قرنہا قرن کے ارتقائی ادوار سے گزار کر ایک مادی لباس پہنا دیا گیا ہے۔ مادہ پرست اپنی اس مادیت کو اصل حقیقت سمجھتا ہے اور اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس رہبانیت پسند اس مادیت کو روحانیت کی ضد سمجھ کر اس سے اپنی جان چھڑانا چاہتا ہے اور نہیں چھڑا سکتا۔

امتزاج روحانیت و مادیت

لیکن دین انبیاء —— اسلام —— اس تناقض کو دور کر کے ان دونوں میں ایک حسین امتزاج پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ اسی مادیت میں رہ کر اور اس سے گزرتے ہوئے اس اصل حقیقت کو تلاش کرتے رہو' جو اس

مادیت کے پس پردہ کارفرما ہے۔ یہ ایک ایسا انداز فکر اور طرز عمل ہے جو نہ مادیت کو ختم کرتا ہے، نہ روحانیت کو فنا کرتا ہے بلکہ یہاں دونوں ایک دوسرے کی معاون ہو جاتی ہیں، اور دونوں ایک دوسرے کو ارتقا کی طرف لے جاتی ہیں۔ اسلام نہ تو نری مادیت کا قائل ہے نہ نری روحانیت کا۔ اس کے نزدیک روحانیت اسی مادیت کو اعتدال اور سیدھی راہ پر لانے کے لیے ہے اور مادیت اسی روحانیت کو تلاش کرنے کا واحد راستہ ہے۔ نری روحانیت کے متعلق اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے کہ:

ورھبانیه ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا (۲۷:۵۷)

یہ رہبانیت جو انہوں نے خود اختراع کرلی ہے، ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا بجز اس غرض کے کہ وہ رضائے الٰہی طلب کریں مگر وہ اس کی صحیح رعایت نہ کرسکے۔

اور نری مادیت کے بارے میں اسلامی زاویہ نظر یہ ہے کہ:

اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (۱۷۹:۷)

یہ لوگ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

رہبانیت کے نمونے

غور فرمائیے، وہ کون سی رہبانیت ہے جو لوگوں نے ایجاد کر رکھی تھی اور جس کی وہ پوری رعایت نہ کرسکے؟ یہ وہی رہبانیت ہے جس میں سارا زور روح پر دیا جاتا ہے، اور مادے کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ تاریخ اخلاق یورپ(۱) میں اس نوع کی رہبانیت کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

سینٹ میکریس اسکندروی چھ ماہ تک مسلسل ایک دلدل میں سویا کیے تاکہ ان کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن

اپنے اوپر لادے رہتے تھے۔

ان کے مرید سینٹ یوسیس تقریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے۔

ایک مشہور راہب یوحنا نامی مسلسل تین سال تک کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے اور اس مدت میں ایک لمحے کے لیے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے۔ جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتے۔

بعض راہب کسی قسم کا لباس نہیں استعمال کرتے تھے۔ ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بڑے بالوں سے لیتے تھے' اور چوپایوں کی طرح چاروں ہاتھ پاؤں سے چلتے تھے۔

راہبوں کے مکانات نہیں ہوتے تھے بلکہ وحشی درندوں کے غار' خشک کنویں یا قبرستان ان کے مسکن ہوتے تھے۔

اہل زہد کا ایک طبقہ صرف گھاس کھاتا تھا۔

جسم کی طہارت روحانی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی اور جو زاہد مراتب زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتا' اسی قدر وہ غلاظت و عفونت کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا۔

سینٹ اتھینیس فخریہ بیان کرتا ہے کہ سینٹ انٹونی سے بایں ہمہ کبرسنی کبھی بھی اپنے پاؤں دھونے کی معصیت کا ارتکاب نہیں ہوا۔ سینٹ ابراہام نے پنجاہ سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرے یا پیر پر کبھی پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی۔

راہب الگزینڈر بڑے افسوس اور حیرت سے فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہمارے اخلاف منہ دھونا حرام سمجھتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام میں جایا کرتے ہیں۔

اس رہبانیت کا نتیجہ یہ تھا کہ زندہ دلی' صاف گوئی' خوش طبعی'

فیاضی' شجاعت اور جرات کے اخلاقی اوصاف ان کے اندر ختم ہوگئے تھے' اور خانگی و معاشی زندگی برباد ہو کر رہ گئی تھی۔

لیکی کے بیان کے مطابق یہ رہبان عورتوں کے سائے سے بھاگتے تھے۔ اگر سایہ پڑ جاتا یا عورت کا سامنا ہو جاتا تو سمجھتے کہ ساری عمر کی ریاضت اکارت گئی۔

اپنی ماؤں' بہنوں اور بیویوں سے (راہب بننے کے بعد) بات کرنا بھی بڑاہ گناہ سمجھتے تھے۔

یہ راہب سینٹ جروم کے زمانے میں ایسٹر کے موقع پر پچاس ہزار کی تعداد میں جمع ہوئے تھے۔

چوتھی صدی عیسوی کے خاتمے پر مصر کی جتنی شہری آبادی تھی' تقریباً اتنی ہی تعداد راہبوں کی بھی تھی۔

یہ ہے وہ رہبانیت جو ان مسیحیوں نے اختراع کر رکھی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہاں "جمالیات حسی و روحانی" کا گزر بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

مادیت کے نمونے

اب دوسری طرف وہ مادہ پرستی ہے جس کا تسلسل آج تک روئے زمین کے ہر گوشے میں قائم ہے' جہاں زندگی کا مقصد صرف پُرعیش زندگی ہے۔ لباس' خوراک' آرائش' مکان' تفریح' جنسی ہوس' غرض ہر مادی مطالبے کی افراط اور اس کے حصول کے لیے ہر ظلم روا اور ہر حرام جائز ہو جاتا ہے۔ مقصد نہ کوئی علمی و ذہنی ترقی ہے' نہ اخلاقی و روحانی بلندی' نہ اقدار عالیہ کا تحفظ' نہ انسانیت کی خدمت۔ قرآن نے کیا غلط کہا ہے کہ یاکلون کما تاکل الانعام (چوپایوں کی طرح کھاتے ہیں)۔ چوپائے صرف اپنا پیٹ بھر کر اپنی مادی ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔ پیٹ بھر جائے تو قانع ہو جاتے ہیں' لیکن

ہوس ناک انسان اپنی تمام مادی ضرورت پوری کرنے کے بعد بھی قناعت نہیں کرتا۔ ھل من مزید کی ہوس اسے بے چین کیے رہتی ہے اور کسی مقام پر جا کر رکنے کا نام نہیں لیتی۔ اگر صرف مادی ضروریات کی تکمیل ہی انسان کا مقصد ہو تو چوپایوں پر اسے کیا خاص شرف حاصل ہو سکتا ہے؟ تمام حیوانات اپنی مادی ضروریات انسان سے زیادہ لطف اندوزی کے ساتھ پوری کر لیتے ہیں۔ اگر انسان بھی اتنا ہی کر لے' تو اسے اشرف المخلوقات بننے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ انسان اگر انسان ہونے کے بعد بھی وہی کچھ کرے' جو اس سے نچلے طبقے کے تمام حیوانات کر لیتے ہیں' تو کیا قرآن کا یہ فرمان صحیح نہ ہو گا کہ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل (وہ چوپائے ہی نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں)۔ یقیناً انسان کا یہ منصب نہیں کہ وہ صرف مادی ضروریات کی تکمیل کو اپنا مقصد بنا لے' اور ٹھیک اسی طرح اس کا یہ مقام بھی نہیں کہ مادی لطف اندوزیوں سے فرار کو روحانیت کی تکمیل سمجھنے لگے۔ دین صحیح ——— اسلام ——— نہ تو اس قسم کی مادیت کا قائل ہے' نہ اس نوع کی روحانیت کا۔ یہاں نہ مادہ پرستی کی حیوانی زندگی مقصود ہے' نہ رہبانیت کی حیات کُش اور بے معنی زندگی۔ اسلام ان دونوں کا تناسب و متوازن امتزاج چاہتا ہے جس میں ہر مادی لطف اندوزی روحانی لطافتوں سے وابستہ ہو اور ہر روحانی کیف مادیت کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہو۔ ہر مادیت عین روحانیت بن جائے اور ہر روحانیت عین مادیت ہو' نہ وہ اس سے جدا' نہ یہ اس سے الگ۔

اسلامی رجحان

جب صورت حال یہ ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اسلام مادی اور روحانی دونوں تقاضوں کو پورا کرنے کا رجحان رکھتا ہے' لیکن اس کا انداز یہ ہے کہ دونوں کے امتزاج میں توازن ہو' تناسب ہو' اعتدال ہو' اور

حسن و جمال ہو۔ ہر تقاضے پر اسلام نے کچھ قیود و حدود لگا دی ہیں' اور کچھ قد غنیں بٹھا دی ہیں' تاکہ روح و مادہ کے اس امتزاج میں لطافت باقی رہے' بگاڑ نہ پیدا ہو۔ اسی لطافت کا نام حسن و جمال ہے اور بگاڑ اس کی ضد ہے۔

اس کے بعد ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ "موسیقی" کوئی مادی تقاضا ہے یا روحانی مطالبہ۔ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں' یہ مطالبہ نہ یکسر مادی ہے نہ تمام تر روحانی۔ یہ دونوں سے ملا جلا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی استعداد جس پہلو پر زیادہ زور دے گی' وہی پہلو زیادہ غالب آ جائے گا۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے اس کا حسن و جمال اسی وقت قائم رہ سکتا ہے کہ اس کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں میں لطیف و متناسب امتزاج ہو۔

اسلام کو اگر جمالیاتی نقطہ نگاہ سے دیکھیئے تو معلوم ہو گا کہ وہ روحانی اور مادی ہر دو تقاضوں کی تکمیل میں حسن و جمال کو پسند کرتا ہے' یا یوں کہئے کہ دونوں کے امتزاج میں بھی وہی طریقہ پسند کرتا ہے جو حسین تر ہو۔ لہٰذا موسیقی کے متعلق کچھ سوچنے سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ اسلام جمال پسندی کے متعلق کیا زاویہ نظر رکھتا ہے۔

قرآن کی جمال پسندی

قرآن پاک کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی جمال پسندی میں قطعاً" کوئی شبہ نہیں باقی رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پسند کو کئی طرح ظاہر فرماتا ہے:

لفظ حسن اور اس کے مشتقات سے

لفظ جمال اور اس کے مشتقات سے

لفظ زینت اور اس کے مشتقات سے

اور دوسرے انداز بیان سے

آیئے! ان سب پر ایک اجمالی نگاہ ڈال لیں۔ ہم نے قرآن مجید کا

مطالعہ جب اسی نقطہ نگاہ سے کیا تو کم و بیش تین سو آیتیں ملیں، جن کا تعلق جمالیات سے ہے۔ اس پر تعجب نہ کیجئے۔ ایک درخت کو اگر آپ صرف رنگ کے نقطہ نگاہ سے دیکھیں تو جڑ سے پھننگ تک آپ کو رنگ ہی رنگ نظر آئیں گے۔ قوت نمو، قوت تحلیل، قوت جذب، انداز ربوبیت، خواص، قوت شعور وغیرہ میں جس زاویہ نظر سے بھی آپ کسی درخت کو دیکھیں گے، وہ سر سے پاؤں تک وہی نظر آئے گا۔ یہی حال اس شجرۂ طیبہ ـــــ قرآن پاک ـــــ کا ہے۔ اسے جس نقطہ نگاہ سے آپ دیکھیں گے، آپ کو یہ ویسا ہی دکھائی دے گا، کیونکہ یہ ساری خوبیوں کا نمائندہ اور مجموعہ بشکل وحدت ہے۔

قرآن مجید کی ساری آیتوں کو پیش کرنا یقیناً موجب طوالت ہوگا، اس لیے ہم صرف چند آیات ہی پیش کریں گے۔ ملاحظہ ہو:

آسمانوں کے ذکر میں ارشاد ہوتا ہے:

انا زینا السماء الدنیا بزینة الکواکب (۳۷:۶)

ہم نے سمائے دنیا کو کواکب کی زینت سے مزین کیا ہے۔

ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح (۶۷:۵)

ہم نے سمائے دنیا کو روشن چراغوں سے زینت بخشی ہے۔

وجعلنا فی السماء بروجا وزینها للناظرین (۱۵:۱۶)

ہم نے آسمان میں بروج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے اسے مزین کیا۔

افلم ینظروا الی السماء فوقهم کیف بنینها وزینها (۵۰:۶)

تو کیا لوگ اپنے اوپر آسمان کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسی زینت بخشی ہے!

نباتات کا ذکر قرآن کریم یوں کرتا ہے:

حتی اذا اخذت الارض زخرفھا وازینت (۱۰:۲۴)
یہاں تک کہ جب زمین اپنے کمال حسن کو اختیار کر کے
مزین ہو گئی۔
نباتات کے علاوہ سطح زمین کی تمام مخلوقات کے متعلق ارشاد ہے:
انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا (۱۸:۷)
ہم نے جو کچھ بھی زمین پر بنایا ہے' وہ اس کی زینت کے
لیے ہے۔
لباس کو زینت اور زینت اللہ (اللہ کی زینت) فرمایا گیا ہے:
یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (۷:۳۱)
اے فرزندان آدم ہر نماز کے وقت اپنی زینت اختیار کر لیا
کرو۔ (اس میں لباس اور سلیقہ مندی کی سب باتیں داخل
ہیں)
قل من حرم زینت اللّٰہ التی اخرج لعبادہ (۷:۳۲)
پوچھو کہ اللہ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت کی چیزیں
پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟
یا بنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم و
ریشا۔
اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لیے لباس مہیا کیا جو
تمہاری پردہ پوشی کرتا ہے اور باعث زینت بھی ہے۔
اَنعام (چوپایوں) کا ذکر کرتے ہوئے جہاں اس کے مختلف مقاصد بتائے
ہیں' وہاں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ:
ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون
(۱۶:۶)

تمہارے لیے ان کے اندر شام کو لوٹاتے وقت اور صبح کو
لے جاتے وقت ایک عجیب جمال ہوتا ہے۔
گھوڑے' خچر اور گدھے کا مقصد سواری کے علاوہ اور بھی ہے:
والخیل و البغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ (۱۶:۸)
اس نے گھوڑے' خچر اور گدھے سواری کے لیے بھی بنائے
ہیں اور زینت کے لیے بھی۔
بنی اسرائیل کو جو گائے (بقرہ) ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا' اس میں
جمالیات کا زیادہ لحاظ رکھا گیا تھا:
انہا بقرۃ صفراء فاقع لونہا تسر الناظرین (۲:۶۹)
ایسی گائے جو بھڑکدار زرد ہو اور دیکھنے والوں کو بھی بھلی
لگے
لاشیۃ فیہا (۲:۷۱)
اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔
خدا اپنی تمام مخلوقات کے متعلق فرماتا ہے:
الذی احسن کل شئۃ خلقہ (۳۲:۷)
"جس نے اپنی ہر پیدا کردہ شے کو حسن بخشا۔"
انسان کی صورت گری کی کیفیت کے متعلق ارشاد ہے:
و صورکم فاحسن صورکم ((۴۰:۶۴' ۶۴:۳)
تمہاری صورت گری کی تو حسین صورتیں بخشیں۔
آخری ٹھکانے کے متعلق ارشاد ہے:
واللہ عندہ حسن المآب (۳:۱۴' ۱۳:۲۹' ۳۸:۴۰'
۳۸:۴۹)
اللہ کے ہاں جو ٹھکانا ہے اس میں بھی حسن ہے۔

یہی اجر و ثواب کے متعلق ہے:

واللہ عندہ' حسن الثواب (۱۹۵:۳)

اور اللہ کے ہاں جو اجر ہے وہ بھی حسن رکھتا ہے۔

خوب کاری کی جو جزا ہے اس کے متعلق لفظ حسنۃ آیا ہے۔

للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ (۳۰:۱۶)

اس دنیا میں حسن کاروں کے لیے حسین بدلہ ہے۔

وعظ و پند کا حکم دیتے وقت حسن کاری کا لحاظ ضروری ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ (۱۲۵:۱۶)

راہ ربانی کی طرف دعوت دو حکمت اور حسین وعظ و پند کے ساتھ۔

اسی جگہ مناظرے کے لیے جو طریقہ بتایا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ

وجادلھم بالتی ھی احسن (۱۲۵:۱۶)

ان کے ساتھ مباحثہ کرنا ہو تو خوبصورت ترین طریقہ اختیار کرو۔

حسن عمل کی جزا دس گنی رکھی گئی ہے:

من جاء بالحسنۃ فلہ' عشر امثالھا (۱۶:۶)

جو خوب کاری کرے گا اسے دس گنا بدلہ ملے گا۔

دعائیہ الفاظ میں دنیا و آخرت دونوں کے لیے حسن انعام کی توفیق مانگنی سکھائی گئی ہے:

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ (۲۰۱:۲)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت دونوں میں "حسنہ" عطا فرما۔

حسنہ ہی کے عوض کئی گنا بدلہ اور اجر عظیم کا وعدہ ہے:

وان تک حسنة یضٰعفها ویوت من لدنه اجراً عظیما (۴:۴۰)

اگر رائی برابر بھی حسنہ ہو گا تو اللہ اس کو کئی گنا کرے گا اور اپنی بارگاہ سے اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

حسن عمل برائیوں کو دور کر دیتا ہے:

ان الحسنات یذهبن السیات (۱۱:۱۴)

حسن کاریاں بدکاریوں کو دور کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے قبول اور مریمؑ کی اٹھان کے متعلق فرماتا ہے:

فتقبلها ربها بقبول حسن وانبتها نباتا حسنا (۳:۳۷)

اللہ نے اسے حسن قبول سے نوازا اور اس کی عمدہ اٹھان اٹھائی۔

راہ مولا میں جو کچھ دیا جائے وہ قرض ہے، مگر کیسا قرض؟ ارشاد ہے:

من ذالذی یقرض اللہ قرضاً حسنا (۲:۲۴۵، ۵:۱۲، ۵۷:۱۱، ۵۷:۱۸، ۶۴:۱۷، ۷۳:۲۰)

کون ہے جو خدا کو حسین قرض دے؟

خدا اپنی جنگی آزمائشوں کے لیے جو عجیب لفظ پسند فرماتا ہے، وہ یہ ہے:

ولیبلی المومنین منه بلاء حسناً (۸:۱۷)

تاکہ وہ اہل ایمان کو جنگ کی حسین آزمائش میں ڈالے۔

اپنی متاع بخشیدہ کو بھی خدا متاع حسن کہتا ہے:

یمتعکم متاعا حسناً (۱۱:۳)

وہ تمہیں حسین متاع سے نوازے گا۔

حضرت شعیبؑ رزق الٰہی کو بھی حسین رزق کہتے ہیں:

رزقنی منہ رزقا حسنا (۸۸:۱۱)

مجھے اس نے اپنی طرف سے حسین روزی دی۔

اللہ بھی اپنے رزق کو ایسا ہی فرماتا ہے:

ومن رزقنٰہ رزقا حسنا (۷۵:۱۶ ' ۶۷:۱۶ ' ۵۸:۲۲)

اور جسے ہم نے حسین روزی دی۔

ایمان و عمل صالح کے عوض خدا جس اجر کا وعدہ فرماتا ہے وہ نرا اجر نہیں بلکہ:

(الف) ان لھم اجراً حسنا (۲:۱۸)

ان کے لیے حسین اجر ہے۔

(ب) یوتکم اللہ اجرا حسنًا (۱۶:۴۸)

تمہیں خدا حسین بدلہ دے گا۔

سیدنا موسیٰؑ وعدۂ الٰہی کو بھی محض وعدہ نہیں فرماتے بلکہ:

الم یعدکم ربکم وعداً حسنًا (۸۶:۲۰)

کیا تمہارے رب نے تم سے حسین وعدہ نہیں کیا ہے؟

خدا بھی اپنے وعدے کو ایسا ہی فرماتا ہے:

افمن وعدنہ وعداً حسنا

کیا وہ جس سے ہم نے حسین وعدہ کر رکھا ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے ناموں کو بھی حسین نام کہتا ہے:

وللہ الاسماء الحسنیٰ (۱۸:۷ ' ۲۴:۶۰ ' ۱۱:۱۷ ' ۸:۲۰)

اور اللہ ہی کے لیے ہیں حسین نام۔

احسان کا مطلب

آگے چلنے سے پہلے ایک ضروری حقیقت پر بھی غور کرتے چلئے۔

"حسن" سے تعلق رکھنے والے بے شمار الفاظ قرآنی کو ہم نے اگرچہ بخوف طوالت ترک کر دیا ہے' لیکن ایک لفظ کا ذکر کر دینا یہاں بہت ضروری ہے۔ لفظ "احسان" اور اس کے مشتقات بہت ہیں جو قرآن میں آئے ہیں' مثلاً احسن' احسنو' احسنتم' یحسنون' محسنین وغیرہ۔ ہم ان سب کو اس وقت چھوڑتے ہیں۔ البتہ اس کا مفہوم ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ احسان کا ترجمہ عام طور پر نیکی کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ بہت محدود اور تنگ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں حسین کر دینا یا حسین بنا دینا۔ جو کام بھی عمدگی' خوبصورتی' سلیقے اور خوبی کے ساتھ کیا جائے گا وہ اس کام کا احسان ہو گا۔ جس بات میں حسن و خوبی پیدا کی جائے وہ احسان ہو گا۔ مطلوب صرف نیکی نہیں بلکہ اس میں حسن پیدا کرنا ہے۔ ایک ہے نیت اور ایک ہے حسن نیت۔ ایک ہے عمل اور ایک ہے حسن عمل۔ ایک ہے خلق اور ایک ہے حسن خلق۔ ایک کلام ہے اور ایک ہے حسن کلام۔ ایک ہے بیان اور ایک حسن بیان۔ ایک ہے ظن اور ایک حسن ظن۔ ایک ہے ثواب اور ایک ہے حسن ثواب۔ ایک ہے عبادت اور ایک ہے حسن عبادت۔ ان دونوں میں فرق ہے۔ ایک چیز نیکی ہے اور دوسری حسن نیکی ہے۔ یہی مطلوب ہے اور اسی کی ایک نوعیت احادیث میں (بطور تشریح احسان) یوں بیان کی گئی ہے کہ:

ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

(بخاری' مسلم' نسائی' کلہم فی کتاب الایمان)

عبادت الٰہی اس حسن و خوبی سے کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو ورنہ کم از کم یہ تصور تو ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

گویا صرف عبادت مطلوب نہیں بلکہ اس میں کمال حسن پیدا کرنا مطلوب ہے۔ اس لحاظ سے قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی احسان کا لفظ آیا ہے

اس سے مراد زندگی اور اس کے اعمال میں حسن و جمال، عمدگی، سلیقہ، خوبی اور زینت پیدا کرنا ہی مقصود ہے۔ اور محسن وہی ہے جو اپنے افکار، گفتار اور کردار سب میں حسن پیدا کرنے کی فکر میں لگا رہے۔ اس احسان کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ ان تمام آیتوں سے ہو سکتا ہے جس میں محسنین کی محبوبیت یا معیت کا ذکر ہے، مثلاً ان اللہ یحب المحسنین، ان اللہ مع المحسنین، وغیرہ۔

لفظ زینت اور حسن کے بعد لفظ جمال اور اس کے مشتقات کو بھی دیکھتے چلئے۔ ایک آیت تو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں:

ولکم فیھا جمال حین تریحون وحین تسرحون (٦:١٦)

اور ان چوپایوں میں تمہارے لیے عجیب جمال ہے شام کو لوٹاتے وقت اور دن کو باہر لے جاتے وقت۔

اس کے بعد کچھ اور آیات دیکھئے:

فمتعوھن و سرحوھن سراحًا جمیلا (۴۹:۳۳، ۲۸:۳۳)

انہیں کچھ دے دو اور عمدگی سے چھوڑ دو۔

یہی مضمون دوسری جگہ لفظ احسان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

فامساک بمعروف اوتسریح باحسان

انہیں قاعدے سے روک لو یا خوبصورتی سے چھوڑ دو۔

دشمنوں اور مخالفوں سے درگزر کرنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ یہ ہے:

واھجرھم ھجراً جمیلا (۱۰:۷۳)

انہیں عمدگی سے ان کے حال پر چھوڑ دو۔

دوسری جگہ تقریباً یہی مضمون یوں ہے:

فاصفح الصفح الجمیل (۸۵:۱۵)

عمدگی سے درگزر کرو۔
صبر کے وقت بھی نرا صبر مطلوب نہیں بلکہ:

فاصبر صبراً جمیلا (۵:۷۰)
حسین صبر سے کام لو۔
چنانچہ سیدنا یعقوبؑ نے یوسفؑ اور بن یمین دونوں کی گمشدگی پر یہ فرمایا:

فصبر جمیل (۱۸:۱۲، ۸۳:۱۲)
میں حسین صبر کروں گا۔

صرف حسین نہیں بلکہ حسین تر

اس سلسلے میں ایک ضروری نکتہ یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ مطلوب محض کوئی "شے حسن" (اچھی چیز) نہیں، اصل مطلوب "شئے احسن" (بہتر سے بہتر یا بہترین چیز) ہے۔ ترک قبیح ابتدائی قدم ہے، اور اختیار حسن دوسرا قدم۔ اس کے بعد اس حسن میں مسلسل ارتقا ہوتا رہے گا، کیونکہ حسن ایک اضافی چیز ہے، اور احسن کی تلاش ایک لامتناہی ارتقائی عمل ہے اور یہی اصل مطلوب ہے۔ چند آیات اس کے متعلق بھی سن لیجئے۔

موت و حیات کی آفرینش کی غرض ہی احسن عمل ہے:

الذی خلق الموت و الحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (۲:۶۷)

خدا نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں بہتر سے بہتر عمل کس کا ہے۔

زمین اور اس کے حسین خزائن کی غرض آفرینش بھی یہی ہے:

انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھالنبلوھم ایھم احسن

عملا (۱۸:۷)

ہم نے زمین پر جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ اس کے لیے زینت ہے تاکہ وہ آزما کر دیکھے کہ ان میں سب سے بہتر عمل کس کا ہے۔

اہل کتاب سے مباحثے کا جو طریقہ بتایا گیا ہے' وہ یوں ہے:

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی هی احسن (۲۹:۴۶)

اہل کتاب سے بہتر سے بہتر طریق پر مباحثہ کرو۔

عام انداز مباحثہ کے لیے بھی یہی حکم ہے:

وجادلهم بالتی هی احسن (۱۶:۱۲۵)

ان سے بہتر سے بہتر انداز سے مباحثہ کرو۔

یتامیٰ کے غریب نگران اپنا معاوضہ لینا چاہیں تو اس کا انداز یہ ہو:

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی هی احسن (۶:۱۲۵' ۱۷:۳۴)

مال یتیم کے قریب بہتر سے بہتر طریق پر جا سکتے ہو۔

زبان سے بات نکالتے وقت بھی بہتر ہونے کا خیال ضروری ہے:

وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن (۱۷:۵۳)

میرے بندوں سے کہو کہ وہ بہتر سے بہتر بات کریں۔

برائی کو دور کرتے وقت بھی بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرنا چاہیے:

(الف) ادفع بالتی هی احسن السیئه (۲۳:۹۶)

برائی کو بہترین طریق پر دور کرو۔

(ب) ادفع بالتی هی احسن (۴۱:۳۴)

بہترین طریقے پر برائی کے خلاف دفاع کرو۔

جواب سلام میں بھی بہتر سے بہتر جواب دینے کا حکم ہے:

واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها
(۸۶:۴)
جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سلام سے بہتر جواب دو'
ورنہ ویسا ہی سہی۔
قرآن کو احسن الحدیث فرمایا گیا ہے:
اللہ نزل احسن الحدیث (۲۳:۳۹)
اللہ نے احسن حدیث (بہترین بات) نازل فرمائی۔
کتاب اللہ میں سے بھی احسن چیز کے اتباع کا حکم ہے:
واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم (۵۵:۳۹)
جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس
کے بہترین حصے کا اتباع کرو۔
یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ کتاب اللہ میں غیر حسن چیزیں بھی ہیں۔
موقع اور تقاضے کے اختلاف سے ایک حسن چیز غیر حسن اور وہی دوسرے
موقع پر احسن ہو جاتی ہے۔ جیسے بے وقت نماز اور باوقت نماز۔ اسی مضمون کو
دوسری جگہ یوں بیان فرمایا گیا ہے:
الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (۵۵:۲۹)
(میرے ان بندوں کو بشارت دو) جو قول الٰہی سن کر اس
کے بہترین حصے کا اتباع کرتے ہیں۔
اسی انداز کی ہدایت بنی اسرائیل کو بھی کی گئی تھی کہ:
وامر قومک یاخذوا باحسنها (۱۴۵:۷)
(اے موسیٰ) اپنی قوم کو حکم دو کہ تورات کے بہترین حصے کو
اختیار کریں۔
اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت کا شرف بھی ان اعمال کو بخشتا ہے' جو بہترین اور

حسین ترین ہوں۔

اولٰئک الذین نتقبل عنہم احسن ما عملوا (۱۶:۴۶)

یہ ہیں وہ لوگ جن کے حسین ترین اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں۔

قانون جزائے اعمال میں بھی اسی کا لحاظ ہے:

(الف) لیجزیھم اجرھم باحسن الذی کانوا یعلمون (۳۵:۳۹)

تاکہ اللہ ان میں ان کے حسین ترین اعمال کا بدلہ دے۔

(ب) ولنجزین الذی صبروا اجرھم باحسن ماکانوا یعملون (۹۶:۱۶)

ہم صابروں کو ان کے حسین ترین اعمال کی جزا دیں گے۔

(ج) ولنجزینھم اجرھم باحسن ماکانوا یعملون (۹۷:۱۶)

عمل صالح کرنے والوں کو ہم ان کے حسین ترین اعمال کا اجر عطا کریں گے۔

خدا خود جو جزا دے گا وہ بھی بہترین اور حسین ترین ہی ہے:

(الف) ولیجزینھم احسن الذی کانوا یعملون (۲۹:۷)

ہم انہیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

(ب) لیجزیھم اللہ احسن ماکانوا یعملون (۱۲:۹)

تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی بہترین جزا دے۔

(ج) لیجزیھم اللہ احسن ما عملوا (۳۸:۲۴)

تاکہ اللہ تعالےٰ انہیں اعمال کا حسین ترین بدلہ دے۔

انسانی تخلیق کو خدا احسن تقویم (بہترین سانچہ) قرار دیتا ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵:۴)
ہم نے انسان کو حسین ترین سانچے میں ڈھال کر بنایا ہے۔
غرض بے شمار آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پسند صرف حسن نہیں بلکہ "احسنیت" ہے۔ اور بندوں سے ہر معاملے میں یہی احسنیت مطلوب ہے۔ یعنی اختیار حسن میں بھی مسلسل ارتقا ہوتے رہنا چاہئے۔ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے:
ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیہا حسنا (۲۳:۴۲)
جو شخص حسن عمل کو اختیار کرے گا' ہم اس کے لیے اس میں اور اضافہ حسن کرتے جائیں گے۔
احسن ہی کا مونث ہے حسنیٰ۔ پس جہاں جہاں حسنیٰ کا لفظ آیا ہے وہاں بھی بہترین' خوب ترین' اور حسین ترین ہی شے مراد ہے۔ مثلاً
(الف) ان لھم الحسنٰی (۱۶:۶۲)
ان کے لیے حسین ترین بدلہ ہے۔
(ب) فلہ جزاء الحسنٰی (۱۸:۸۹)
اس کے لیے بہترین جزا ہے۔
ان مقامات کے علاوہ قرآن نے جنت کی جو نقشہ کشی کی ہے وہ خود ہمہ تن جمال آفرینی اور حسن ذوق کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ باغ و بہار' روانی انہار' شادابی اشجار' لولوو مرجان' حور و قصور' تکیہ و قالین' ساغر و مینا' جام لبریز' کیا کچھ نہیں ہے۔ ہم ان تفصیلات کو سروست چھوڑتے ہیں۔
الغرض آسمانوں' زمین' مخلوقات زمین' لباس' انعام (چوپائے)' ساری مخلوقات' انسان' ثواب و اجر' وعظ و پند' عمل' دعا' سفارش ابتلا' متاع زندگی' رزق' وعدے' اسمائے الہیہ' تسریح (الگ کرنا)' ہجر (چھوڑنا)' صبر' مقصد خلق' مناظرے' تصرف مال یتیم' گفتگو' مکافات' جزا' جواب سلام' اتباع اوامر وغیرہ

میں ہر جگہ حسن' جمال' زینت اور خوبی ہی مطلوب ہے۔ اور صرف حسن و جمال ہی نہیں' بلکہ احسنیت اور اجملیت کی ایسی ارتقائی شکل مطلوب ہے' جہاں کوئی ٹھہراؤ نہ ہو' یعنی

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

قرآن میں ذکر موسیقی

عام طور پر اب تک یہی سمجھا گیا ہے کہ قرآن میں یوں تو زمین سے آسمان تک' مجردات سے محسوسات تک' جوہر سے حیوانات بلکہ انسان تک اور پھر دنیا سے آخرت تک بے شمار جمالیات کا ذکر موجود ہے' لیکن سماعی جمالیات' یعنی نغمہ و موسیقی کا کوئی ذکر موجود نہیں' نہ نفیا" نہ اثباتا"' لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے جنت کے انعامات کا جہاں ذکر کیا ہے' وہاں اس کی نغماتی نعمت کا بھی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

ادخلوا الجنة انتم و ازواجکم تحبرون (۴۳:۷۰)
تم اور تمہارے جوڑے جنت میں جاؤ جہاں تمہیں نغمے سنائے جائیں گے۔

نیز ارشاد ہے:

فاما الذین آمنوا وعملوا الصلحت فھم فی روضة یحبرون (۳۰:۱۵)
جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کیے وہ چمن میں نغمے سن رہے ہوں گے۔

تحبرون اور یحبرون' الحبرہ سے ہے جس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ "وہاں مسرور ہوں گے' مگن ہوں گے' خوش ہوں گے۔" ہمیں

اس ترجمے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ "حبرۃ" کے یہ معنی بھی ہیں، لیکن امام شریف مرتضیٰ حسین زبیدی تاج العروس ج ۳ ص ۱۱۸ میں اس کے ایک اور معنی کہتے ہیں کہ:

الحبرۃ بالفتح السماع فی الجنۃ وبہ فسر الزجاج الایہ
وقال الحبرۃ فی اللغۃ کل نغمۃ حسنۃ محسنۃ
حبرۃ (حا کے زبر سے) مراد بہشتی نغمہ ہے اور زجاج نے مندرجہ بالا آیت کی تفسیر یہی کی ہے اور کہا ہے کہ حبرۃ لغت میں ہر اچھے گانے کو کہتے ہیں۔

زجاج بھی راغب اصفہانی کی طرح لغت اور نحو کے امام ہیں۔ اس لیے اگر راغب کا قول سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، تو زجاج کا قول بھی اسی طرح بطور سند پیش کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں شیخ عبد اللہ البستانی اللبنانی اپنے آخری مستند لغت البستان میں لکھتے ہیں:

الحبرۃ.... کل نغمۃ حسنۃ محسنۃ.... سماع الانغام فی الجنۃ
یعنی ہر عمدہ گانا اور خاص طور پر جنت میں گانوں کا سننا۔

"مصباح اللغات" المنجد کا ترجمہ ہے۔ اس میں حبرۃ کے معنی یہ لکھے ہیں: "خوشی، نعمت، ہر عمدہ راگ۔"

"المنجد" میں ہے: کل نغمۃ حسنۃ یعنی ہر اچھا گانا۔ علاوہ ازیں حبرۃ اور تحبیر کی بہترین تفسیر خود احادیث میں یوں آئی ہے:

لحبر تہ لک تحبیرا
بحار الانوار میں تحبیر کے معنی یوں لکھتے ہیں:

یرید تحسین الصوت و تحزینہ

یعنی اس سے مراد خوش آوازی اور سوز و درد ہے۔
کتاب التعرف لمذهب التصوف (مصنفہ امام ابوبکر بن ابی اسحٰق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی) کی شرح فارسی میں ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ المستملی البخاری نے کی ہے جو مطبع نو لکشور میں چھپی ہے۔
اس کے چوتھے حصے کا آخری باب آداب سماع پر ہے۔ اس میں لکھتے ہیں:

چنانچہ در خبر آمدہ است کہ بعضے از مفسران گفتہ اند در قول خدائے تعالٰی کہ میگوید ان الذین امنوا وعملوا الصلحت فهم فی روضة یحبرون۔ قیل یحبرون بالسماع یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کو چمن میں گانے سنائے جائیں گے۔

علاوہ ازیں تفسیر ابن کثیر میں یحیٰی ابن ابی کثیر سے اور تفسیر کشاف میں وکیع سے بہشتی نغمے ہی منقول ہیں۔
نواب صدیق حسن خان کی کتاب "مشیر ساکن الغرام الی روضات دار السلام" صفحہ ۵۸ میں ہے:

...... فهم فی روضة یحبرون۔ قال یحیی بن ابی کثیر الحبرة لذة السماع ولا یخالف هذا قول ابن عباس یکرمون و قول مجاهد و قتادة ینعمون فلذة الاذن بالسماع من الحبرة والنعم
فهم فی روضة یحبرون کے متعلق یحیٰی ابن کثیر کہتے ہیں کہ "حبرة" کے معنی لذت اور سماع ہیں اور یہ ابن عباس کی تفسیر یکرمون (ان کا اعزاز کیا جائے گا) کے خلاف نہیں اور نہ مجاہد و قتادہ کی تفسیر ینعمون (انہیں نعمتوں سے نوازا جائے گا) کے خلاف ہے کیونکہ کانوں سے گانے کی

لذت حاصل کرنا بھی نعمت ہی ہے۔

اس کے بعد نواب صاحب نے کوئی پندرہ روایات ایسی جمع کی ہیں کہ جنت میں گانے خاص کر حوروں کے گانے ہوں گے۔

حدیث اور جمالیات

یوں تو قرآن کا پیش کر دینا ہر مسلمان کے لیے کافی ہے اور کسی ایسی روایت کو حدیث کہنا ہی غلط ہے جو قرآن کے مطابق نہ ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس قرآن کی تبلیغ کے لیے آنحضورؐ مبعوث ہوئے ہوں اسی کے خلاف خود کچھ فرمائیں۔ لہٰذا اگر قرآن جمال آفرین ہے تو حضورؐ سب سے پہلے جمال پسند ہوں گے۔ خدا خود جمیل اور جمال پسند(۲) ہو تو حضورؐ کیوں نہ ہوں؟ اگر یہ صحیح ہے کہ حضورؐ کی سیرت قرآن ہی کی چلتی پھرتی تصویر ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ خلقه القرآن (حضورؐ کی سیرت قرآن ہے) تو ظاہر ہے کہ حضور کی ساری زندگی ـــــ افکار، گفتار، اور کردار ـــــ حسن و جمال ہی کی زندہ تصویر ہو گی۔

حضورؐ کا ذوق جمال اس قدر نازک تھا کہ ذوق سلیم کے خلاف کوئی شے حضورؐ کو گوارا نہ تھی۔ تمام احادیث و سیر متفق ہیں کہ وفات سے تھوڑی دیر پیشتر بھی حضورؐ نے مسواک فرمائی۔ اس وقت حضورؐ اتنے کمزور تھے کہ مسواک کو خود نہ چبا سکے، تو حضرت عائشہؓ نے چبا کر دی اور حضورؐ نے مسواک فرمائی۔ جب حضورؐ کہیں کوئی ایسی بات دیکھتے جو عمدگی، سلیقے، صفائی اور جمال کے خلاف ہوتی، تو وہیں اس کی اصلاح فرما دیتے۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱) ترمذی ابن مسیب سے ایک مرسل روایت یوں نقل کرتے ہیں:

ان اللّٰه طیب یحب الطیب نظیف یحب النظافة ......

فتنظفوا الراه قال افنیتکم ولا تشبهوا الیهود۔

اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ ستھرا ہے اور ستھرائی کو عزیز رکھتا ہے...... لہٰذا تم اپنے گھروں کے صحن کو صاف ستھرا رکھا کرو اور یہود کی مشابہت سے بچو۔

(۲) امام مالک عطاء بن یسار سے روایت کرتے ہیں:

کان النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم فی المسجد فدخل رجل ثائر الراس واللحیہ فاشار الیہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم بیدہ کانہ یا مرہ باصلاح شعرہ و لحیتہ ففعل ثم رجع فقال صلی اللّٰہ علیہ و سلم الیس ھذا خیرا من ان یاتی احدکم ثائر الراس کانہ شیطان۔

حضورؐ مسجد میں جلوہ افروز تھے کہ ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بال پریشان اور داڑھی الجھی ہوئی تھی۔ حضور نے اسے اشارے سے حکم دیا کہ اپنے بال اور داڑھی ٹھیک کرو۔ اس نے تعمیل حکم کی اور واپس چلا گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہ بہتر ہے یا بکھرے ہوئے بال لے کر آتا؟ جیسے شیطان چلا آرہا ہو۔

(۳) نسائی ابو الاحوص کے والد سے روایت کرتے ہیں:

اتیت النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم و علی ثوب دون فقال لی الک مال؟ قلت نعم قال من ای المال؟ قلت من کل المال اعطانی اللّٰہ تعالٰی من الابل و البقر و الغنم والخیل و الرقیق قال فاذا اتاک اللّٰہ مالا فلیر اثر نعمۃ اللّٰہ علیک و کرامتہ۔

میں ایک بار حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس وقت

میرے جسم پر بہت معمولی لباس تھا۔ حضورؐ نے پوچھا کچھ
مال تمہارے پاس ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ پوچھا کس
قسم کا مال؟ عرض کیا ہر قسم کا مال اللہ نے دے رکھا ہے۔
اونٹ' گائے' بکریاں' گھوڑے اور خدام وغیرہ سب کچھ
ہے۔ فرمایا جب اللہ نے تمہیں اتنا کچھ دے رکھا ہے' تو
اس کے انعام و اکرام کا کچھ لباس سے بھی اظہار ہونا
چاہیے۔

(۴) ابو داؤد اور ترمذی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں:

امر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم ببناء المسجد فی
الدور وان ینظف ویطیب۔

حضورؐ نے گھروں یا محلوں میں مسجد تعمیر کرنے کا اور اس میں
صفائی رکھنے اور خوشبو سے بسائے رکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۵) ایک اور مشہور روایت حضرت انس سے مسند احمد' نسائی
مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے:

حبب الی من دنیاکم النساء والطیب (۳) .....

اس دنیا میں مجھے بیویوں سے اور خوشبو سے بڑی محبت ہے۔

اتنے شواہد حضورؐ کا ذوق جمال واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ تاہم
ایک اور بلیغ بدوی عورت ام معبد کی زبان سے خود حضورؐ کا سراپا سن لیجئے۔
اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ حضورؐ کیسے تھے اور حضورؐ کا مزاج و ذوق کیا تھا؟
ملاحظہ ہو:

(خنیس بن خلد) ..... قالت : رایت رجلا ظاہر
الوضاءة ابلج الوجہ حسن الخلق لم تعبہ ثجلة ولم تذربہ
صعلة وسیم قسیم فی عینیہ و عج' وفی اشفارہ

وطف، وفی صوتہ صحل و فی عنقہ سطع، وفی لحیتہ
کثاثۃ ازج، اقرن، ان صمت فعلیہ الوقار، وان تکلم سما
و علاہ البھاء اجمل الناس و ابھاہ من بعید واحلاہ
واحسنہ من قریب، حلو المنطق، لا ھذر ولا نزر کان
نطقہ خرزات نظم، ربع لا تشنوہ من طول ولا تقتحمہ
من قصر، غصن بین غصنین، فھوا نضر الثلاثۃ
منظرا و احسنھم قدرا (طبرانی فی الکبیر)
(ہجرت فرماتے ہوئے حضورؐ ام معبد کے خیمے سے گذرے
تھے، جب اس کا شوہر ابو معبد گھر پر آیا اور اپنے خالی
برتنوں کو دودھ سے بھرا ہوا دیکھا تو پوچھا یہ کہاں سے آیا
ہے؟ ام معبد نے کہا کہ یہ برکت ہے ایک شخص کی جو ابھی
ادھر سے گزرا تھا۔ اس نے کہا کہ ذرا اس کا حال تو بتاؤ؟)
اس پر وہ بولی:
میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں،
جس کا چہرہ روشن اور جس کی بناوٹ (خلق) میں حسن تھا،
نہ موٹاپے کا عیب، نہ دبلاپے کا نقص، خوشروؐ حسین،
آنکھیں کشادہ اور سیاہ، پلکیں لمبی، آواز میں کھنک، گردن
صراحی دار، داڑھی گھنی، بھویں کمان دار، اور جٹی ہوئی۔
خاموشی میں وقار کا مجسمہ، گفتگو میں صفائی اور دلکشی۔ حسن
کا پیکر اور جمال میں یگانہ روزگار، دور سے دیکھو تو حسین
ترین، قریب سے دیکھو تو شیریں ترین بھی جمیل ترین بھی،
گفتگو میں مٹھاس، نہ فضول گفتگو کرے، اور نہ ضرورت
کے وقت خاموش رہے، گفتگو اس انداز کی جیسے پروئے

ہوئے موتی' ایسا میانہ قد جس میں نہ قابل نفرت درازی'
نہ حقارت آمیز کوتاہی' اگر دو شاخوں کے درمیان ایک اور
شاخ ہو تو وہ دیکھنے میں ان تینوں شاخوں سے زیادہ ترو تازہ
دکھائی دے اور قدرو قیمت میں ان سب سے بہتر نظر
آئے۔

دید و شنید

اوپر کی مثالوں کو دیکھئے تو تقریباً" ہر جگہ ایسے ہی حسن و جمال کا ذکر ہے جو آنکھوں سے نظر آتا ہے یا دل محسوس کرتا ہے۔ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ حسن و جمال کا تعلق صرف دید سے ہے اور شنید سے نہیں۔ احساس جمال تو صرف دماغ کرتا ہے' لیکن اس کے وسائل مختلف ہوتے ہیں کبھی زبان سے اچھا مزہ چکھ کر' کبھی ناک سے خوشبو سونگھ کر' کبھی کانوں سے اچھی آواز سن کر' اور کبھی آنکھوں سے حسین شے دیکھ کر ——— یہ سب مختلف آلات ہیں' جن کے وسیلے سے دماغ کسی اچھے برے کا احساس کرتا ہے۔ یہ سب ذرائع ہیں علم کے اور دماغ مرکز علم ہے۔ اگر قوت سماع نہ ہو' تو علم کا بہت بڑا ذریعہ مفقود ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ پیدائشی بہرے ہوتے ہیں وہ گونگے بھی ہوتے ہیں۔ یعنی سماعت کا فقدان گویائی زبان کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ کچھ سننے میں آئے تو زبان سے اسے ادا کیا جائے۔ جب سماعت ہی نہیں تو کس گفتگو کی نقل کی جائے گی؟ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے بصر کے ساتھ سمع کا ذکر بھی اکثر و بیشتر کیا ہے۔ مثلاً

ان السمع و البصر و الفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا
(۳۶:۱۷)

کان' آنکھ' دل (دماغ) ہر ایک کے متعلق باز پرس ہوگی۔

لھم اعین لایبصرون بھا ولھم آذان لا یسمعون بھا
(۱۳۸:۷)

ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان
ہیں جن سے سماعت کا کام نہیں لیتے۔

خود اللہ تعالٰی اپنی صفات میں سمیع و بصیر کا ذکر فرماتا ہے اور
انسان کے لیے بھی یہی لفظ لاتا ہے:

فجعلنہ سمیعاً بصیراً (۲:۷۶)

ہم نے انسان کو شنوا و بینا بنایا ہے۔

ذرا سوچئے کیا اللہ تعالٰی بندوں سے صرف اسی حسن کا طالب ہے جس
کا تعلق محض آنکھوں سے یا دل سے ہے؟ کیا اس کے نزدیک حسن صوت یا
حسن سماع کی کوئی قدروقیمت نہیں؟ اس نے آنکھوں کے لیے ساری کائنات
میں حسن و جمال اور زینت و آرائش کے ان گنت مناظر پھیلانے کے باوجود
بدقسمت کانوں کے لیے کوئی حسن و جمال نہیں پیدا فرمایا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ
دست قدرت نے جہاں رنگ رنگ کے پھولوں کے تختے بچھائے ہیں وہیں چہکنے
والے پرندے بنائے ہیں' جس ٹہنی پر ایک خوبصورت چڑیا اپنے حسین و جمیل
پروں کی بہار دکھاتی ہے اسی جگہ اپنے سریلے ترنم سے فردوس گوش کے سامان
مہیا کرتی ہے۔ جو باصرہ نواز آبشار چمکیلی سیال چاندنی کی لگاتار دھاریں بہا کر
نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے' وہیں وہ اپنے ہم جنسوں سے معانقہ کر کر کے حسین
نغمے بھی پیدا کرتی ہے۔ گویا ایک ہی وقت میں وہ باصرہ نواز بھی ہوتی ہے اور
سامعہ نواز بھی۔ جہاں ہوا اپنے جھونکوں سے ایک تھکے ماندے مسافر کو تھپک
تھپک کر سلاتی ہے' وہیں کسی تنگ راہ سے گذرتی ہوئی حسین سروں کی لوری
بھی دیتی جاتی ہے ـــــــ جس خدا نے آنکھوں کے لیے حسین مناظر'
خوبصورت چہرے' نظر فریب پھول' جگمگاتے ستارے' روشن چاند' نازک آبی و

خاکی حیوانات' سہانے نظارے' دلگداز تبسم' جان گداز نگاہیں اور اس طرح کی بے شمار حسین و جمیل نعمتیں پیدا کی ہیں' اس خدا نے کانوں کے لیے کوئی نعمت نہیں پیدا کی ہے؟ جس خالق نے ناک کے لیے طرح طرح کی خوشبوئیں' زبان کے لیے رنگا رنگ لذتیں بنائیں' اس نے ایسی کوئی آواز نہیں پیدا کی ہے جو کانوں کی راہ سے گذر کر دل کو اسی طرح موہ لے' جس طرح کوئی خوشبو ناک کی راہ سے' لذت زبان کی راہ سے' حسن آنکھوں کی راہ سے دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے) اندھیرے کا وجود روشنی پر دلالت کرتا ہے۔ بدمزگی سے خوش مزگی کے وجود کا پتہ چلتا ہے' کریہہ مناظر دیکھ کر جو گریز پیدا ہوتا ہے وہی پتہ دیتا ہے کہ ایسے مناظر کا وجود بھی ہے جو گریز کی بجائے کشش پیدا کریں۔ اس نقطہ نگاہ سے قرآن کریم کی اس آیت کو دیکھئے' جس میں ایک مہیب آواز کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

> اوکصیب من السماء فیہ ظلمت ورعد و برق' یجعلون اصابعھم فی آذانھم من الصواعق حذر الموت (۱۹:۲)
>
> منافقوں کی زندگی ایسی ہے جیسے اوپر سے موسلادھار بارش ہو رہی ہو جس میں تاریکیاں ہی تاریکیاں ہوں' کڑکا ہو' چمک ہو' ان کڑکوں کو سن کر وہ موت کے ڈر سے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس رہے ہوں۔

یہ اسی طرح کی مہیب آواز ہے جس نے قوم عاد و ثمود کے پردہائے گوش پھاڑ کر رکھ دیے تھے۔

> صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود (۱۳:۴۱)
>
> عاد و ثمود والے صاعقے کی مانند ایک صاعقہ۔

یہ ایسا ہی صاعقہ ہے جس نے بنی اسرائیل کے نمائندوں کو چاروں شانے چت گرا دیا تھا:

فاخذتکم الصاعقة وانتم تنظرون (۲:۵۵)

صاعقے نے تمہیں آلیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے۔

اسی قسم کا صاعقہ ہے جس نے کلیم اللہ کو بھی ہوش میں نہ رہنے دیا:

وخر موسیٰ صعقا (۷:۱۴۳)

موسیٰ بھی اس کڑکے سے گر پڑے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی مہیب آواز ایسی ہو سکتی ہے کہ سننے والے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، تو کچھ آوازیں ایسی بھی ضرور ہوں گی، جن کی دلکشی کانوں سے ڈاٹ نکال کر ہمہ تن گوش ہونے پر مجبور کر دے۔ اور اگر کسی آواز سے پردہائے گوش شق ہو جاتے ہوں، تو بعض آوازیں فردوس گوش بھی ضرور ہوتی ہوں گی۔ اگر کوئی آواز اہل ہوش کو بے ہوش کر سکتی ہے تو کوئی آواز بے ہوش کو ہوش میں بھی لا سکتی ہے۔ اسی عینک سے قرآن پاک کی اس آیت کو بھی دیکھئے:

ان انکر الاصوات لصوت الحمیر (۳۱:۱۹)

بد ترین آواز گدھوں کی رینک ہے۔

ظاہر ہے اگر گدھے کا رینکنا مکروہ ترین آواز ہے، تو اس کے مقابلے میں ایسی بھی آوازیں ہیں جو کانوں کو بھلی لگیں۔ یہی سبب ہے کہ اس آیت کا پہلا ٹکڑا یوں ہے:

واغضض من صوتک (۳۱:۱۹)

اپنی آواز کو نرم رکھو۔

بلکہ کرخت آواز والے جب اپنی آواز کو رسولؐ کے آگے نرم کرتے ہیں تو ان کے لیے یوں بشارت ہے:

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللّٰہ لوٰلئک الذین
امتحن اللّٰہ قلوبھم للتقویٰ (۴۹:۳)
جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے
ہیں ان کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے امتحان میں ڈال
دیا ہے۔

بلاشبہ یہاں موسیقی کا کوئی ذکر نہیں' لیکن آواز کی نری اپنی کرختی کے مقابلے میں یقیناً عنداللہ بھی محبوب ہے۔ نرم آوازیں جہاں ادب اور عاجزی کا پتہ دیتی ہیں وہاں حسن صوت کا بھی پہلو رکھتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جہاں بد آوازی سے کراہت و نفرت ہوتی ہے' وہاں خوش آوازی اپنے اندر دلکشی اور محبوبیت بھی رکھتی ہے۔ اور یہ عین فطرت ہے۔ ایک خرد سال بچہ بھی موسیقی سن کر اپنا رونا بھول جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں سانپ بین کی سریلی موسیقی سن کر مست ہو جاتا ہے اور یہ کسے نہیں معلوم کر حدی خوانی کا اونٹوں کی رفتار پر کیا اثر ہوتا ہے؟ اس نے کے اثر کا انکار گویا بداہت کا انکار ہے' بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ موسیقی فطرت میں داخل ہے اور ہر دور میں انسان اس سے وابستہ رہا ہے۔ تاریخ شاید ہی دنیا کی کسی ایسی قوم کو پیش کر سکے' جس میں اس کی اپنی موسیقی رائج نہ ہو۔ متمدن و وحشی اقوام' جاہل و عالم قومیں' متقی و فاسق گروہ سب ہی کو موسیقی یا غنا سے وابستگی رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ انسان ہر دور میں اپنی قوتوں' صلاحیتوں اور خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا غلط اور ناجائز مصرف بھی لیتا رہا ہے۔ پس جہاں ہم فساق کو غنا و مزامیر سے دلچسپی لیتے دیکھیں گے' وہاں ہمارا گمان یہی ہو گا کہ اس کا مصرف غلط لیا جا رہا ہے۔ اور جہاں اہل تقویٰ اور اہل علم و فضل کو اس سے دلچسی لیتے دیکھیں گے وہاں ہم ظن خیر ہی سے کام لیں گے۔

سیدنا داؤدؑ

اس سلسلے میں ہماری پہلی نظر ایک جلیل القدر پیغمبر پر پڑتی ہے، جس کے متعلق کوئی غلط معرف لینے کا گمان کفر سے کم نہیں۔ یہ پیغمبر سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جن کے متعلق کتاب مقدس "بائبل" اور دوسرے شواہد سے غناو مزامیر سے گہری دلچسپی لینا بصراحت ثابت ہے۔

بائبل کا مقام

جہاں تک بائبل مقدس کا تعلق ہے یہ دعویٰ بہت مشکل ہے کہ یہ الف سے ی تک بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل نہیں ہوا ہے۔ ہمارے پاس ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بائبل میں بہت سی باتیں الحاق کی گئی ہیں۔ کچھ باتیں عقل کے خلاف ہیں۔ کچھ تاریخی حقائق کی نقیض ہیں۔ اور کچھ ایسی ہیں جن کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد انبیاء علیہم السلام ایک معمولی انسان کے مقام سے بھی گر جاتے ہیں۔

اس کے باوجود یہ دعویٰ بھی درست نہیں تسلیم کیا جاسکتا کہ بائبل شروع سے آخر تک سب کی سب غلط، محرف اور نادرست ہے اور اس میں کوئی صحیح بات یا وحی کا کوئی حصہ موجود نہیں۔ اگر فی الواقع بائبل کو از اول تا آخر محرف و بے معنی اور خودساختہ تسلیم کیا جائے تو ان تمام قرآنی آیات کی توجیہ دشوار تر ہو جاتی ہے جن میں توریت و انجیل پر ایمان لانے کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے یا جن میں قرآن کو بائبل کا مصدق بتایا گیا ہے، یا جن میں اہل کتاب کو بائبل کے سانچے میں زندگی ڈھالنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

صحیح بات یہی ہے کہ بائبل از اول تا آخر نہ بالکل غلط ہے اور نہ بالکل صحیح، کچھ باتیں غلط ہیں اور کچھ صحیح بھی ہیں۔ اس کے اندر صحیح اور غلط کو ممتاز کرنے کے جہاں متعدد معیار ہو سکتے ہیں، وہاں ایک بہت بڑا معیار خود قرآن

پاک ہے۔

قرآن اگر کسی پیغمبر کے متعلق ایک بات بیان کرے اور بائبل یا دنیا کی کوئی کتاب اس کے خلاف کہے، تو ہم قرآن ہی کی بات کو صحیح سمجھیں گے۔ ہاں اگر بائبل کوئی ایسی بات بیان کرے جو قرآنی روح سے متصادم نہ ہوتی ہو (تاریخی اور عقلی حقائق بھی قرآن ہی کی روح ہیں) تو اسے صحیح مان لینے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ رطب و یابس اور صحیح و سقیم کی آمیزش سے (بجز قرآن کے) دنیا کی کوئی کتاب محفوظ نہیں۔

زبور

ہم اسی زاویہ نظر سے بائبل کے ایک حصے —— زبور —— کو دیکھنا چاہتے ہیں یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ و آتینا داؤد زبورا (۴ : ۱۶۳) اس کے پانچ حصے اور کل ایک سو پچاس ابواب ہیں۔ اور یہ ساری کتاب نظم میں ہے۔ اسی لیے زبور کو مزامیر داؤدؑ بھی کہتے ہیں۔ مزامیر جمع ہے مزمور (بضم میم اول و فتح او) اور مزمار (بکسر میم) کی۔ زمر کے معنی ہیں بانسری وغیرہ پر گانا، اور مزامیر داؤدؑ کا مطلب اقرب الموارد میں یوں لکھا ہے:

ما کان یترنم به من الاناشید والا دعیة و هو الذی یقال له الزبور۔

حضرت داؤدؑ جو اشعار اور دعائیں ترنم سے پڑھا کرتے تھے، ان کو مزامیر داؤد اور زبور بھی کہتے ہیں۔

مزمور کا مطلب

اس مفہوم کے لیے سب سے جامع لفظ "گیت" ہے۔ چنانچہ خود زبور کا ۶۶واں باب یوں شروع ہوتا ہے: "میر مغنی کے لیے گیت یعنی مزمور" اور

۶۷ویں باب کا آغاز یوں ہوتا ہے: "میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ مزمور یعنی گیت۔"

گویا مزمور اور گیت ایک ہی چیز ہے لیکن اس لفظ کے متضمنات میں دو اور چیزیں بھی شامل ہیں، ایک ترنم اور دوسرے ساز۔ حقیقت یہ ہے کہ مزمور تو ان گانوں کو کہتے ہیں جو ساز پر الاپے جائیں اور مزمار اس ساز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کوئی گانا گایا جائے۔ جمع دونوں کی "مزامیر" ہے۔ گویا مزمور وہ ہے جو مزمار پر گایا جائے اور مزمار وہ ہے جس پر مزمور گایا جائے اور مزامیر (بصورت جمع) گیت کو بھی کہتے ہیں اور ساز کو بھی۔ دونوں گویا لازم و ملزوم ہیں اور ظاہر ہے کہ ترنم سوز و ساز کے اندر ہی داخل ہیں۔

زبور کے غنائی اشارات

زبور کا انداز یہ ہے کہ تقریباً ہر باب ایک گیت پر مشتمل ہے اور اس کی سرخی (عنوان) غنائی اشارات پر، مثلاً

باب نمبر ۴ کا آغاز یوں ہے "میر مغنی کے لیئے تار دار سازوں کے ساتھ داؤد کا مزمور۔"

باب نمبر ۵ سے پہلے "میر مغنی کے لیے بانسلیوں کے ساتھ داؤد کا مزمور۔"

باب نمبر ۶ یوں شروع ہوتا ہے۔ "میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ شمینیت کے سر پر داؤد کا مزمور۔"

باب نمبر ۸ "میر مغنی کے لیے گتیت کے سر پر....... الخ"

باب نمبر ۹ "موت لبین کے سر پر....... الخ"

باب نمبر ۱۶ "داؤد کا مکتام....... الخ"

باب نمبر ۲۲ "میر مغنی کے لیے ہجر کے سر پر....... الخ"

باب نمبر ۲۳ "داؤد کا مزمور مشکیل.......الخ"
باب نمبر ۴۵ "میر مغنی کے لیے شوشنیم کے سر پر بنی قواح کا مزمور مشکیل، عروسی سرود۔"
باب نمبر ۴۶ "میر مغنی کے لیے علاموت کے سر پر ایک گیت۔"
باب نمبر ۵۳ "میر مغنی کے لیے محلت کے سر پر داؤد کا مشکیل۔"
باب نمبر ۵۴ "میر مغنی کے لیے تار دار سازوں کے ساتھ داؤد کا مشکیل۔"
باب نمبر ۵۶ "میر مغنی کے لیے یونت ایلیم رخوقیم کے سر پر داؤد کا مزمور۔" مکتام۔
بابا نمبر ۵۷ "التشخیت کے سر پر داؤد کا مزمور۔" مکتام۔
باب نمبر ۶۰ "میر مغنی کے لیے داؤد کا مکتام سوسن عیدوت کے سر پر۔"
باب نمبر ۶۲ "میر مغنی کے لیے یدوتوں کے طور پر.......الخ"
باب نمبر ۷۲ "سلیمان کا مزمور۔"
باب نمبر ۷۳ "آسف کا مزمور۔"
باب نمبر ۹۰ "مرد خدا موسیٰ کی دعا۔"
باب نمبر ۹۲ "مزمور سبت کے دن کے لیے گیت۔"
باب نمبر ۹۵ کی پہلی آیت یوں ہے۔ "آؤ ہم خداوند کے حضور نغمہ سرائی کریں۔"
باب نمبر ۹۶ کی پہلی آیت یوں ہے۔ "خداوند کے حضور نیا گیت گاؤ۔"
باب نمبر ۱۲۰ سے باب نمبر ۱۳۴ تک ہر باب کا عنوان یوں ہے۔ "معلوت، یعنی ہیکل کی زیارت کا گیت۔" (اس میں بیشتر گیت داؤدؑ کے اور

بعض سلیمانؑ کے ہیں۔)

باب نمبر ۱۴۴ کی نویں آیت یوں ہے۔ "اے خدا میں تیرے لیے نیا گیت گاؤں گا۔ دس تار والی بربط پر میں تیری مدح سرائی کروں گا۔"

نتائج

ہم نے مختصر طور پر جو فہرست پیش کی ہے' ان سے مندرجہ ذیل نتائج واضح طور پر نکلتے ہیں۔

۱۔ حضرت داؤد کے پاس متعدد مغنی (گانے والے) موجود تھے اور کوئی ایک مغنی ان سب کا افسر تھا جو میر مغنی تھا۔

۲۔ عام طور پر بانسری اور عود (بربط) ستار' دف اور جھانجھ بطور ساز استعمال کیے جاتے تھے (اس کا ذکر آگے آتا ہے)

۳۔ خاص خاص گیتوں کے لیے خاص خاص سر مقرر تھے۔ مثلاً شمینیت' گتیت' موت لبین' ہبجر' شو شینم' علاموت' محلت' یونت' ایلیم' رخوقیم' لتشحیت' سوسن عیدوت وغیرہ ——— مجھے ابھی تک کوئی ماہر بائبل ایسا نہیں مل سکا جو یہ تمام سران کے فروق کے ساتھ سنا سکتا۔

۴۔ صرف حضرت داؤدؑ ہی نہیں بلکہ حضرت سلیمانؑ اور ان کے وزیر آسف بھی یہ گیت گاتے تھے۔

۵۔ قدیم دعائیں (مثلاً حضرت موسیٰؑ کی دعا) بھی بطور گیت کے گائی جاتی تھی۔

۶۔ ان گیتوں کے مضامین میں حمد دعا' نغمہ فتح' زیارت ہیکل' پیش گوئی وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں۔

۷۔ خدا کے حضور گیت گانے اور بجانے کا پیغمبر حکم بھی دیتا ہے اور

خود بھی اس کا اظہار فخر کے ساتھ کرتا ہے۔(۴)

حرف آخر

ان سب سے زیادہ دلچسپ وہ حکم یا نصیحت ہے جو حضرت داؤدؑ یوں کرتے ہیں:

"نرسنگے کی آواز کے ساتھ اس کی حمد کرو' بربط اور ستار پر اس کی حمد کرو' دف بجاتے اور ناچتے ہوئے اس کی حمد کرو' تار دار سازوں اور بانسری کے ساتھ اس کی حمد کرو' بلند آواز جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو' زور سے جھنجھناتی جھانجھ کے ساتھ اس کی حمد کرو۔"

یہ آیات ۳ تا ۵ ہیں جو زبور کے آخری باب نمبر ۱۵۰ کی آیات ہیں۔

یہ باتیں صرف بائبل ہی میں نہیں' اس کا اقرار شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی محدث حنفی بھی (جلد ۹ نمبر ۳۲۹ میں) اور حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۶۳ میں بھی فرماتے ہیں:

عن عبید بن عمیر قال کان لداؤد علیہ السلام معزفتہ یتغنی علیہا ویَبکی ویُبکی۔

عبید بن عمیر سے روایت ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے پاس ایک باجا تھا جس پر وہ گایا کرتے تھے اور روتے بھی تھے اور رلاتے بھی تھے۔(۵)

اسی طرح امام شوکانی اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں:

و اخرج عبد الرزاق بسند صحیح عن ابن عمرؓ ان داؤدؑ یاخذ المعزفۃ فیضرب بہا و یقرا علیہا۔

عبد الرزاق اپنی مسند میں سند صحیح سے عبد اللہ بن عمرؓ کی

روایت لکھتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ اپنے باجے کو بجا بجا کر
اس پر تلاوت زبور کرتے تھے۔
سید مرتضیٰ زبیدی (اتحاف السادہ جلد نمبر ۶ صفحہ ۴۷۱ میں) لکھتے ہیں:
قال ابن عباس ان داؤد علیه السلام کان یقرا الزبور
بسبعین لحنا یلون فیهن و یقراء قراۃ یطرب منها
المحموم(۶)
عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ سیدنا داؤدؑ زبور کو ستر لحنوں
میں پڑھتے تھے اور ایسے نئے نئے انداز سے پڑھتے کہ محموم
(بیمار) بھی مست ہو جاتا تھا۔

مزامیر داؤد

آگے چلنے سے پہلے یہیں ایک روایت سنتے جائیے۔ مسلم اور نسائی میں
حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ ایک دن:
قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم لورائیتنی
البارحة وانا استمع لقراء تک لقد اعطیت مزمارا من
مزامیر آل داؤد، قلت واللہ یا رسول اللہ لو علمت
لحبرته لک تحبیرا۔
حضور نے مجھ سے فرمایا کہ رات میں تمہاری تلاوت قرآن
سن رہا تھا، تمہیں تو لحن داؤدی عطا ہوا ہے۔ میں نے عرض
کیا یا رسولؐ اللہ بخدا اگر مجھے یہ علم ہوتا (کہ حضور سن
رہے ہیں) تو میں اور عمدگی سے پڑھتا۔
یہاں ظاہر ہے مزمار سے مراد نہ گیت ہے نہ ساز، بلکہ اس سے مراد
تلاوت کا ایسا انداز ہے جس میں موسیقیت کی جھلک ہو، کچھ سر ہو، کچھ لے ہو،

اسی کے لیے ایک جامع لفظ "تغنی" ہے۔ بعض روایات میں تغنی کا حکم یا ترغیب موجود ہے اور اسی مفہوم کے لیے ایک دوسری روایت ابو داؤد اور نسائی میں حضرت براء سے یوں مروی ہے:

زینوا القرآن باصواتکم

قرآن کو عمدہ آواز سے پڑھا کرو

بلکہ دوسری روایتوں میں تو تغنی کا حکم ہے۔ ابو ہریرہ' سعد بن ابی وقاص وغیرہ سے ابن ماجہ' ابو داؤد' دارمی اور مسند احمد میں حضور کا ارشاد یوں مروی ہے:

لیس منا من لم یتغن بالقرآن

وہ ہماری جماعت میں نہیں جو قرآن پڑھنے میں تغنی سے کام نہ لے۔

"حبرہ" کے معنی میں تو کچھ تاویل چل بھی سکتی ہے لیکن تغنی کی آخر کیا توجیہ کی جائے گی؟

غرض قرآن کی تلاوت کا انداز ایسا تو ضرور ہونا چاہیے جس میں دلکشی ہو' حسن صوت ہو' اور دوسرے منظوم و منثور کلام سے فرق محسوس ہو۔ لیکن موسیقیت کے سر تال' ٹھیکے اور معازف و مزامیر (باجوں) سے اسے قطعاً" الگ رکھنا چاہیے۔

ہمارے موجودہ دور کا انداز تلاوت اس کی بہت کچھ نمائندگی کرتا ہے۔ آج کل جو لہجے ـــــ مثلاً حسینی' حجازی' پختہ حجازی' بڑی' منجھولی اور چھوٹی مصری' مایہ' رکبی' عشاقی وغیرہ ـــــ رائج ہیں وہ سب تزئین اصوات فی القرآن کی عملی تعبیریں کہی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ ان میں تکلفات کو بڑا دخل ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے تزئین قرآن کا ذریعہ صرف اصوات (آوازوں) کو بنانے کا حکم دیا ہے طبلے' سارنگی' ہارمونیم' بانسری کے ذریعے اس تزئین میں اضافہ

کرنے کا نہ کوئی حکم دیا اور نہ اس پر کبھی عمل ہوا۔ یوں بھی قرآنی وقار و احترام کو دیکھتے ہوئے کوئی ذوق سلیم یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس میں سوز پیدا کرنے کے لیے سازوں سے مدد لی جائے۔

کیا چیزیں گائی جا سکتی ہیں؟

لیکن بہت سی دوسری چیزیں گائی جا سکتی ہیں' خواہ سازوں کے ساتھ ہو یا بغیر ساز کے' مثلاً

۱۔ ایسی حدیثیں جو ترنم کا مطالبہ کرتی ہیں' ان میں چند قسم کی چیزیں آتی ہیں:

(الف) بعض مناقب جیسے من کنت مولا فعلی مولاہ۔ یہ ترانہ صوفیوں کی بعض محفل سماع میں یوں گایا جاتا ہے:

من کنت مولا فعلی مولاہ

دھرتوم دھرتوم توم تا نانانالی

یللی یللی یل للی'

من کنت مولا فعلی مولاہ

بالکل اسی انداز سے "لو کان نبی بعدی لکان عمر" کو بھی گایا جا سکتا ہے لیکن صوفیوں کو کم از کم فاتحہ و قوالی وغیرہ کے موقع پر نہ حضرت عمرؓ سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے نہ کسی پیغمبر سے' نہ خالد بن ولید سے اور نہ ابو حنیفہ سے۔

مجھے اس ترانے کی دھن پوری طرح آتی ہے لیکن کاغذ پر اسے منتقل کرنا مشکل ہے۔

(ب) بعض نکاح یا فتح کے شادیانے مثلاً طبرانی کی ایک روایت ہے:

عن عائشہؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مافعلت

فلانة؟ لیتیمة کانت عندھا فقلت اھدینا ھا الی زوجھا
فقال ھل بعثتم معھا ضاربة تضرب بالدف و تغنی؟
قلت تقول ماذا؟
قال یقول:
"اتینا کم اتیناکم - فحیونا نحییکم' ولولا الذھب
الاحمر ماحلت بوادیکم' ولولا الحنطة السمراء
ماسمنت عذاری کم۔" (حوالہ مذکور)
حضورؐ نے پوچھا اس یتیمہ کا (جو عائشہؓ کے پاس تھی) کیا
ہوا؟ عائشہؓ نے عرض کیا ہم نے اسے اس کے شوہر کے پاس
رخصت کر دیا۔ فرمایا تم نے کوئی عورت اس کے ساتھ نہ
کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی اس کے ساتھ جاتی۔
عرض کیا ایسے گیت کے بول کیا ہونے چاہئیں تھے؟ فرمایا کہ
یہ مصرعے گاتی ہوئی جاتی۔ (ترجمہ) ہم تمہارے گھر آئے'
تم ہمارے دوارے آئے' تم ہم پر سلامتی بھیجو اور ہم تم
پر۔ اگر زر سرخ نہ ہوتا تو تمہارے ہاں کوئی نہ آتا اور اگر
گندمی رنگ کے گیہوں نہ ہوتے تو تمہاری لڑکیاں گداز
بدن نہ ہوتیں۔
اسی طرح بخاری' ابوداؤد اور ترمذی میں ربیع بنت معوذ سے روایت
ہے:
جاء النبی صلی اللہ علیہ و سلم حین بنی علی فدخل
بیتی و جلس علی فراشی فجعل جویریات لنا یضر
بن بالدف ویندبن من قتل من آبائھن یوم بدر اذ قالت
احد من فینا نبی یعلم مافی غد قال لھا صلی اللہ علیہ و

سلم دعی ھذہ و قولی بالتی کنت تقولین۔

جب میری (ربیع بنت معوذ کی) رخصتی ہوئی تو حضور میرے غریب خانے پر رونق افروز ہوئے اور میرے ہی بستر پر بیٹھ گئے۔ چند لڑکیاں دف بجا بجا کر اپنے بدر میں شہید ہونے والے بزرگوں کی مدح سرائی کرنے لگیں۔ ایک نے کہیں یہ مصرع گایا کہ (ترجمہ) "ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو یہ جانتا ہے کل کیا ہو گا"۔ حضورؐ نے فرمایا یہ نہ کہو وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں (یعنی گا رہی تھیں)۔

ایک روایت اور بھی سنئے۔ جو بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے:

دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم و عندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش و حول وجھہ و دخل ابو بکر فانتھر نی و قال مزمارہ الشیطان عند النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم؟ فاقبل علیہ و سلم فقال دعھما...... وکان یوم عید......

حضورؐ میرے ہاں تشریف لائے اس وقت دو لڑکیاں جنگ بعاث کے گانے گا رہی تھیں۔ حضورؐ بستر پر لیٹ گئے اور دوسری کروٹ بدل لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا رسولؐ اللہ کی موجودگی میں یہ شیطانی گیت؟

حضورؐ نے جناب ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا

..... رہنے دو ان بیچاریوں کو .... یہ عید کا دن تھا.......

اور یہ روایت تو سب ہی جانتے ہیں کہ ہجرت مدینہ کے دن عورتیں

دف پر یہ گا رہی تھیں:

طلع البدر علینا	ہم پر چاند نکلا ہے
من ثنیات الوداع	وداع کے ٹیلوں سے
وجب الشکر علینا	ہم پر شکر واجب ہے
مادعا اللہ داع	جب تک دعا کرنے والا دعا کرتا رہے
ایھا المبعوث فینا	اے وہ جو ہمارے اندر بھیجے گئے
جئت بالامر المطاع	آپ تو وہ دین لائے ہیں جو واجب الاطاعت ہے

ان روائتوں میں ایک وہ حدیث ہے جو حضورؐ کی زبان سے شعر بن کر نکلی یعنی اتیناکم اتیناکم الخ اور دوسرے اشعار کو تقریری حدیثوں میں شمار کرنا چاہیے۔

۲۔ دوسری چیز جو سازوں پر یا بغیر سازوں کے گائی جا سکتی ہے، حمدیہ اور نعتیہ اشعار ہیں۔ اگر ان میں کوئی آیت قرآنی یا اس کا ٹکڑا مصرع بن کر آجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

۳۔ تیسری چیز وہ رجز ہیں جو مجاہدین میں ولولہ سر فروشی پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ بینڈ اور قومی ترانے بھی اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔

۴۔ چوتھی چیز "حدی خوانی" ہے جو جانوروں میں بے خودی اور تیز رفتاری پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ حضورؐ نے بھی یہ سنی ہے۔

۵۔ پانچویں چیز وہ موسیقی یا اشعار ہیں جو سوز و گداز اور رقیق القلبی پیدا کرنے کے لیے گائے جائیں، اس سے شقاوت اور سخت دلی دور ہوتی ہے۔

۶۔ چھٹی چیز وہ گانے ہیں جو غم غلط کرنے یا دل بہلانے یا توجہ ہٹانے یا کثرت کار کے بعد تھوڑی دیر آرام لینے کے لیے گائے جاتے ہیں۔

بچوں کے لیے جولوریاں گائی جاتی ہیں وہ بھی اسی ضمن میں داخل ہیں۔

۷۔ ساتویں چیز وہ موسیقی ہے —— خواہ ساز کے ساتھ گانے ہوں یا تنہا گانے یا تنہا ساز —— جو مریضوں کو تندرست کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اسپتالوں میں اس کے تجربے ہو رہے ہیں اور بعض جگہ خاطر خواہ کامیابی ہوئی ہے۔

چنانچہ جوہری طنطاوی لکھتے ہیں:

واما الموسیقی فھویتبین فیہ قوانین النغمات و الالحان و تاثیر ھما فی نفوس السامعین تاثیراً بینا یضارع ما تفعلہ العقاقیر الطبینہ فی الاجسام الحیوانیۃ..... والف فیہ ابونصر الفارابی و ابن سینا فی جملۃ کتاب الشفاء وصفی الدین عبد المومن و ثابت بن قرۃ الصابی و ابو الوفاء البوز جانی ...... و منفعتہ ھذا العلم بسیط الارواح و تعد یلھا و تقویتھا تارہ و قبضھا تارہ اخری۔ اما الاول فیکون فی الافراح و الحرب و علاج المرضی وبہ یظھر الکرم و الشجاعتہ و نحوھا واما الثانی فیکون فی الماتم و بیوت العبادات فیقبض النفوس عن ھذا العالم ویحرکھا الی مبدئھا فتفکر فی العواقب...... (تفسیر طنطاوی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴)

موسیقی ایک ایسا علم ہے جس میں نغموں اور لحنوں کے قوانین سے بحث کی جاتی ہے اور ان کا جو اثر یقینی طور سے دلوں پر ہوتا ہے اس سے بھی بحث ہوتی ہے ...... ابو نصر فارابی، ابن سینا، صفی الدین عبد المومن، ثابت بن قرہ صابی

اور ابو الوفا جوز جانی نے اس پر کتابیں لکھی ہیں۔ اس فن کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی تو اس سے روح میں انبساط' اعتدال یا تقویت پیدا ہوتی ہے' اور کبھی اس میں سکیڑ پیدا ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا فائدہ جشنوں' جنگوں اور مریضوں کے علاج کے موقع پر حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے سخاوت یا شجاعت جیسے جوہر کھلتے ہیں۔ اور دوسری قسم کا فائدہ مواقع غم یا عبادت گاہوں میں حاصل ہوتا ہے۔ اس وقت یہ موسیقی دلوں کو اس عالم فانی سے ہٹا کر اس کے اصل مبدا کی طرف پھیر دیتی ہے اور دل آخرت و انجام پر غور و خوض کرنے لگتے ہیں۔

شمشیروسناں اور طاؤس ورباب

اس عبارت کے فوراً ہی بعد طنطاوی ایک دلچسپ بات کہتے ہیں:

وھذا آخر ما یحدث من الصناعات فی الدولة لانه کمالی و اول ما ینقطع من العمران عند اختلالھا۔

چونکہ فن موسیقی کا تعلق کمالیات سے ہے اس لیے کسی حکومت میں یہ فن سب سے آخر میں فروغ پاتا ہے اور جب حکومت میں اختلال پیدا ہوتا ہے تو معاشرے سے سب سے پہلے یہی فن غائب ہو جاتا ہے(۷)۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ فن موسیقی ایک ایسا نقطہ عروج (Climax) ہے جس کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے' یعنی یہی علامت کمال اور یہی نشان زوال۔ اسی روشنی میں اقبالؒ کے "فلسفہ تقدیر امم" کو دیکھئے جہاں وہ کہتے ہیں۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

گویا موسیقی کی فنی ترقیاں دور انحطاط سے بہت زیادہ تعلق رکھتی ہیں لیکن یہ دور انحطاط ایسا دور ہوتا ہے جس کی سرحدیں کمالات کی سرحدوں سے ملی ہوتی ہیں۔ یہ دور ایسا ہوتا ہے کہ شمشیروسناں کی گرفت ڈھیلی ہو کر طاؤس ورباب کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اگر اس فن میں اس درجہ انہماک نہ ہو کہ شمشیر و سناں چھوٹ جائیں تو یہ ممد حیات رہتا ہے اور اس سے وہ تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر یہ ذریعہ بن جائے عیش و طرب کا' بے کاری کا' بزدلی کا' تخریب اخلاق و اذہان کا' تو ظاہر ہے کہ شمشیرو سنان اور طاؤس و رباب کے توازن مین شدید بگاڑ پیدا ہو کر رہتا ہے۔

حضرت داؤدؑ کی پوری زندگی میں ہمیں جہاں موسیقی' ترنم' سوز اور ساز کی فراوانی دکھائی دیتی ہے' وہاں قرآن کریم کی یہ آیت بھی سامنے موجود ہے:

یا داؤد انا جعلنک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی۔ (۳۸:۲۶)

اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو۔

اور اسی طرح اس آیت پر بھی نظر پڑتی ہے:

و قتل داؤد جالوت (۲:۲۵۱)

جالوت کو داؤد نے قتل کیا۔

اسی طرح حضورؐ کی زندگی میں شمشیر و سناں اور طاؤس ورباب میں

نہایت اعلیٰ درجے کا توازن نظر آتا ہے۔ شمشیر و سناں سے مراد محض مادی و آہنی نیزہ اور تلوار نہیں' بلکہ بے پناہ عملی سرگرمی' تنظیم کی آہنی گرفت' قانون کا غیر معمولی احترام' پامردی و استقامت کا اعلیٰ نمونہ وغیرہ اس سے مراد ہے۔ اسی طرح طاؤس و رباب سے مراد محض گانا بجانا نہیں' بلکہ جذبات عشق کے تقاضے' لطافت و نزاکت کی باریکیاں' آرٹ اور حسن کاری (احسان) وغیرہ اس سے مراد ہے۔ موسیقی تو محض ایک حصہ ہے احسان (حسن کاری) کا جس طرح تلوار اور نیزہ ایک جز ہے معاشری اور ملی زندگی کا۔

انسان کے اندر دونوں جز بکمال پائے جاتے ہیں۔ عقل اور عشق ——— ایک جز عقلی (Rational) ہے اور دوسرا جذباتی (Emotional) ان دونوں کا صحیح امتزاج ہی اسلام ہے اور ان دونوں کے توازن میں جتنا بگاڑ پیدا ہوتا ہے' اسی تناسب سے اسلامی زندگی میں بھی بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ قانون کا تعلق عقل سے ہے اور اخلاق کا جذبات سے۔ جذبات کی کارفرمائیاں عقل و قانون سے بالاتر ہوتی ہیں۔ عقل جذبات پر کنٹرول کرتی ہے اور عشق عقل میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ عقل یہ تو بتا دیتی ہے کہ فلاں بات قابل قبول ہے' اس لیے معقول ہے۔ لیکن اس کی طرف بڑھنے اور لپکنے کے لیے عقل کو حرکت دینا جذبہ عشق کا کام ہے۔ عقل حیلہ گر جب قدم اٹھانے سے کتراتی ہے تو عشق ہی اسے مہمیز لگاتا ہے اور جب عشق اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگتا ہے تو شہسوار عقل ہی زمام اعتدال کو حرکت دیتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہیں اور اسلام ان دونوں کو بے راہ روی سے روک کر ہم آہنگ کرتا ہے۔ جب عقل و سیاست کی فراوانی سے جذبات واجبہ میں کمی آنے لگے تو اسلام جذبات سلیمہ کو ابھارتا ہے اور جب جذبات کی رو عقل کو بھی بہا کر لے جانے لگے تو وہ ابھرتے ہوئے بے مقصد جذبات کو عقل سے دبا دیتا ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیدنا داؤدؑ کے دور نبوت میں عبادات و مناسک

کا صرف ظاہری ڈھانچہ رہ گیا تھا اور روح نکل چکی تھی۔ سوز و گداز جو عبادت کی جان ہے باقی نہ رہا تھا۔ یکسوئی' توجہ الی اللہ' تذلل' عاجزی' لینت کی بجائے تقشف' سخت دلی' تنگ نظری' غرور عبادت' خشکی و خشونت وغیرہ پیدا ہو گئی تھی۔ سیدنا داوٗدؑ نے (بحکم الٰہی) دلوں میں گداز اور نرمی پیدا کرنے کے لیے موسیقی اور اس کے لوازم سے کام لیا۔ نثر کی جگہ منظوم کلام الہام ہوئے۔ وعظ و نصیحت بھی نظم میں' دعائیں بھی نظم میں' مناجات بھی اشعار کی شکل میں' فتح و نصرت کے شادیانے بھی منظوم انداز میں۔

پھر اشعار کی فطرت اندر سے موسیقی کا مطالبہ کرتی ہے اس لیے ہر موقع کے لیے الگ الگ سروں کے گیت گائے گئے۔ یہ سوز' ساز کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس لیے موسیقی کے ساتھ دس دس تاروں والی بربط' بانسلی' جھانجھ' دف وغیرہ کا استعمال بھی ساتھ ساتھ ہوا۔

ایک پیغمبر (سیدنا داوٗدؑ) کے متعلق یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا کہ آپ نے شمشیروسناں اور طاؤس و رباب میں توازن کو باقی نہ رکھا ہو گا۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہم جہاں ایک طرف یہ آیت دیکھتے ہیں:

انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق ○ و الطیر محشوره....... (۱۸:۳۸)

ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا جو داوٗد کے ساتھ صبح و شام تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی اکٹھے ہو جاتے تھے۔

وہاں یہ بھی دیکھتے ہیں:

وقتل داؤد جالوت (۲۵۱:۲)

داوٗد نے جالوت کو قتل کیا۔

اور:

یا داؤد انا جعلنک خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس

بالحق........ (۲۶:۳۸)
اے داؤد ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا لہٰذا لوگوں کے
درمیان حق کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔

اور:

واذکر عبدنا داؤد ذاالاید۔ (۱۷:۳۸)
میرے بندے داؤد کو یاد کرو جو قوت والے تھے۔

پہلی آیت کی تفسیر اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں، تاہم سرسری طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت داؤد کی تسبیح و مناجات کا انداز ایسا دلکش اور مسحور کن ہوتا تھا کہ درو دیوار سے وہی چیز نکلتی معلوم ہوتی تھی اور پرندوں پر بھی بے خودی طاری ہو جاتی تھی۔ اس کا تجربہ اب بھی ہو سکتا ہے اور بار بار ہوا ہے۔ اور یہی ہے وہ حقیقت جو اوپر طنطاوی کی زبان سے یوں ادا ہوئی ہے۔

وتاثیرھما فی نفوس السامعین تاثیراً بینا۔
(طنطاوی)
نغمہ و لحن کی تاثیر، سننے والوں کے دل میں (خواہ وہ سننے
والے انسان ہوں یا حیوان) ناقابل انکار ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایک پیغمبر کے دور میں موسیقی کی جو فراوانی نظر آئے، اس کا ہر دور میں اسی تناسب سے باقی رکھنا ضروری نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک پیغمبر کے دور میں موسیقی کا فقدان یا غایت قلت نظر آئے تو وہی قلت یا فقدان ہر دور میں رہے۔ اس چیز کی قلت و کثرت کا پیمانہ معاشرے کے اہل نظر معین کریں گے۔ زمان و مکان یا احوال و ظروف کے تقاضوں کے مطابق کہیں اسے بالکل ختم کر دیا جائے گا، کہیں کچھ حصہ باقی رکھا جائے گا اور کہیں اس کو خاطر خواہ ترقی دی جائے گی۔

ایک پیغمبر کی نظیر پیش کرنے سے میرا مقصد صرف یہی ہے۔ یہ کوئی

ایسی شے نہیں جس سے تعلق رکھنے والا حرام کا مرتکب قرار دیا جائے۔ اگر یہ کوئی ابدی حرام شے ہوتی' تو اولاً" قرآن ہی صاف لفظوں میں اس کی وضاحت کر دیتا اور ثانیاً" حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نہ کبھی گانا سنتے نہ دف۔ اس کے بعد جب ہم صحابہ' تابعین' تبع تابعین' محدثین' فقہا' علماء اور صوفیاء کو دیکھتے ہیں تو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بہت بڑی غالب اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ نیت اور استعمال کا طریقہ ایک ہی چیز کو حلال اور اسی چیز کو حرام کر دیتا ہے۔ جب استعمال اور اس کی غرض درست ہو' تو موسیقی جائز بلکہ مستحب بھی ہو سکتی ہے۔ اور اگر یہی موجب فساد ہو جائے تو موسیقی کیا' ایسی عبادت بھی موجب عذاب ہو جاتی ہے۔ وہی نماز جو موجب فلاح ہے جب غلط طریقے سے پڑھی جائے تو فویل للمصلین کا مصداق بن جاتی ہے۔ غرض موسیقی یا دوسرے فنون لطیفہ کی نہ حلت مطلقاً" حلت ہے' اور نہ حرمت علی الاطلاق حرمت۔ یہ اضافی چیزیں ہیں اور موقع و محل کی مناسبت سے ہی اسے حلال و حرام کہا جا سکتا ہے۔

سیدنا داؤد علیہ السلام کے بعد اب چند ان صحابہؓ' تابعین' تبع تابعین' محدثین' مجتہدین' اور صوفیائے متقین کا ذکر بھی سنئے جن سے گانا اور مزامیر یا صرف گانا سننا ثابت ہے۔

صحابہ کرامؓ

ہم نے اوپر یہ لکھا ہے کہ غنا اور مزامیر کے متعلق اکابر امت کی مختلف رائیں ہیں۔ جو لوگ اس کی حرمت یا کراہت کے قائل ہیں ان کا ذکر ہم بعد میں کریں گے۔ اس وقت صرف ان اکابر کا ذکر مقصود ہے جنھوں نے صرف گانا یا مزامیر کے ساتھ گانا ایک یا چند بار سنا ہے یا ان کا یہ عام مشغلہ رہا ہے۔ ہم

اس وقت علامہ سید مرتضٰی زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵) کی شرح احیاء العلوم جلد ششم صفحہ ۴۵۸ سے کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں:

۱۔ عبد اللہ بن جعفرؓ بن ابی طالب۔

فاما عبد اللّٰہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللّٰہ عنهما فسماع الغناء عنه مشهور مستفیض نقله عنه کل من امعن فی المسئلة من الفقهاء و الحفاظ و اهل التاریخ الاثبات۔

عبد اللہ بن جعفرؓ سے گانا سننا پوری شہرت کے ساتھ ثابت ہے اور تمام وہ مستند فقہا' حفاظ حدیث اور مورخین اس واقعے کو روایت کرتے ہیں جن کا مطالعہ اس مسئلے میں وسعت رکھتا ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں:

وقال ابن عبد البر (۳۶۸ - ۴۶۳ھ) فی الاستیعاب انه کان لایری بالغناء باساً وقال الاستاذ ابو منصور البغدادی فی مولفه فی السماع کان عبد اللّٰہ بن جعفر مع کبر شانه یصوغ الالحان لجواریه ویسمعها منهن علی اوطاره۔

ابن عبد البر اپنی استیعاب میں کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر گانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ ابو منصور بغدادی نے سماع کے موضوع پر اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن جعفر اپنی جلالت شان کے باوجود اپنی باندیوں کو نئی نئی دھنیں بتاتے تھے اور ان سے اپنی بربط (چنگ یا رباب یا سرود) پر گانا سنتے تھے۔

پھر آگے لکھتے ہیں۔

وروی الزبیر بن بکار (۱۷۲-۲۵۶ھ) بسندہ ان عبد اللّٰہ بن جعفر راح الی منزل جمیلۃ یستمع منہا لما حلفت ان لا تغنی لاحد الا فی بیتہا و غنت لہ و ارادت ان تکفر عن یمینہا و تاتیہ تسمعہ فمنعہا۔

زبیر بن بکار اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر ایک بار جمیلہ کے گھر گانا سننے تشریف لے گئے کیونکہ جمیلہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ کسی کو اپنے گھر کے سوا دوسری جگہ گانا نہیں سنائے گی۔ اس نے عبد اللہ کو گانا سنایا اور ارادہ کیا کہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے اور ابن جعفر کے پاس آکر گانا سنایا کرے۔ مگر آپ نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔

۲۔ عبد اللہ بن زبیرؓ

وروی الجماعۃ وروی الشیخ تقی الدین بن دقیق العید (۶۲۵ - ۷۰۲ھ) فی کتابہ اقتناص السوانح بسندہ عن وھب بن سنان قال سمعت عبد اللّٰہ بن الزبیر رضی اللّٰہ عنہ یترنم بالغناء وقال عبد اللّٰہ فلما سمعت رجلا من المہاجرین الا و ھو یترنم۔ و قال قال امام الحرمین و ابن ابی الدم ان الاثبات من اھل التاریخ نقلوا انہ کان لعبداللّٰہ بن الزبیر جوار عوادات۔ وان ابن عمر دخل علیہ فرای العود فقال ماھذا یا صاحب رسول اللّٰہ فناولہ لہ فتاملہ ابن عمر وقال ھذا میزان شامی فقال ابن الزبیر توزن بہ العقول۔ وحکی سماع الغناء عنہ الشیخ تاج الدین

الفزاری۔ نقل ھذا کلہ الاوفوی فی الامتاع۔
ایک جماعت نے اور نیز شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے
اپنی کتاب اقتناص السوانح میں اپنی سند سے روایت
کرتے ہوئے وہب بن سنان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں
نے عبد اللہ بن زبیر کو گانا گاتے سنا۔ ابن زبیر کہتے تھے کہ
مہاجرین میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو ترنم کا شوق نہ
کرتا ہو۔ امام الحرمین' ابن ابی الدم اور دوسرے مستند
مورخین روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر کے پاس
بربط بجانے والی باندیاں تھیں۔ ایک بار عبد اللہ بن عمران
کے پاس گئے تو انھوں نے بربط دیکھی اور پوچھا یہ کیا ہے؟
ابن زبیر نے وہ بربط ان کی طرف بڑھا دی اور ابن عمر نے
اسے بغور دیکھ کر کہا یہ تو شامی ترازو معلوم ہوتی ہے۔ ابن
زبیر بولے ہاں اس ترازو پر عقلیں تولی جاتی ہیں۔ شیخ تاج
الدین فزاری نے بھی ابن زبیر کے گانے کی روایت نقل کی
ہے۔

اوفوی(۸) (۶۸۵ - ۷۴۸ھ) نے یہ تمام روائتیں الامتاع میں بھی
نقل کی ہیں

۳۔ معاویہؓ بن ابی سفیان اموی۔

وحکنی الماوردی فی الحاوی ان معاویة و عمرو بن
العاص مضیا الی عبد اللّٰہ بن جعفر لما استکثر من
سماع الغناء و انقطع الیہ و اشتغل بہ۔ فمضیا الیہ
لیکلماہ فی ذالک فلما دخلا علیہ سکتت الجواری
فقال لہ معاویة مرھن یرجعن الی ماکن علیہ فغنین

فطرب معاویۃ فحرک رجلہ علی السریر فقال لہ عمرو ان من جئت تلقاہ احسن حالا منک' فقال لہ معاویہ الیک یا عمرو' فان الکریم طروب۔

ماوردی نے حاوی میں لکھا ہے کہ جب عبد اللہ بن جعفر گانا سننے کے مشغلے میں بہت زیادہ انہماک کرنے لگے' تو معاویہ اور عمرو بن العاص دونوں ان کے پاس اس مسئلے میں گفتگو کرنے کے لیے گئے۔ یہ دونوں پہنچے تو گانے والی باندیاں چپ ہو گئیں۔ معاویہ نے ابن جعفر سے کہا ان سے کہئے کہ اپنا شغل جاری رکھیں۔ چنانچہ انھوں نے الاپنا شروع کیا اور معاویہ کو ایسا لطف آیا کہ وہ تخت پر اپنا پاؤں پٹخنے لگے۔ یہ دیکھ کر عمرو بن عاص نے کہا آپ جسے ملامت کرنے آئے تھے وہ اس وقت بہتر حالت میں ہے۔ (یعنی جتنا کیف و مستی آپ پر اس وقت طاری ہے اتنا عبد اللہ بن جعفر پر بھی نہیں جسے آپ ملامت کرنے آئے تھے)۔ یہ سن کر معاویہؓ نے کہا چپ بھی رہو عمرو! شریف آدمی صاحب کیف بھی ہوتا ہے۔

ابن قتیبہ (۲۱۳ - ۲۵۶ھ) نے بھی اپنی سند سے اس واقعے کو اپنی کتاب الرخصہ میں لکھا ہے جس میں گانے کے ساتھ بربط کا بھی ذکر ہے' اور وہ دو شعر بھی نقل کیے ہیں جو ان گانے والیوں نے گائے تھے۔ شعر یہ ہیں:

الیس عندک شکر للتی جعلت
ما ابیض من قادمات الراس کالحمم
وجددت منک ما قد کان اخلقہ
طول الزمان و صرف الدھر و القدم

علاوہ ازیں مبرد (۲۱۰ - ۲۸۵ھ) نے کامل میں اور ابن قتیبہ نے اپنی سند سے جناب معاویہؓ کا یزید کے پاس بیٹھ کر بربط پر گانا سننے کا بھی طویل قصہ لکھا ہے۔

۴۔ حضرت عمر فاروقؓ

علامہ ابن عبد البر استیعاب میں ذکر خوات بن جبیر (جلد اول صفحہ ۱۷۰۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں فرماتے ہیں۔

حدثنا ابوالحسن علی بن محمد اسمعیل الطرطوسی قال حدثنا ابوا العباس محمد بن اسحاق بن ابراهیم الراح قال حدثنا احمد سعید الرباطی قال حدثنا یونس بن محمد قال حدثنا فلیح عن حمزہ بن سعید عن قیس بن حذیفة عن خوات بن جبیر قال خرجنا حجاجاً مع عمر بن الخطاب رکب فیهم ابو عبیده بن الجراح و عبد الرحمٰن بن عوف فقال القوم غننا شعر ضرار فقال عمر دعوا ابا عبد اللّٰه فلیغن من ثنیات فواده ای من شعره قال فما زالت عنهم حتی کان السهر فقال عمر ارفع لسانک یا خوات فقد اسحرنا۔

.... خوات بن جبیر کہتے ہیں ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ان میں ابو عبیدہ بن جراح اور عبد الرحمٰن بن عوف بھی تھے۔ لوگوں نے فرمائش کی (حضرت عمرؓ سے) کہ ضرار کے اشعار ترنم کے ساتھ سنوایئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا ابو عبد اللہ (یعنی خوات) کو بلا کر کہو کہ اس کے اشعار گا کر سنائے۔ خوات کہتے ہیں یہ شغل ساری رات ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ صبح

ہونے لگی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا خوات اپنی زبان اب بند
کرو۔ کیونکہ صبح ہو چکی ہے'
حضرت عمرؓ نے دف پر بھی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے سامنے
فرمائش کر کے گانا سنا ہے۔ اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔
علاوہ ازیں ابن حجر عسقلانی شافعی (۷۷۳ - ۸۵۲ھ) التلخیص
الحبیر ص ۴۰۸ میں لکھتے ہیں۔

وروی عن عمرؓ انه کان اذا خلا فی بیته ترنم بالبیت
اوالبیتین۔

حضرت عمرؓ جب اپنے گھر میں تنہا ہوتے تو ایک یا دو شعر گا گا
کر پڑھتے۔

اس روایت کو مبرد نے کامل میں' بیہقی نے معرفت میں' نہروانی
نے الجلیس والانیس میں' ابن مندہ نے معرفت میں' اور ابو القاسم
اصبہانی نے الترغیب میں بھی روایت کیا ہے۔

۵۔ حضرت عثمان ذو النورینؓ

صاحب البیان نے اور ماوردی نے حاوی میں لکھا ہے:

کانت له جاریتان تغنیان له فاذا کان وقت السحر قال
لهما امسکا فان هذا وقت الاستغفار۔ (اتحاف السادة
للزبیدی ج ۵ ص ۴۵۹)

حضرت عثمان غنیؓ کے پاس دو باندیاں تھیں جو انھیں شب کو
گانے سنایا کرتی تھیں۔ جب وقت سحر ہوتا تو آپ ان سے
فرماتے اب بس کرو یہ استغفار کا وقت ہے۔

ان کے علاوہ چند اور اکابر صحابہؓ نے بھی گانا (بالمزامیر اور بلامزامیر) سنا
ہے۔ ہم صرف ان کے نام اور حوالے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۶۔ عبد الرحمٰن بن عوف (رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ وابن عبد البروالمبرو والزبیر بن بکار وغیرہ)

۷۔ ابو عبیدہ بن الجراح (رواہ البیہقی)

۸۔ سعد بن ابی وقاص (رواہ ابن قتیبہ فی کتاب الرخصہ)

۹۔ ابو مسعود بدری (رواہ البیہقی)

۱۰۔ عبد اللہ بن ارقم (رواہ ابن عبد البر)

۱۱۔ اسامہ بن زید (رواہ البیہقی و ابن عبد البر)

۱۲۔ حمزہ بن عبد المطلب (رواہ الشیخان)

۱۳۔ عبد اللہ بن عمر (رواہ ابن طاہر و ابن حزم و ابن ابی الدم)

۱۴۔ براء بن مالک (رواہ الحافظ ابو نعیم و ابن دقیق العید)

۱۵۔ عمرو بن العاص (رواہ ابن قتیبہ)

۱۶۔ نعمان بن بشیر (رواہ صاحب الاغانی وصاحب العقد و شارح المقنع)

۱۷۔ حسان بن ثابت (رواہ صاحب الاغانی)

۱۸۔ خوات بن جبیر (رواہ البیہقی)

۱۹۔ رواح بن المغترف (رواہ البیہقی)

۲۰۔ عبد اللہ بن عمر (رواہ الزبیر بن بکار فی الموفقیات)

۲۱۔ عائشہ صدیقہؓ (رواہ اصحاب الصحاح و السنن)

۲۲۔ ربیع بنت معوذ (رواہ اصحاب الصحاح و السنن)

۲۳۔ مغیرہ بن شعبہ (نقلہ الامام ابو طالب المکی فی قوت القلوب)

۲۴۔ بلال حبشیؓ (نقلہ السید المرتضیٰ الزبیدی فی تحفۃ المحبین)

تابعین

ابو طالب مکی (متوفی ۳۸۶ھ) نے (قوت القلوب میں) چند تابعین کا

بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔ سعید بن مسیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

به یضرب المثل فی الورع وهو افضل التابعین بعد اویس واحد الفقهاء السبعة و قد سمع الغناء وا ستلذ سماعه وقال ابن عبد البر ذکر وکیع عن محمد بن خلف قال حدثنی عبد الله بن ابی سعید قال حدثنی الحسن بن علی بن منصور قال اخبرنی ابو غیاث عن ابراهیم بن محمد بن العباس المطلبی ان سعید بن المسیب مرنی بعض ازقة مکة فسمع الاخضر یغنی فی دار العاص بن وائل وهو یقول:

تضوع مسکا بطن نعمان اذمشت به زینب فی نسوة خضرات فضرب سعید برجله فقال هذا و الله مما یلذ سماعه۔

حضرت سعید بن مسیب تقوے میں ضرب المثل ہیں اور اویس قرنی کے بعد سب سے افضل تابعی ہیں نیز فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں۔ انھوں نے گانا سن کر اس سے لطف لیا ہے۔ ابن عبد البر نے مذکورہ سند سے بیان کیا ہے کہ سعید بن مسیب ایک بار مکے کی ایک گلی سے گذر رہے تھے کہ عاص بن وائل کے گھر سے اخضر کی آواز سنی جو یہ شعر گا رہا تھا (ترجمہ)

"جب زینب (حجاج کی بہن) شرمیلی عورتوں کے جھرمٹ میں چلتی ہے تو وادی نعمان مشک کی خوشبو سے بس جاتی ہے"

یہ سن کر سعید بن مسیب نے اپنا پاؤں پٹکنا شروع کیا اور کہنے لگے بخدا یہ ہے وہ گانا جس کے سننے میں مزا آجاتا ہے۔

اس واقعے کو ابن جوزی نے تلبیس ابلیس میں اور ابن سمعانی نے لوائل الذیل میں اور طبرانی نے معجم میں بھی ذکر کیا ہے۔

۲۔ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب۔

حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر(۹) (۴۴۸ - ۵۰۷ھ) اپنی سند سے سلمہ کی زبانی لکھتے ہیں:

دخلت علی سالم بن عبد اللّٰہ بن عمر واشعب یغنیہ بھذا الشعر : مغیریۃ کالبدر سنتہ وجھھا مطھرہ الاثواب والعرض وافر فقال سالم زدنی فقال: المت بنا و اللیل داج کانہ جناح غراب عنہ قد نفض القطر فقال سالم اما واللّٰہ لولا ان تدلولہ الرواۃ لا جزلت جائزتک فلک من ھذا الامر مکان۔

میں (سلمہ) سالم بن عبد اللہ بن عمر کے پاس گیا تو وہاں اشعب یہ شعر گا رہا تھا مغیریۃ الخ۔ تین اشعار کے بعد سالم نے کہا کچھ اور سناؤ۔ اس نے پھر یہ شعر سنائے المت الخ۔ سالم نے کہا اگر بات مشہور ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں تمھیں بڑا معقول انعام دیتا' اور تمھیں اچھی خاصی حیثیت حاصل ہو جاتی۔

اشعب نے پہلی مرتبہ تین شعر پڑھے تھے اور دوسری بار دو شعر۔ ہم نے یہاں صرف ایک ایک شعر ہی نقل کیا ہے۔ اس واقعے کو ابن سمعانی نے بھی اوائل الذیل میں اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

۳۔ عبد العزیز بن عبد المطلب قاضی مدینہ یا قاضی مکہ

۴۔ خارجہ بن زید فقہائے سبعہ کے دوسرے فرد
۵۔ عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت

ان تینوں کے متعلق صاحب تذکرۂ حمدونیہ اور ابن مرزبان اور مبرد (کامل میں) اور صاحب اغانی اپنی سند سے یوں لکھتے ہیں:

قال (یعنی خارجة بن زید) دعینا الی مادبة فحضرنا وحضر حسان بن ثابت و کان قد ذهب بصره و معه ابنه عبد الرحمٰن فجلسنا جمیعا علی مادبه فما فرغ الطعام اتونا بجاریتین مغنیتین احداهما ربعة والاخریٰ عزة المیلاء فجلستا بمزهریهما وضربتا ضربا عجیبا وغنتا بشعر حسان۔

فلا زال قصر بین بصریٰ وجلّق علیه من الوسمی جور و وابل فاسمع حسان یقول قد ارانی هناک سمیعا بصیرا وعیناه تدمعان فاذا سکتتا سکتت عینه و اذا غنتا یبکی' وکنت اری عبد الرحمٰن ابنه اذا سکتتا یشیر الیهما ان غنیا۔

ہم لوگ (جن کا اوپر ذکر ہے) ایک دعوت میں بلائے گئے۔ اس میں حسان بن ثابت بھی آئے تھے۔ ان کی آنکھیں اس وقت جاتی رہی تھیں' اور ان کے ساتھ ان کے فرزند عبدالرحمٰن بھی تھے۔ ہم سب دسترخوان پر ایک ساتھ بیٹھے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو داعیوں نے دو لڑکیوں کو بلایا۔ ہر ایک کے پاس ان کی بربط بھی تھی۔ انھوں نے عجیب انداز سے بجاتے ہوئے حسان بن ثابت کا یہ شعر (فلازال قصر الخ) گایا۔ اس وقت میں نے حسان کو یہ

کہتے سنا کہ یہاں میں اپنے آپ کو شنوا اور بینا محسوس کر رہا ہوں۔ حسان کی آنکھیں روتی جاتی تھیں۔ جب وہ لڑکیاں خاموش ہوتیں تو حسان کی آنکھیں بھی خاموش ہو جاتیں۔ اور جب وہ گانے لگتیں تو وہ بھی رونے لگتے۔ میں ان کے فرزند عبدالرحمٰن کو دیکھ رہا تھا کہ جب وہ لڑکیاں گاتے گاتے چپ ہو جاتیں تو وہ اشارہ کرتے کہ اور گاؤ۔

اس روایت میں جہاں تابعین کا ذکر ہے وہاں ایک صحابی حسان بن ثابت کا بھی ذکر ہے۔ اس کا ذکر ہم صحابہؓ کی فہرست میں پہلے کر چکے ہیں۔

۶۔ قاضی شریح

ابو منصور بغدادی (متوفی ۴۲۹ھ) اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں:

انه کان یصوغ الالحان ویسمعها من القیان مع جلالته وکبر شانه۔

قاضی شریح باوجود اپنی جلالت شان و بزرگی کے نئی نئی دھنیں ایجاد کرتے تھے اور گانے والی باندیوں سے ان کو سنا کرتے تھے۔

۷۔ شعبی محدث (۱۹۔ ۱۰۳ھ) یکے از اکابر تابعین۔

بغدادی مذکور ان کے متعلق لکھتے ہیں:

انه کان یقسم الا صوات الی الثقیل الاول والی الثقیل الثانی ومابعدهما من المراتب۔

وہ آوازوں کو ثقیل اول اور ثقیل ثانی میں اور اس کے علاوہ دوسرے درجات میں منقسم کیا کرتے تھے۔

۸۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الرحمان بن ابی بکر المعروف بہ ابن ابی عتیق۔ ان کے متعلق ابو منصور مذکور لکھتے ہیں:

کان فقیها ناسکا یغنی و یعلم القینات الغناء و قال الزبیر بن بکار فی الموفقیات حدثنا طیبة مولاة فاطمة بنت عمر بن مصعب بن الزبیر عن ام سلیمان بنت نافع ان ابن ابی عتیق دخل علی جاریة بالمدینة فسمعها تغنی لا بن سریج ذکر انقلب ذکرہ ام زید۔
والمطایا بالشهب شهبا رکاب الخ فسالها ابن ابی عتیق ان تعیدہ...... فسماع ابن ابی عتیق کثیر مشهور لا یختلف فیه اهل الاخبار روی باسانید جیادوکان کثیر البسط و الخلاعة مع عفة و نسک و زهد و عبادة و اخرج له الشیخان فی الصحیحین۔

عبد اللہ بڑے عبادت گذار فقیہ تھے۔ خود گاتے تھے اور لونڈیوں کو گانے سکھاتے بھی تھے۔ زبیر بن بکار موفقیات میں اپنی مذکورہ بالا سند سے ام سلیمان کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ یہ ابن ابی عتیق (عبد اللہ) مدینے میں ایک لڑکی کے پاس گئے اور اسے ابن سریج کے یہ اشعار گاتے ہوئے سنا کہ (ذکر انقلب الخ) ...... ابن ابی عتیق نے اس سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کی ...... ان کا سماع اس قدر معروف و مشہور ہے کہ محدثین کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ معقول و صحیح اسانید سے یہ ثابت ہے کہ اپنی عفت، عبادت گذاری اور زہد کے باوجود سماع کے معاملے میں بڑے آزاد منش اور رند مشرب واقع ہوئے تھے۔ بخاری اور مسلم نے ان سے روایتیں بھی لی ہیں۔

۹۔ عطا بن رباح

ابو منصور بغدادی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

واما عطاء بن رباح فهو من اكابر التابعين و هو مع علمه
و زهده وورعه و عبادته و معرفته بالسنن والآثار كان
يقسم الاصوات الى الثقيل الاول والى الثقيل الثانى وما
بعدهما من المراتب۔

عطا بن رباح جو اکابر تابعین میں ہیں اپنے علم' زہد' تقوے
اور عبادت اور علم سنن و آثار کے باوجود آوازوں کی فنی
تقسیم ثقیل اول' ثقیل ثانی اور ان کے علاوہ دوسری
دھنوں میں کرتے تھے۔

بیہقی' ابن قتیبہ' ابن عبد اللہ' اور محمد بن اسحاق فاکہی نے بھی اپنی اپنی
سندوں سے ان کے سماع غنا کی کئی روائتیں لکھی ہیں۔ ہم نے ان سب کو
بخوف طوالت نظر انداز کر دیا ہے۔

۱۰۔ سعد بن ابراہیم۔

ان کے سماع غنا کا ذکر ابن حزم اور ابن قدامہ حنبلی نے کیا ہے۔

۱۱۔ امام مالک (ان کا ذکر آگے آتا ہے)

تبع تابعین

تابعین کے بعد چند تبع تابعین کا ذکر بھی سن لیجئے۔

۱۔ عبد المالک بن جریج۔

هو من العلماء الحافظ والفقيه العابد المجمع على
جلالته و عدالته و كان يستمع الغناء و يعرف الالحان
حكى عنه الاستاذ ابو منصور انه كان يصوغ الالحان
ويميز بين البسيط و النشيد و الخفيف وقال ابن

قتیبة حکی عن ابن جریج انه کان یروح الی الجمعة فیمر علی مغن فیولج علیه الباب فیخرج فیجلس معه علی الطریق و یقول له غن فیغنیه اصواتا فلیسیل دموعه علی لحیته ثم یقول ان من الغناء مایذکر الجنة۔
(قوت القلوب لابی طالب المکی)

عبد المالک بن جریج عالم، محدث، فقیہ، اور عبادت گزار تھے اور ان کی جلالت و عدالت پر اجماع ہے۔ یہ گانا سنا کرتے تھے اور فن موسیقی سے واقف بھی تھے۔ ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ یہ دھنیں تراشا کرتے تھے اور بسیط، نشید اور خفیف کے فرق کو بھی پہچانتے تھے۔ ابن قتیبہ ان کے متعلق ایک روایت یوں بیان کرتے ہیں کہ یہ جب جمعہ پڑھنے جاتے تو ایک گویے کے پاس سے گذرتے۔ دروازہ کھٹکھٹاتے تو وہ باہر آجاتا اور یہ اس کے ساتھ سڑک کے کنارے بیٹھ جاتے اور اس سے فرمائش کرتے کہ کچھ گانا سناؤ۔ وہ طرح طرح کی موسیقی انھیں سناتا اور ان کے آنسو بہہ بہہ کر داڑھی پر گرتے۔ پھر وہ کہتے کہ موسیقی میں بھی کچھ ایسی خوبیاں ہیں کہ جنت یاد آجائے۔

۲۔ عبد الملک بن ماجشون مفتی مدینہ۔

وکان تفقه علی الامام مالک ...... وکان مولعا بسماع الغناء قال احمد بن حنبل قدم علینا دمعه من یغنیه و حدث وکان من الفصحاء۔ (ابن خلکان جلد اول صفحہ ۶۳۰)

امام مالک کے فقہ میں شاگرد تھے ...... گانا سننے کے رسیا

تھے۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ آئے تو ان کے ساتھ ایک گویا بھی تھا جو ان کو گانا سناتا تھا۔ یہ حدیث بھی بیان کرتے تھے اور بڑے فصیح تھے۔

ان ہی کے متعلق حافظ ابن حجرؒ ابن عبدالبر کا قول نقل فرماتے ہیں:

کان فقیھا فصیحا دارت علیه الفتیا و علی ابیه و فقیه بن فقیه و کان مولعا بسماع الغناء۔ مات ۲۱۲ھ انتھی ملخصاً (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۴۱۰)

یہ فقیہ بھی تھے اور فصیح بھی۔ فتوے انہی کے چلتے تھے یا ان کے والد کے۔ یہ فقیہ بن فقیہ تھے۔ گانے کے بڑے رسیا تھے۔ ۲۱۲ھ میں وفات پائی۔

۳۔ عبداللہ بن مبارک:

مربه مغن فقال له احب ان تسمعنی فقال له انی مستعجل فالح علیه فغناه فقال له احسنت احسنت ثلاث مرات ثم التفت الینا فقال لعلکم انکرتم قالوا انا ننکره بالعراق فقال ما تقولون فی الرجز یعنی الحداء؟ قالوا لا باس به۔ قال ای فرق بینه و بین الغناء؟ (ابو منصور بغدادی)

عبداللہ بن مبارک کے پاس ایک گویا آیا تو آپ نے اس سے کہا میں تم سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا مجھے جلدی ہے۔ آپ نے اصرار کیا تو اس نے گانا سنایا۔ آپ نے اس کو تین بار احسنت (شاباش) کہا۔ پھر ہم عراقیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ شاید تم لوگ اسے روا نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا ہم لوگ عراق میں اسے روا نہیں

سمجھتے۔ آپ نے پوچھا تم رجز یعنی حدی خوانی کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا اس میں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ نے کہا پھر اس میں اور گانے میں کونسا فرق ہے؟

۴۔ شعبہ:

ابو طالب مکی قوت القلوب میں لکھتے ہیں:

ان شعبة سمع طنبورا فی بیت المنهال بن عمرو المحدث المشهور۔

شعبہ نے منہال بن عمرو کے گھر پر طنبورہ سنا ہے جو مشہور محدث تھے۔

۵۔ ابراہیمؒ بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف۔

ابراهیم بن سعد من ائمة العلم ثقات المدنیین کان یجوز سماع الملاهی و لا یجد دلیلا ناهضا علی التحریم فاراه اجتهاده الی الرخصة (الرواة الثقات للذهبی)

ابراہیم بن سعد کا شمار آئمہ علم اور مدینہ کے ثقہ لوگوں میں ہے۔ یہ گانا سننے کو جائز کہتے تھے اور اس کے حرام ہونے کی کوئی قوی دلیل انہیں نہ مل سکی۔ لہٰذا ان کا اجتہاد اس کے جواز کی طرف لے گیا۔

ابن حجر عسقلانی تہذیب التہذیب جلد اول ص ۱۲۳ میں یوں فرماتے ہیں:

و نقل الخطیب ان ابراهیم کان یجیز الغناء بالعود۔

ابراہیم بربط کے ساتھ بھی گانا جائز سمجھتے تھے۔

واضح رہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن عوف کے پڑپوتے ہیں اور زہری کے

ارشد تلامذہ میں ہیں۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، شعبہ اور لیث وغیرہ ائمہ کے استاذ ہیں۔ صحاح و سنن ان کی مرویات سے بھری پڑی ہیں۔ ائمہ ثقات اور تبع تابعین میں ان کا شمار ہے۔ خطیب بغدادی، ابن خلکان اور ابن قتیبہ نے بہ تفصیل لکھا ہے کہ یہ بربط پر ہر گانے کو جائز ہی نہ سمجھتے تھے، بلکہ خود بھی بربط بجا بجا کر گایا کرتے تھے۔

ان سب سے زیادہ عجیب اور دلچسپ روایت تو یہ ہے :

وکان لا یسمع الطلبة الحدیث الا بعد ان یسمعهم الغناء نشیداً او نشیطا و یضرب بین یدیه الدف (رواہ جمال الدین المحدث و ابن طاہر وغیرہما)

یہ ابراہیم اپنے شاگردوں کو اس وقت تک حدیث نہ سناتے جب تک کہ پوری آواز سے مست ہو کر انہیں گانا نہ سنا لیتے اور ان کے سامنے دف بھی بجا کرتی تھی۔

ان سے ایک بار ہارون رشید نے احادیث سنانے کی فرمائش کی تو آپ نے عود منگوایا اور ہارون کو گانا سنایا۔ ہارون نے پوچھا فقہائے مدینہ میں سے کوئی سماع کا منکر بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا جس کے دل پر خدا نے مہر لگا دی ہو گی وہی منکر ہو گا۔ ہارون نے پوچھا امام مالک سماع کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے کہا بنی یربوع کی ایک دعوت میں کچھ لوگ عود اور معازف پر گا رہے تھے، امام مالک نے بھی ایک مربع دف لی اور اس پر گانا گایا۔ (شرح احیاء العلوم للزبیدی جلد ۴ ص ۴۵۷)

۶۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا "سرود ہمسایہ" (۱۰) والا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔ صاحب تذکرہ حمدونیہ، ابن قتیبہ، مطرزی، (صاحب ایضاح شرح مقامات حریری) ادفوی، رمادی یعنی ابو عمرو یوسف بن ہارون کندی اور حافظ محمد

عبدالواحد بن علی تمیمی مراکشی (صاحب کتاب المعجب فی اخبار اھل المغرب) وغیرہم نے اسے ذکر کیا ہے۔ کندی نے تو اس واقعے کو منظوم کر کے لکھا ہے۔ ہم نے بخوف طوالت اسے چھوڑ دیا ہے۔

علاوہ ازیں جامع صغیر للامام محمد ص ۱۵۲ کی ایک روایت یوں ہے:

رجل دعی الی ولیمة او طعام وجد ھناک لعبا او غناء فلا باس بان یقعد و یاکل۔ قال ابو حنیفة رحمه الله ابتلیت بھذا مرة۔

اگر کوئی شخص کسی دعوت میں بلایا جائے اور وہاں کھیل یا گانا ہو تو وہاں پہنچنے اور کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں ایک بار مجھے بھی اس میں پھنسنا پڑا۔ (بعض نسخوں میں اس کے بعد فصبرت بھی ہے یعنی میں نے برداشت کر لیا)

و حکی صاحب التذکرة الحملونیة ان ابا حنیفة و سفیان الثوری سئلا عن الغناء فقالا لیس من الکبائر و لا من الصغائر۔

صاحب تذکرہ حمدونیہ روایت کرتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوری سے گانے کے متعلق دریافت کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ اس کا شمار نہ کبیرہ گناہوں میں ہے، نہ صغیرہ گناہوں میں۔

۷۔ امام داؤد طائی:

و روی الخطیب فی تاریخه من داؤد الطائی انه کان یحضر السماع و ینتصب بعد ان انحنی و یعود قوته و کان عالما فقیھا حنفیا (الامتاع للادفوی)

خطیب بغدادی' داؤد طائی کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ محافل سماع میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی کمر جھک گئی تھی لیکن سماع سن کر جوش میں ان کی قوت لوٹ آتی تھی اور کمر سیدھی ہو جاتی تھی۔ یہ عالم و فقیہ تھے اور حنفی۔ (شاگرد امام اعظم)

۸۔ قاضی ابو یوسف:

کان ابو یوسف القاضی ربما حضر مجلس الرشید و فیه الغناء فیجعل مکان السرور به بکاء کانه یتذکر به نعیم الاخرة (القدیم و الحدیث لمحمد کرد علی رئیس المجمع العلمی)

قاضی ابو یوسف اکثر ہارون الرشید کی مجلس میں جس میں گانا ہوتا تھا شرکت کرتے تھے اور ان پر نشاط کی بجائے اس انداز کا گریہ طاری ہوتا تھا کہ گویا ان کا ذہن اس گانے سے انعام اخروی کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔

۹۔ امام شافعی:

قال یونس بن عبد الاعلی سالت الشافعی عن اباحة اهل المدینة السماع فقال الشافعی لا اعلم احداً من علماء الحجاز کره السماع (احیاء ج ۲ ص ۱۹۴)

یونس بن عبد الاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے اہل مدینہ کا خیال جو جواز سماع سے متعلق تھا' دریافت کیا تو فرمایا میں علمائے حجاز میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو سماع کو مکروہ جانتا ہو۔

نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں "گفتہ است

غزالی کہ تحریم غنا مذہب او (امام شافعی) نیست و تتبع کردم چندیں از مصنفات وے را ندیدم او را نصیے بہ تحریم وے۔ و استاذ ابو منصور بغدادی گفتہ کہ مذہب وے اباحت سماع ست۔ بقول و الحان چوں بشنو و مرداز مرد یا از جاریہ خود یا امراتے کہ حلال ست نظر بہ وے۔ یا بشنود در خانہ خود یا خانہ بعضے از صدقائے خود۔ و شنود آنرا درمیان راہ و مقترن نہ گردد سماع بہ چیزے از منکرات و ضائع نہ کند بہ سبب آں اوقات نماز را۔ و روایت کردہ است ابو منصور بغدادی از یونس بن عبدالاعلیٰ کہ شافعی استصحاب کرد مرا بہ سوئے مجلسے کہ در وے قینہ بود و تغنی میکرد۔ چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی آیا خوش کردی تو ایں را؟ گفتم نہ۔ گفت اگر راست می گوئی نیست ترا حس صحیح۔ یعنی خوش داشتن غنا علامت سلامت طبع و حس است و ناخوش داشتن آں نشان اعوجاج طبیعت و نقصان حس۔ و ازیں جا معلوم می شود کہ دلیلے شرعی بر حرمت و کراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش داشتن طبع آنراچہ فائدہ کردے؟ ------ و بالجملہ بہ تحقیق صحیح شدہ است از قول و فعل شافعی چیزے کہ صریح است در اباحت و نیست نص در تحریم۔

(ترجمہ) امام غزالی فرماتے ہیں کہ گانے کی حرمت امام شافعی کا مذہب نہیں۔ میں نے ان (شافعیؒ) کی بہت سی کتابوں کو چھانا لیکن گانے کی حرمت پر ان کی کوئی نص نہیں ملی۔ استاد ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ آپ (شافعیؒ) کا مذہب جواز سماع ہے بشرطیکہ وہ شعر و غنا مرد دوسرے مرد سے سنے یا اپنی کنیز سے یا ایسی عورت سے جسے دیکھنا جائز ہے۔ خواہ اپنے گھر کے اندر سنے یا اپنے کسی دوست کے گھر پر۔ ہاں راستے کے درمیان نہ سنے اور وہ سماع منکر قسم کی کسی چیز سے آلودہ نہ ہو اور اس کی وجہ سے اوقات نماز ضائع نہ کرے۔ ابو منصور بغدادی یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ میرے ساتھ ایک ایسی محفل میں تشریف لے گئے جہاں کنیز گا رہی تھی۔ جب وہ گانے

سے فارغ ہو گئی تو آپ نے مجھ سے پوچھا: کہو تمہیں یہ گانا پسند آیا؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے کہا: اگر تم سچ کہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر صحیح حس موجود نہیں۔ گویا گانے کو پسند کرنا سلیم الطبع ہونے کی نشانی ہے اور اسے ناپسند کرنا طبیعت کی ٹیڑھ اور حس لطیف کی کمی کی علامت ہے۔ یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی حرمت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ اگر ہوتی تو طبیعت کا اسے پسند کرنا بے معنی ہوتا۔ مختصر یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے قول و فعل سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی اباحت واضح ہے اور حرمت کے لئے کوئی نص موجود نہیں۔

۱۰۔ امام احمد بن حنبل

علامہ ابو الوفا اپنی فصول میں لکھتے ہیں:

ان الامام احمد بن حنبل کان یسمع الغناء من ابنه صالح۔

امام احمد بن حنبل اپنے صاحبزادے صالح سے گانا سنا کرتے تھے۔

مدارج النبوۃ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اما امام احمد بن حنبل صحیح شدہ است روایت کہ وے شنیدہ است غنا رازد پسر خودش کہ نام وے صالح است۔ روایت است از ابو العباس فرغانی کہ می گفت:

شنیدم صالح بن احمد بن حنبل راکہ می گفت:

بودم کہ دوست می داشتم سماع را و بود پدر من کہ ناخوش می داشت آں را۔ پس وعدہ کردم ابن جنادہ راکہ باشد نزد من شبے، پس باشید نزد من تادانستم کہ خواب کرد پدر من پس شروع کرد ابن جنادہ در تغنی۔ پس شنیدم آواز پائے را بر بام۔ پس بر آمدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ می

شنوو غنا را و دامن در زیر بغل اوست و وے می خرامد بالائے بام گویا کہ رقص می کند۔ و مثل این قصہ از عبداللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است و این دلالت دارد بر اباحت سماع نزد وے رحمتہ اللہ علیہ۔ و آنچہ منقول است از وے مخالف این محمول است بر غنائے مذموم و مقترن بہ فحش و منکر۔ و روایت کردہ شدہ است از احمد کہ وے شنید قوالے را نزد پسرش صالح و انکار نہ کرد۔ پس گفت پسر وے اے پدر آیا نبودی تو کہ انکار می کردی و مکروہ می داشتی تو آں را؟ گفت مَن چناں رسانیدہ اند کہ استعمالِ می کنند با وے منکر را۔

(ترجمہ) امام احمد بن حنبل کے متعلق یہ روایت صحیح ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے کے پاس جن کا نام صالح تھا' گانا سنا ہے۔ صالح بن احمد بن حنبل کی زبانی ابو العباس فرغانی یوں روایت کرتے ہیں کہ : میں تو وہ تھا کہ سماع کو پسند کرتا تھا اور میرے والد (احمد بن حنبل) وہ تھے جو سماع کو ناپسند کرتے تھے۔ میں نے ابن جنادہ سے وعدہ لیا کہ ایک رات وہ میرے پاس گزارے گا۔ وہ میرے پاس رہا یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے والد سو گئے ہیں۔ پس ابن جنادہ نے گانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد میں نے چھت پر پاؤں کی آہٹ سنی۔ پھر میں چھت کے اوپر گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد گانا سن رہے ہیں اور اپنا دامن بغل میں دبائے چھت پر ٹہل رہے ہیں' جیسے رقص کر رہے ہوں۔ اسی طرح کا واقعہ عبداللہ بن احمد بن حنبل سے بھی منقول ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ (امام احمد) کے نزدیک سماع جائز ہے اور آپ سے جو کچھ اس کے خلاف منقول ہے وہ اس گانے پر محمول ہے جو مذموم اور فحش و منکر سے آلودہ ہو۔ امام احمد کے متعلق یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے صالح کے پاس ایک قوال کا گانا سنا اور اظہار نفرت نہ کیا۔ اس پر آپ کے صاحبزادے نے پوچھا : کہ ابا جان کیا آپ وہی نہیں جسے (گانے سے) انکار تھا اور اسے مکروہ جانتے تھے؟ آپ نے جواب دیا : مجھے جو اطلاعات

ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگ اس کے ساتھ منکرات کا بھی ارتکاب کرتے ہیں۔

۱۱۔ احمد بن ابی داؤد

قال احمد بن ابی داؤد ان کنت لا سمع الغناء من مخارق
عند المعتصم فیقع علی البکاء حتی ان البهائم لتحن
الی الصوت الحسن و تعرف فضله (ایضاً)

احمد بن ابی داؤد کا کہنا ہے کہ اگر میں معتصم کے پاس مخارق
کا گانا سنوں تو مجھ پر گریہ طاری ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو
اچھی آواز کی طرف تو بہائم بھی لپکتے ہیں اور وہ بھی اس کے
مقام سے واقف ہیں۔

۱۲۔ محمد بن اسحاق بن سلیم قاضی قرطبہ:

یہ مشہور فقیہ ہیں ان کا علم و فضل اور وقار بھی مسلم ہے۔ وفات
۳۶۷ھ میں ہوئی ہے۔ ان کا ایک واقعہ سن لیجئے:

----- فخرج قاضی الجماعة ابن السلیم یوماً لحاجة
فاصابه مطر اضطره الی ان دخل بدا بته فی دهلیز
الشیبانی فوافقه فیه فرحب بالقاضی و ساله النزول
فنزل و ادخله الی منزله و تفاوضا فی الحدیث فقال له
اصلح الله القاضی عندی جاریة مدنیة لم یسمع
باطیب من صوتها فان اذنت اسمعتک عشرا من کتاب
الله عزوجل و ابیاتا فقال له افعل فامر الجاریة فقرات
ثم انشدت فاستحسن ذلک القاضی و عجب منه و کان
علی کمه دنانیر فاخرجها و جعلها تحت الفرش الذی
جلس علیه و لم یعلم بذلک صاحب المنزل فلما ارتفع
المطر رکب القاضی و ودعه الشیبانی فدعا القاضی له

والجاریۃ۔ (ایضاً" ص۲۱۸)

ایک دن قاضی صاحب موصوف (محمد بن اسحاق بن سلیم) کسی ضرورت سے باہر نکلے تو اس زور کی بارش ہوئی کہ مجبور ہو کر اپنی سواری لئے ہوئے شیبانی کے پھاٹک میں داخل ہو گئے۔ وہیں قاضی صاحب کو دیکھ کر شیبانی نے اتر پڑنے کی فرمائش کی۔ قاضی صاحب اتر کر مکان کے اندر تشریف لے گئے اور دونوں گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ شیبانی نے کہا "قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ اور صالح بنائے میرے پاس ایک مدنی لڑکی ہے جس سے بہتر آواز شاید ہی سنی گئی ہو۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کو قرآن پاک کی چند آیتیں اور کچھ اشعار بھی سنواؤں۔ قاضی صاحب نے فرمایا "ہاں سنواؤ" شیبانی نے اس لڑکی سے فرمائش کی تو اس نے قرآن بھی سنایا اور اشعار بھی سنائے۔ قاضی نے خوب داد دی اور متحیر بھی ہو گئے۔ اس وقت ان کی جیب میں چند اشرفیاں تھیں انہوں نے وہ نکال کر اسی فرش کے نیچے رکھ دیں۔ جس پر وہ بیٹھے تھے اور صاحب خانہ سے اس کا ذکر بھی نہ کیا۔ جب بارش رک گئی تو قاضی صاحب نکل کر سوار ہو گئے اور شیبانی نے انہیں رخصت کیا۔ اس کے بعد قاضی صاحب نے شیبانی کو بھی دعائے خیر دی اور اس لڑکی کو بھی۔

۱۳۔ ابو طالب مکی ۳۸۶ھ:

یہ قاضی بھی ہیں اور فقیہ بھی۔ محدث بھی ہیں اور شیخ الصوفیہ بھی۔ یہ اپنی مشہور کتاب قوت القلوب جلد ۲ ص ۶۱ میں فرماتے ہیں:

و کان بعض العارفین یقول نعرف مواجید اصحابنا
فی ثلثه اشیاء عند المسائل و عند الغضب و عند
السماع۔ و انما ذکرنا هذا لانه کان طریقا لبعض
المحبین و حالا لبعض المشتاقین فان انکر ناه مجملا
فقد انکرنا تسعین صادقا من خیار الامة۔
بعض عارفوں کا قول ہے کہ ہم اپنے رفقا کے مواجید کو تین
موقعوں پر پہچانتے ہیں۔ مسائل بیان کرتے وقت' غصے کے
وقت اور سماع کے وقت۔ ہم نے اس (سماع) کا ذکر یہاں
اس لئے کیا ہے کہ یہ بعض اہل محبت کا طریقہ اور بعض اہل
شوق و ذوق کا حال رہا ہے۔ لہٰذا اگر اجمالی طور پر سماع سے
انکار کریں تو یہ امت کے بہترین افراد میں سے نوے (یعنی
بکثرت) صادقین کا انکار ہو گا۔

چند فقہاء

نامناسب نہ ہو گا اگر یہاں چند فقہائے کرام کا بھی ذکر کر دیا جائے۔
امام عبدالوہاب شعرانی لطائف المنن جلد ۲ ص ۱۰۷ میں لکھتے ہیں :
وسئل الشریف ابو محمد الهاشمی عن السماع فقال ما
ادری ما اقول فیه و لکن حضرت دار شیخنا ابی
الحسن التمیمی سنة سبعین و ثلثمئة و قد عمل دعوة
دعا بها ابابکر الا بهری شیخ المالکیة و ابا القاسم
الدارکی شیخ الشافعیه و طاہر بن الحسین شیخ
الحدیث و ابا الحسن بن شمعون شیخ الواعظ و الزهاد و
ابن مجاهد شیخ المتکلمین و ابابکر الباقلانی و ابا

الحسن شیخ الحنابلة فقالو الشخص حسن الصوت
اسمعنا شیئاً فانشد لهم شعراً من جملته:

خطت اناملها فی بطن قرطاس
رسالة بعبیر لا با نفاس
ان زرتنی فدیتک من غیر محتشم
فان حبک لی قد شاع فی الناس
و کان قولی لمن ادی رسالتها
قف لی لا سعی علی العینین و الراس

قال الشریف الهاشمی رضی الله تعالی عنه بعد ان رایت هولاء الاشیاخ یسمعون لا یمکننی ان افتی بمنع السماع فان هولاء مشائخ العراق حتی لو سقط السقف علیهم لم یبق فی العراق من یفتی بحادثة۔

شریف ابو محمد ہاشمیؒ سے گانا سننے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس بارے میں کیا کہوں؟ مگر ہاں میں اپنے شیخ یعنی ابو الحسن تمیمی کے دولت کدے پر ۳۷۰ھ میں حاضر ہوا جہاں دعوت کا انتظام تھا۔ جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا وہ یہ تھے۔ شیخ المالکیہ ابوبکر ابہری' شیخ الشافعیہ ابو القاسم دارکی' شیخ الحدیث طاہر بن الحسین' شیخ الواعظین و الزاہدین ابو الحسن بن شمعون' شیخ المتکلمین ابن مجاہد' ابوبکر باقلانی اور شیخ الحنابلہ ابو الحسن۔ ان لوگوں نے ایک خوش گلو آدمی سے کہا کہ کچھ سناؤ' اس نے ایک غزل سنائی جس کے چند اشعار یہ ہیں:

(ترجمہ) "اس محبوبہ نے اپنی انگلیوں سے مختصر سے کاغذ پر ایک پیغام لکھ بھیجا جس میں عبیر (مخلوط خوشبو) سے لکھا تھا کہ میں تم پر قربان تم مجھ سے بے کھٹکے ملو' کیونکہ مجھ سے تمہاری محبت سارے جہان میں مشہور ہو چکی ہے۔ میں نے اس پیغامبر سے کہا ذرا ٹھہرو تاکہ میں آنکھوں اور سر کے بل چلوں ---"

اس کے بعد شریف ہاشمیؒ نے کہا ان شیوخ کبار کو گانا سنتے ہوئے دیکھنے کے بعد میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ میں گانا سننے کے خلاف فتویٰ دوں کیونکہ عراق کے یہ مشائخ وہ ہیں کہ اگر ان سب پر چھت گر جائے (یعنی سب ابھی مرجائیں) تو سارے عراق میں کوئی مفتی باقی نہیں رہے گا جو کسی معاملے میں فتویٰ دے سکے۔

اس کے بعد امام شعرانی نے ان اکابر علماء و صلحاء کا ذکر کیا ہے جنہوں نے صرف گانے ہی نہیں سنے بلکہ تواجد بھی فرمایا ہے۔ اخیر میں انہوں نے امام الفقہاء و المحدثین عز الدین بن عبدالسلام کے سماع و تواجد کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بزرگ جیسا کہ الامتاع میں لکھا ہے دف اور بربط پر گانا سنتے تھے۔

امام قشیری جن کا شمار ائمہ محققین اور عرفائے کاملین میں ہے، صاحب سماع و وجد تھے۔ جس کا ذکر کتب تاریخ کے علاوہ خود ان کے رسالہ قشیریہ میں بھی ہے۔ ان کے بعض اہل حلقہ کا ذکر بھی امام شعرانی کی زبان سے سنئے:

ان بعض رجال رسالۃ القشیری اوصی اھلہ و قال اذا خرجت من ھذہ الدار علی دین الاسلام و مت فشیعوا جنازتی بالدف و المزمار ای الحلال۔ فلما مات فعلوا معہ ذالک۔

رسالہ قشیری کے بعض اصحاب نے اپنے ورثاء کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں دین اسلام پر اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو میرے جنازے کی مشایعت دف اور جائز باجے کے ساتھ کرنا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔

اس کے بعد امام شعرانی لکھتے ہیں:

و لا اعتراض علیٰ مثل ذلک فان الموت علی الاسلام

اعظم سرورا عند العاقل من تزویج ولدہ او ختانہ۔
ایسی باتوں پر کوئی اعتراض درست نہیں کیونکہ اسلام پر
موت واقع ہونا صاحب عقل کے نزدیک بیٹے کی شادی یا
ختنے سے زیادہ مسرت کا موجب ہے۔
اس کے بعد مزے کی بات اور بھی سنئے:
و قد رایت بعض العلماء و الصالحین یعطون الزار
وغیرہ فی الدعوات الفلوس علی ذالک
میں نے دیکھا ہے کہ بعض علماء اور صالحین دعوتوں میں
گانے بجانے والوں کو روپے بھی دیتے ہیں۔

چند مزید صلحاء

اب چند ایسے علماء، فقہاء، صلحاء اور فقراء کا ذکر بھی سنئے جن کا علم و فضل مسلمات میں شمار ہوتا ہے۔ ہم اصل عبارت کو بخوف طوالت ترک کرکے صرف ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اصل عبارت کے لئے شیخ محمد بن احمد مغربی تونسیؒ کی کتاب فرح الاسماع مطبوعہ انوار محمدیؒ لکھنؤ کا ص ۱۲ تا ص ۱۶ ملاحظہ فرمالیجیے۔

۱۔ امام عز الدین بن عبدالسلام کے سماع مع دف و شبابہ (شہنائی) کا ذکر بہت سے اہل علم نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ ادفوی نے بھی اپنی الامتاع میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام ابن عماد کہتے ہیں کہ شیخ عز الدین موصوف سے تمام آلات غنا کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سب مباح ہیں۔ شیخ شرف الدین بولے مباح کہنے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ کوئی صحیح روایت اس کی حرمت کے بارے میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس وقت ان کا روئے سخن اہل مصر کی طرف تھا۔ یہ سن کر شیخ عز الدین نے

کہا نہیں بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ یہ مباح ہے۔

۲۔ شیخ تاج الدین فزاری دمشق کے شیخ اور مفتی نے بھی دف اور شبابہ پر کئی بار گانا سنا ہے، جس کا ذکر انہوں نے خود اپنی کتاب نوز القبس میں بھی کیا ہے۔ یہ اپنے وقت کے شیخ اور بہت بوڑھے تھے اور اپاہج (جو کھڑا نہ ہو سکتا ہو) ہو گئے تھے۔ لیکن جب سماع میں ان کو وجد آتا تھا تو دیر تک اس طرح کھڑے رہتے تھے جس طرح کوئی نہایت تندرست آدمی ہو۔

۳۔ حافظ و مجتہد و متقی تقی الدین بن دقیق العید نے بھی دف و شبابہ پر متعدد بار گانا سنا ہے۔ ایک موقعے پر دف اور شبابہ کے ساتھ گانا ہوا جس میں شیخ تقی الدین کے علاوہ ان کے والد کے شاگرد شیخ بہاؤ الدین اور فقہائے عدول بھی موجود تھے۔ اور فقراء ان کے سامنے رقص کر رہے تھے۔ ادفوی کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید سے دریافت کیا گیا کہ آپ اس (غنا و مزامیر) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "کوئی صحیح حدیث نہ تو اس کے عدم جواز کے بارے میں ہے اور نہ جواز کے بارے میں۔ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ لہٰذا جس کا اجتہاد اس کی حرمت کی طرف لے گیا وہ حرمت کا قائل ہو گیا اور جس کے اجتہاد کا میلان جواز کی طرف ہوا وہ جواز کا قائل ہوا۔" (۱۱)

اس کے بعد صاحب فرح الاسماع لکھتے ہیں:

جس محفل سماع میں شیخ تقی الدین موصوف شریک تھے، اس میں شیخ علی کروی بھی تھے۔ کچھ لوگوں پر بہت کیف و بے خودی طاری ہوئی۔ اس کے بعد وقت نماز آ گیا۔ ان ہی بے خودی والوں میں سے ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھا۔ شیخ تقی الدین کہتے ہیں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کاش انہوں نے وضو کر لیا ہوتا۔ جب نماز سے فراغت

ہوئی تو شیخ کردی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ایسی بے خودی طاری نہیں ہوئی تھی کہ جس سے نقض وضو لازم آتا۔

ایسی ہی ایک محفل میں شیخ موصوف کے ساتھ بعض ائمہ اور شیخ باخمیم نے شرکت کی۔ جس کے متعلق شہاب الدین بن عبدالطاہر کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین پر عالم وجد و بے خودی طاری ہوا۔ وہ ٹہل ٹہل کر کہہ رہے تھے کہ ایسے لوگوں کی محفل سماع کی شرکت تو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ شیخ شہاب الدین ویساوی نے شیخ تقی الدین سے جبکہ وہ قاضی القضاۃ تھے' پوچھا' سماع کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیخ تقی الدین نے کہا یہ جائز ہے۔ انہوں نے پوچھا دف اور شبابہ کے ساتھ؟ کہا ہاں میرا اس سے یہی مطلب ہے (کہ دف و شبابہ کے ساتھ جائز ہے)۔

۴۔ قاضی القضاۃ امام بدر الدین بن جماعہ نے بھی متعدد بار شبابہ و دف پر گانا سنا ہے۔

۵۔ علیٰ ہذا شیخ الشیوخ شمس الدین اصبہانی نے بھی بارہا ایسی محفلوں میں شرکت کی ہے۔ یہ مشہور شارح اور مصنف ہیں۔

۶۔ شیخ نقوشانی' شیخ علاؤ الدین ترکمانی' شیخ شہاب الدین کرکی کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہے۔

یہ سب کے سب اہل مشرق تھے۔ چند نام اہل مغرب کے بھی سنئے:

۱۔ سلطان فاس محروسہ سلطان ابو الحسن مع مشاہیر مفتیان کرام و مصنفین عظام۔

۲۔ امام ابو زید' اور

۳۔ امام ابو موسیٰ۔ یہ دونوں اپنے دور کے بے مثال علماء میں تھے۔

۴۔ حافظ المغرب ابو عبداللہ محمد بساطی

۵۔ امام ابو عبداللہ الایلی

۶۔ شیخ امام بن عرفہ

۷۔ امام قروی

۸۔ امام ابو عبداللہ بن عبدالرزاق جزولی

۹۔ امام ابو الفضل مروعی

۱۰۔ امام ابو عبداللہ الصفار

۱۱۔ امام ابو عبداللہ الحفیدی و السلوی

۱۲۔ امام ابو محمد عبدالمیمن۔ یہ اپنے وقت کے بے نظیر محدث اور حافظ حدیث تھے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ عبدالمیمن کے سوا مغرب میں کوئی عالم نہیں۔

۱۳۔ امام عبداللہ زیدی

۱۴۔ امام ابو عبداللہ بن مبتقر

۱۵۔ امام ابو محمد بن الکاتب

۱۶۔ امام ابو عبداللہ بن عبدالسلام۔ یہ ابن حاجب کے شارح ہیں

۱۷۔ امام ابو عبداللہ بن ہارون۔ یہ مشہور مصنف ہیں

۱۸۔ امام ابو محمد الاحمی۔ یہ قاضی القضاۃ تھے

۱۹۔ شیخ محمد نحاس (قاہرہ)

۲۰۔ امام شمس الدین بساطی۔ ان سے صرف گانا مع الدف و الشابہ سننا ہی منقول نہیں بلکہ رقص کی بھی بہت سی روایتیں ہیں۔ پھر شیخ محمد بن احمد مغربی لکھتے ہیں:

"شام کی ان محافل سماع میں صرف عوام ہی بکثرت نہیں شریک ہوتے تھے بلکہ ہر عالم و مفتی بھی شرکت کرتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ اگر ان پر چھت گر جاتی (یعنی د فعتا" وفات پا جاتے) تو کوئی عالم اور کوئی مفتی باقی نہ رہتا۔" (یہ روایت پہلے بھی آ چکی ہے)

اس کے بعد مزے کی بات یہ لکھتے ہیں:

و من له اتساع علی ذوق و مشرب ورقة قلب ادرک معنی السماع و من حرم ذلک فهو حمار و لا یعقلها الا العالمون و من الادلة التی ذکروها الاجماع علی تحلیل السماع مطلقاً قالوا و ذلک لانه اشتهر من فعل عبدالله بن جعفر الهاشمی و عبدالله بن الزبیر وغیرهما و انتشر ذلک فی الصحابة فی خلافة علیؓ و زمن معاویه و لم ینکر ذلک احد و لو کان محرما لا نکره علی فاعله و هذا هو الاجماع السکوتی۔

جس کے اندر ذوق سلیم' وسیع المشرب اور درد دل ہو وہ سماع سے لطف اندوز ہوتا ہے اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے۔ اسے اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی مطلق حلت پر اجماع امت ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کے عمل سے بالکل واضح ہے اور حضرت علی اور امیر معاویہ کے عہد میں صحابہ میں عام طور پر رائج تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس پر نکیر ہوتی۔ لہٰذا اسے "سکوتی اجماع" سمجھنا چاہئے۔

یہی بات علی بن برہان الدین حلبی شافعی اپنی سیرت حلبیہ میں یوں لکھتے ہیں:

قال بعضهم یعنی بعض اہل علم کا کہنا ہے:

و اعلم ان السماع فی طریق القوم معروف و فی الجواذب الی المحبة معدود و موصوف و قال بعض

آخرانه من اکبر مصائد النفوس ای و الرجوع بها الی
الله تعالی و قد شوهد تاثیر السماع فی الحیوانات
غیر الناطقة بل فی الاشجار و من لم یحرکه السماع
فهو فاسد المزاج غلیظ الطبع (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۶۶)
یاد رکھو سماع لوگوں کے طریقے میں معروف چیز ہے اور اس
کا شمار ان چیزوں میں ہے جو محبت کی طرف کھینچتی ہیں۔
بعض کا کہنا ہے کہ یہ دلوں کے لیے سب سے بڑا جال ہے'
یعنی اس کے ذریعے انابت الی اللہ ہوتی ہے۔ اس کی تاثیر کا
مشاہدہ تو غیر ناطق حیوانوں بلکہ درختوں تک میں ہوا ہے'
اور جسے سماع حرکت میں نہ لائے وہ فاسد المزاج اور غلیظ
الطبع ہے۔

اور یہی مضمون امام غزالی کے ذکر میں ان ہی کے الفاظ میں آگے
ملاحظہ کیجئے۔

امام تقی الدین سبکی کا ایک دلچسپ جواب

شیخ الاسلام امام تقی الدین سبکی ساتویں صدی میں قاضی القضاۃ مصر و
شام رہے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے معاصر ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ غیبت
(چغلی) زیادہ بری چیز ہے یا سماع؟ اس کا جوب امام موصوف نے نہایت بلیغ
اشعار میں دیا جو یہ ہیں:

یا صاحب الاحوال و الزفرات
و الذکر و التسبیح فی الخلوات

اے وہ جو خلوتوں کے اندر اپنے خاص احوال' پاس انفاس'
ذکر اور تسبیح میں مگن رہتے ہو۔

اما اغتیاب الناس فھو محرم
قطعا بنص اللہ فی الحجرات
لوگوں کی غیبت تو نص قطعی سے حرام ہے جیسا کہ سورۂ حجرات میں موجود ہے۔

فحذر منہ حذر لا تعدل بہ
لھواً بہ نوع من الشبھات
لہٰذا اس سے جس قدر بچ سکتے ہو بچو اور کسی "لہو" کو بھی اس کے برابر نہ سمجھو کیونکہ لہو میں کچھ کچھ اشتباہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

و اعلم بان الرقص و الدف الذی
عنہ سالت و قلت فی اصوات
فیہ خلاف للائمۃ قبلنا -----
سرج الھدایۃ سادۃ السادات
اور یہ سمجھ لو کہ تم نے جس آواز (گانے)، دف اور رقص کے متعلق دریافت کیا ہے اس میں ہم سے پہلے کے ائمہ کے درمیان اختلاف رہا ہے اور وہ سب اپنی جگہ شمع ہدایت اور سرداروں کے سردار ہیں۔

لکنہ لم تات قط شریعۃ
طلبتہ لو جعلتہ فی القربات
لیکن گانے بجانے سے متعلق کوئی شریعت ایسی نہیں آئی ہے جس نے اس کا مطالبہ کیا ہو یا اسے موجب قرب الٰہی قرار دیا ہو۔

و العارف المشتاق ان ھو ھزہ

وجد فقام یهیم فی سکرات
لا لوم یلحقه و یحمد حاله
یا طیب ما یلقی من اللذات

اور عارف مشتاق کو اگر اس کا وجد جھنجھوڑ دے اور وہ اس بے خودی میں گردش کرنے لگے تو وہ قابل ملامت نہیں ہوتا بلکہ اس کا کیف قابل تعریف ہوتا ہے۔ خوشا وہ لذت روحانی جو اسے حاصل ہوتی ہے۔

ان نلت ذا یوماً فقد نلت المنا
و غنیت فیه عن فتاوی الفات

اگر تمہیں کسی دن یہ کیف و لذت حاصل ہو جائے تو سمجھ لو کہ تم نے ایک بڑا مقصد پا لیا اور اس معاملے میں مفتیوں کے فتوے سے بے نیار ہو گئے۔

هذا جواب علی السبکی ذی ال
حجب العظیمة صاحب الحسرات

علی سبکی کی طرف سے جو خود بہت سے پردوں کے نیچے دبا اور حسرت کا مارا ہوا ہے' بس اتنا ہی جواب ہے تمہارے سوال کا۔

امام شوکانی اور ابن حزم کی رائے

امام شوکانی نے ایک خاص رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام ہے ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع۔ اس کا ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

و قد وضع جماعة من اهل العلم فی ذلک مصنفات و

لكنه ضعفها جميعاً بعض اهل العلم حتى قال ابن
حزم انه لا يصح فی الباب حديث ابداً وكل ما فيه
فموضوع۔
اہل علم کی ایک جماعت نے حرمت سماع پر تصنیفات کی ہیں
لیکن دوسرے اہل علم نے ان سب کی تضعیف کی ہے' حتیٰ
کہ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس بات (حرمت سماع) کے
متعلق ہرگز ایک بھی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس کے
بارے میں جو کچھ بھی ہے وہ سب موضوع ہے۔
پھر دوسری جگہ خاص طور پر معازف (مزامیر اور باجوں) کے متعلق
لکھتے ہیں:

و قد اختلف فی الغناء مع آلة من آلات الملاهی و
بدونها و ذهب الجمهور الی التحريم مستدلين بما
سلف و ذهب اهل المدينة و من وافقهم من علماء
الظاهر و جماعة من الصوفية فی السماع و لو مع العود
و اليراع و حكی الاستاذ ابو منصور البغدادی الشافعی
فی مولفه فی السماع ان عبدالله بن جعفر كان لا يری
بالغناء باسا و يصوغ الالحان لجواريه و يسمعها منهن
علی اوطار و كان ذلک فی زمن امير المومنين علی
رضی الله عنه و حكی الاستاذ المذكور مثل ذلک ايضاً
عن القاضی شريح و سعيد بن المسيب و عطاء بن
رباح و الزهری و الشعبی۔
غنا مع مزامیر و بے مزامیر کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہور
اس کی حرمت کی طرف ہے۔ ان کے دلائل ہم اوپر بیان

کر چکے ہیں۔ اہل مدینہ اور ان سے موافقت کرنے والے علمائے ظاہر اور صوفیہ کی ایک جماعت سماع کی اباحت کی طرف گئی ہے۔ اگرچہ بربط و نے کے ساتھ ہو۔ استاد ابو منصور بغدادی شافعی نے اپنی کتاب میں جو سماع کے متعلق ہے' روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر گانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے' بلکہ اپنی باندیوں کو لہجے تراش کر بتاتے تھے اور اپنی بربط پر ان سے گانا سنتے تھے۔ اور یہ سب کچھ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ہوتا تھا۔ استاذ مذکور ابو منصور بغدادی نے قاضی شریح' سعید بن مسیب' عطاء بن رباح' زہری اور شعبی کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

امام مالک' اہل مدینہ اور ظاہریہ

پھر آگے لکھتے ہیں:

و حکی الاستاذ ابو منصور و الفوزانی عن مالک جواز العود و حکی الرویانی عن القفال ان منهب مالک بن انس اباحة الغناء بالمعازف۔ قال طاهر هو اجماع اهل المدینة۔ قال ابن طاہر و الیه ذهبت الظاهریة قاطبة"

استاذ ابو منصور اور فوزانی نے امام مالک سے بھی بربط کا جواز ہی نقل کیا ہے۔ رویانی نے قفال سے بھی مالک بن انس کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ وہ گانے کو معازف (باجوں) کے ساتھ مباح سمجھتے تھے۔ طاہر کا کہنا ہے کہ اس کے جواز پر اہل مدینہ کا اجماع ہے اور بقول ابن طاہر کے ظاہریہ سب

کے سب اسی طرف گئے ہیں۔ (امام شوکانی کی یہ تمام عبارتیں نیل الاوطار ج ۷ ص ۳۱۹' ص ۳۲۰ میں ہیں)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

پرسیدہ شد امام مالک از سماع' پس گفت دریا فتم اہل علم را در بلاو خود کہ منکر نیستند آں را وی شنید ازاں و گفت منکر نہ شود آں را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ الطبع۔ و ہمچنیں نقل کروہ است از وے عدولے۔ و حکایت کردہ است اباحت را از وے امام قشیری و استاد ابو منصور و قفال و غیر ایشاں و آنچہ نقل کردہ شدہ است از مالکؒ کہ گفت نمی شنوند آں را مگر فاسقاں محمول ست بر غنائے کہ مقترن ست بوے منکر۔ جمعا بین القول والفعل

(ترجمہ) امام مالک سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے شہروں کے اہل علم کے متعلق جو کچھ معلوم کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے منکر نہیں۔ وہ گانا سنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کا منکر صرف وہی ہو سکتا ہے جو عامی یا جاہل یا غلیظ الطبع عراقی ہو۔ ثقہ شخص نے آپ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ امام قشیری' استاذ ابو منصور اور قفال وغیرہم نے بھی آپ (مالکؒ) سے اباحت ہی کی روایت نقل کی ہے۔ اور آپ سے جو یہ قول منقول ہے کہ اسے صرف فاسق لوگ سنتے ہیں وہ اس گانے پر محمول ہے جو منکرات سے آلودہ ہو۔ آپ کے قول و فعل میں یوں ہی توافق پیدا کیا جا سکتا ہے۔

نیز ابراہیم بن سعد کے بیان میں محدث دہلوی مدارج میں لکھتے ہیں:

پرسند از وے از احوال مالک پس گفت خبر دادند مرا کہ دعوتے بود در بنی یربوع و باقوم دفوف بود و عود ہا کہ تغنی میکروند و لعب می نمودند و بود نزد مالک دف مربع کہ می زد آں را و تغنی مے نمود۔

(ترجمہ) ان (ابراہیم بن سعد) سے لوگوں نے امام مالک کا طرز عمل پوچھا تو آپ نے کہا' مجھے لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ بنی یربوع کے ہاں ایک دعوت تھی جس میں لوگ دفوں اور چنگوں کے ساتھ گا بجا رہے تھے اور کھیل میں لگے تھے۔ امام مالک بھی ایک چوکھٹی دف بجا بجا کر گا رہے تھے۔

نیز امام مالک کے نزدیک دف صحت نکاح کی شرط ہے۔ (مکتوب قاضی ثناء اللہ)

اب خود شوکانی کی کتاب ابطال دعوی الاجماع فی تحریم مطلق السماع صفحہ ۴۰-۴۱ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

و الاحادیث المرویۃ من ھذا الجنس فی ھذا الباب فی غایۃ الکثرۃ و قد جمع العلماء مصنفات کابن حزم و ابن طاھر و ابن ابی الدینا و ابن حمدان الازبلی و الذھبی وغیر ھم و اکثر الاحادیث فی النھی عن الات الملاھی و قد اجاب المجوزون للغناء عن ھذہ الاحادیث فقال الاوفوی فی الامتاع:

و ضعف ھذہ الاحادیث الوارد ۃ فی ھذا الباب جماعۃ من الظاھریۃ و المالکیۃ و الحنابلۃ و الشافعیۃ و لم تحتج بھا الائمۃ الاربعۃ و لا داود و لا سفیان و ھم رؤس

المجتهدین و اصحاب المذاهب المتبعة ۔ و قد ذکر ابوبکر بن العربی فی کتاب احکام الاحادیث فی ذلک و ضعفها و قال لم یصح فی تحریم شئی یعنی من جمیع الاحادیث الواردة فی تحریم الغناء و الا لات اللهویة۔ و هکذا قال ابن طاهر انه لم یصح فیها حرف واحد ۔ و قال علاؤ الدین القونوی فی شرح التعرف' قال ابو محمد بن حزم لا یصح فی هذا الباب شئی۔ و لو ورد لکنا اول قائل به و کل ما ورد فیه فموضوع ثم حلف علی ذلک----

حرمت سماع و مزامیر کے متعلق بے شمار روایات مروی ہیں جن کو بعض علماء مثلاً ابن حزم' ابن طاہر' ابن ابی الدینا' ابن حمدان ازبلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی تصنیفات میں یکجا کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ احادیث ہیں جو آلات لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ ان ساری احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے' جو غناء کو جائز بتاتے ہیں۔ چنانچہ کمال الدین ادفوی اپنی الامتاع میں کہتے ہیں کہ ظاہریہ' مالکیہ' حنابلہ اور شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتایا ہے جو حرمت غنا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور ان احادیث کو نہ ائمہ اربعہ نے حجت مانا ہے' نہ داؤد ظاہری نے اور نہ سفیان ثوری نے' حالانکہ یہ سب سرخیل مجتہدین ہیں اور ان کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابوبکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان احادیث کا ذکر کرکے ان کو ضعیف

بتایا ہے۔ ابوبکر بن عربی کہتے ہیں کہ غنا اور آلات لہو
(مزامیر) کی حرمت کے متعلق جتنی بھی حدیثیں آئی ہیں ان
میں سے ایک بھی تو صحیح نہیں۔ اور ابن طاہر تو یہاں تک
کہتے ہیں کہ ایسی احادیث کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ علاؤ
الدین قونوی اپنی شرح تعرف میں ابن حزم کا یہ قول نقل
کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔
اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو سب سے پہلے اسے ہم مانتے۔
لیکن صورت حال یہ ہے کہ اس بارے میں جتنی احادیث
موجود ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ پھر ابن حزم نے
اس پر قسم بھی کھائی۔

علامہ فاکہانی

ان کے متعلق نواب سید صدیق حسن خان اپنی کتاب دلیل الطالب
علی ارجح المطالب میں فرماتے ہیں:

و مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی السنوخی المالکی
در شرح رسالہ ابی زید گفتہ' قال الفاکھانی لم اعلم فی
کتاب الله ولا فی سنة رسول الله حدیثا صحیحا
صریحا" فی تحریم الملاهی۔ و انما هی ظواهر و
عمومات یتانس بها ادلة قطعیة

مغرب کے مفتی علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی
ابو زید کے رسالے کی شرح میں (فاکہانی کا قول) یوں نقل
کرتے ہیں:

فاکہانی کہتے ہیں کہ مجھے ملاہی (گانے بجانے) کی

حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی، نہ سنت رسولؐ میں کوئی صحیح و صریح حدیث نظر آئی۔
(نواب صاحب کا یہ اقتباس آگے بھی ہے)

چند اور محدثین و فقہاء

سید جمال الدین محدث حنفی (۱۲) (تلمیذ امام جزری صاحب "روضۃ الاحباب") مولانا فخر الدین زرادی حنفی، علامہ غلام مصطفیٰ تھانیسری حنفی وغیرہم نے الگ الگ رسالے جواز سماع و معازف پر لکھے ہیں۔ اور حرمت ملاہی کی تمام روایات کو ناقابل اعتبار و استناد بتایا ہے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی شارح "احیاء العلوم" اور مولانا نور اللہ بچھرانوی صاحب "نغمہ عشاق" اور مولانا قاضی عبدالرحیم حنفی گجراتی شارح "خطبہ قاموس" وغیرہم بھی ایسی کسی حدیث کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے بلکہ تضعیف کرتے ہیں۔ ہم یہاں نمونے کے طور پر صرف سید جمال الدین محدث حنفی کے رسالہ جواز سماع (قلمی جو پھلواری شریف کے کتب خانے میں موجود ہے) کی ایک عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس سے کئی دوسرے محدثین کی رائیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں:

و اما الاخبار التی تمسک بھا بعض الفقہاء مثل استماع الملاھی حرام و الجلوس علیھا فسق و التلذذ بھا کفر "و مثل" ما من رجل یسمع الملاھی الا بعث علی منکبیہ (۱۳) الخ وغیرھما قال النووی:

لا یصح فی باب حرمۃ الغنا شی منھا و الامام السخاوی ذکر فی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشھورۃ علی الالسنۃ:

ما تمسک بہ فی باب حرمۃ الغناء بعض الفقہاء

لا یصح و لا یوجد لها اصل۔

و ذکر الشیخ ابن حجر العسقلانی ما تمسک به بعض المتاخرین فی حرمة الغناء غیر مثبت لا اصل له اذ لو صح فی بابه حدیث لتمسک به المجتهدون و لم یثبت فی باب حرمة الغناء من الاحادیث صحاحها و حسانها و ضعافها' و الذی تمسکوا بها غیر مثبت لو موضوعة لا یتمسک بها فی الاحکام و لم یتمسک بها ابو حنیفة و الشافعی و لا مالک و لا احمد بن حنبل و لا غیرهم من اصحاب المذاهب المتبوعة وانما یوجد تلک الاحادیث فی کلام من تاخر من اتباع ائمة المذاهب و اتباع اتباعهم من الذین لا یعتمد علیهم فی معرفة الصحة و السقم بل قال ابن العربی رحمه الله بعد ما اورد تلک الاحادیث انه لم یصح فی التحریم شئی و التی تمسک بها الفقهاء کلها موضوعة و کذا قال ابن طاهر بل قال بعض الشافعیة حدیث التحریم لا یوجد الا فی کتاب المنکرین (انتهی مختصراً)

چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہاء حرمت سماع کی دلیل لاتے ہیں' مثلاً استماع الملاهی الخ یعنی "گانا باجا سننا حرام ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے" یا مثلاً ما من رجل الخ وغیرہ تو ان کے متعلق نووی لکھتے ہیں کہ حرمت غناء کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ امام سخاوی بھی اپنی مقاصد حسنہ میں ان احادیث کے متعلق جو زبان زد عوام ہیں' فرماتے ہیں : بعض

فقہا نے حرمت غنا کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ ان کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔ اور ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق جن احادیث سے بعض متاخرین استدلال کرتے ہیں وہ نہ ثابت ہیں اور نہ ان کی کوئی اصل ہے کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے۔ صحیح' حسن' تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے حرمت غنا ثابت ہو۔ جن احادیث سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں بلکہ سب موضوع ہیں جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ ایسی احادیث کو نہ ابو حنیفہ نے لیا نہ شافعی نے' نہ مالک نے قبول کیا نہ احمد بن حنبل نے' بلکہ جن دوسرے مذاہب کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے بھی ایسی روایتوں سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت متاخر ہیں' بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں اور ان پر احادیث کے صحت و سقم کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ابوبکر بن العربیؒ ایسی تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے اور جن احادیث سے فقہا تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں' بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمت غنا کی حدیثیں صرف منکرین ہی کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

علامہ خیرالدین رملی (۸۹۳-۱۰۸۱ھ)

علامہ رملی شیخ الفقہاء الحنفیہ اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد خاص طور پر صوفیائے کرام کی محفل سماع مع المزامیر کے متعلق لکھتے ہیں:

و اما سماع السادة الصوفية فبمعزل من هذا الخلاف بل مرتفع عن درجة الاباحة الى رتبة المستحب كما صرح به غير واحد من المحققين (فتاویٰ خیریہ جلد۲ ص۱۷۹ و ص۲۱۲)

رہا صوفیہ کرام کا گانا سننا تو وہ ان اختلافیات سے الگ چیز ہے بلکہ جواز کے درجے سے گذر کر یہ مستحب کے درجے تک پہنچتا ہے، جیسا کہ بہت سے محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔

سرخیل سلسلہ رفاعیہ حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی متوفی ۵۷۸ھ فرماتے ہیں:

السماع داعية الى الحق و هو من جملة القربات (جلاء الصدى فى سيرة امام الهدٰى قلمی)

سماع حق کی طرف لے جاتا ہے اور ان کا شمار ان چیزوں میں ہے جو تقرب الٰہی پیدا کرتی ہیں۔

نیز مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی نے لطائف اشرفی میں سماع کے لئے مسجد کو اولیٰ کہا ہے اور امام غزالی کا بھی یہی خیال ہے اور مولانا عبدالرحمٰن لکھنوی (پنجابی) تو مسجد ہی میں سماع سنا کرتے تھے۔ خود در مسجد میں ہوتے اور قوال صحن مسجد میں۔ یہ بحرالعلوم کے شاگرد تھے اور نصیرالدین حیدر کے ہم عصر۔ (عقائد العزیز مولفہ شاہ عزیز اللہ صفی پوری ص ۱۳۵ و ص ۱۳۶)

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع کا محض ایک ہی پہلو یعنی لہو ولعب یا معصیت نہیں بلکہ اس کے اندر دوسرا پہلو عبادت اور استحباب کا بھی ہے۔

امام کمال الدین ادفوی کے بیان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جو اپنی الامتاع میں فرماتے ہیں:

ان السماع یحصل به رقة القلب و الخشوع و اثارة شوق لقاء الله و الخوف من سخطه و عذابه و ما یفضی الی ذلک قربة و اذا کان السماع هکذا فکیف یکون فیه شائبة اللهو والهوٰی (مسئلہ سماع و وحدت وجود ص ۸۔ للقاضی ثناء اللہ پانی پتی)

سماع سے رقت قلب' خشوع' لقائے ربانی کی تڑپ' اس کی خفگی کا خوف اور اس طرح قرب الٰہی کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ جب سماع کا یہ انداز ہو تو اس میں کھیل یا ہوائے نفس کا شائبہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

نیز شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف میں فرماتے ہیں:

السماع یستجلب الرحمة من اللّٰه الکریم (ایضاً)

سماع خدائے کریم کی رحمت کو جذب کرتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ مطبوعہ نول کشور ج اول ص ۲۴۵ میں شیخ الشیوخ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

ایں سماع مستجلب رحمت است از پروردگار کریم۔

یہ سماع خدائے کریم کی رحمت کو کھینچتا ہے۔

علامہ شامی (۱۲۳۹-۱۳۰۷ھ)

علامہ ابن عابدین شامی بڑا محتاط قدم اٹھاتے ہوئے تقریباً" اسی مضمون کو یوں ادا کرتے ہیں:

و ھذا یفید ان الۃ اللھو لیست محرمۃ لعینھا بل لقصد اللھو منھا اما من سامعھا او من اشتغل بھا و بہ تشعر الاضافۃ الا تری ان ضرب تلک الالۃ بعینھا حل تارۃ و حرم اخری باختلاف النیۃ و الامور بمقاصد ھا وفیہ دلیل لساداتنا الصوفیۃ الذین یقصدون بسماعھا امور لھم اعلم بھا فلا یبادر المعترض بالانکار کی یحرم برکتھم (رد المختار ج ۵ ص ۲۲۱)

اس بحث سے (جو اوپر گزری) یہ ثابت ہوتا ہے کہ آلہ لہو حرام بذاتہ نہیں بلکہ ارادۂ لہو کی وجہ سے ہے خواہ سننے والے کا مقصد لہو ہو یا گانے بجانے والے کا۔ گویا یہ ایک اضافی چیز ہے۔ دیکھتے نہیں کہ یہی باجا ایک موقعے پر حرام ہوتا ہے اور دوسرے موقع پر حلال۔ یہ فرق محض نیت کی وجہ سے ہوتا ہے یا ان باتوں کی وجہ سے جو اس کے مقصد سے متعلق ہوں۔ اس میں ہمارے صوفیہ کرام کے لئے دلیل ہے۔ سماع سے ایسی باتیں ان کا مقصود ہوتی ہیں جن کو وہ بہتر جانتے ہیں۔ لہٰذا معترض کو نکیر کرنے میں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ ہو۔

علامہ عبدالغنی نابلسی (۱۰۵۰-۱۱۴۳ھ)

یہ فقہ حنفی کے مسلم عالم ہیں۔ علامہ شافعی اور علامہ طحاوی ان کے

خوشہ چیں ہیں۔ تاریخ جبرتی میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف ہے۔ انہوں نے ایک مستقل رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے جس کا نام ایضاح الدلالات فی سماع الالات(۱۴) ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸ پر تقریباً" یہی مضمون یوں لکھتے ہیں:

و الحاصل ان هذا المسئلة و هی مسئلة سماع الا لات المطربة بانواعها مع الصوت الطیب لا یجوز اطلاق الحرمة فیها من غیر تقییدها بالملاهی او بالات اللهو او نحو ذلک مما یدل علی کونها مستعملة لاجل اللهو کما هو مقید بذلک فی غالب الاحادیث و ان کانت مطلقة فی البعض فان الاحادیث یفسر بعضها بعضا کالا یات۔ و هذه مقیدة بذلک ایضا" فی عبارات جمیع الفقهاء من المذاهب الاربعة و ان اطلق بعضهم فمراده التقیید عملا بالتفصیل المفهوم من الدین بالضرورة و العاقل اللبیب تکفیة الاشارة و الجاهل الخبیث لا یفهم مقصود الشارع و لو بالف عبارة۔ و اذا تقیدت هذه المسئلة بقید اللهو کان الافتاء بحرمة هذه الالات المطربة یشترطا لتقیید بالتلهی بها و ان لم یکن لاجل التلهی فلیست بحرام بل هی مباحة حنیئذ لجمیع المسلمین و المومنین سواء کانوا من العامة القاصرین او من الخاصة الکاملین و لا یکتم هذا الحکم عن احد مطلقا"۔

و المراد باللهو الاعراض بسبب ذلک عن الطاعات و نسیان الفرض و الواجبات و الاشتغال بالمحرمات المکروهات کسماعها علی الخمر و الزنا

و نحو ذالک من المنهیات او خطو شی من ذالک ببالہ و
استقرار ھا فی وقت سماعھا کما سیاتی بیانہ و کل
احد یعرف ذالک من نفسہ لا من غیرہ و الاعمال
بالنیات و انما لکل امری مانوی (انتھی مختصراً)

خلاصہ یہ ہے کہ اچھی آواز کا مختلف النوع باجوں پر سننے کا
مسئلہ ایسا نہیں کہ علی الاطلاق اس کو حرام کہنا جائز ہو
تاآنکہ وہ "ملاہی" یا "آلات لہو" کے ساتھ مقید نہ ہوں' یا
کوئی ایسی چیز نہ ہو جو لہو کے لئے استعمال ہوتی ہو۔ اس
بارے میں بعض احادیث مطلق ہیں اور بیشتر مقید ہیں اور
احادیث بھی آیات قرآن کی طرح ایک دوسرے کی مفسر
ہوتی ہیں۔ مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء کی تمام عبارتیں بھی
اس بارے میں مقید ہی ہیں۔ اور اگر بعض فقہاء نے اسے
مطلق حرام لکھا ہے تو وہ بھی دراصل مقید ہی ہے کیونکہ
دین کی تفصیلات سے جو کچھ سمجھا جا سکتا ہے وہ یہی تقیید
ہے۔ سمجھدار کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہے اور بے عقل
جاہل تو شارع کے مقصود کو ہزار طرح کی عبارتوں سے بھی
نہیں سمجھتا۔ غرض یہ مسئلہ لہو کی قید سے مشروط ہے تو
باجوں کی حرمت کا فتویٰ بھی اسی وقت صحیح ہو گا' جب اس
میں لہو کی شرط بھی پائی جائے اور اگر باجوں کی غرض لہو نہ
ہو تو یہ حرام نہ ہو گا بلکہ تمام مومن و مسلم کے لئے جائز ہو
گا خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل خاص۔ اور اس حکم کو
کسی سے پوشیدہ نہ رکھنا چاہئے۔

اس کے بعد وہ "لہو" کی تشریح ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"لہو" سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعت
الہی کی طرف سے بے توجہی ہو' یا فرائض و واجبات
فراموش ہو جائیں' یا حرام و مکروہات میں رغبت ہو جائے'
مثلاً خمر یا زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا
گانا سننا یا ایسا گانا سننا جس سے سنتے وقت یا بعد میں عارضی یا
مستقل طور پر ناجائز خیالات دل میں پیدا ہوں۔ اس کا
مفصل ذکر آگے آئے گا اور ان تمام باتوں کا اندازہ ہر شخص
اپنے دل ہی سے کر سکتا ہے نہ کہ دوسرا۔ اعمال کا
دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت ہی کے
مطابق جزا ملے گی۔

ایک شبہ یہ رہ جاتا ہے کہ آلات غنا جب بھی ہوں گے اور جہاں بھی
ہوں گے "لہو" ہی کے لئے ہوں گے اس کا کوئی اچھا مصرف کیا ہو سکتا ہے؟
علامہ عبدالغنی نابلسی اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

الجاهل الذی یزعم ان هذه الا لات لا تخرج عن کونها
لاجل اللهو۔ قلنا لو لم تخرج عن ذلک لما استثنی
العلماء من ذلک الطبل فی الجهاد و عللوه بانه اعانة علی
غزو المشرکین و لرهابهم و فی النکاح لا علانه و
کذلک یوم العید لاظهار السرور و الفرح و الطبل
محسوب من جملة الا لات المطربات و کذلک الدف
ولولا خروج ذلک ما استثنوه و خصصوا به الاحادیث
المطلقة۔

جاہل ہے وہ شخص جو یہ گمان کرتا ہے کہ یہ آلات غنا بجز لہو
کے اور کچھ نہ ہو سکتے۔ ایسے شخص کے لئے میرا جواب یہ

ہے کہ اگر یہ آلات لہویت کے دائرے سے کبھی باہر نہیں ہو سکتے تو علماء نہ تو طبل جنگ کو اس سے مستثنیٰ کرتے اور نہ اس استثناء کی یہ علت بتاتے کہ مشرکین سے جنگ کرنے اور ان کو مرعوب کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اور نہ اعلان نکاح کے لئے یا عید کی مسرتوں کے اظہار کے لئے اس کو مستثنیٰ کرتے۔ طبل یا دف کا بھی آخر آلات مطربہ ہی میں شمار ہے۔ اگر یہ لہویت کے دائرے سے خارج نہ ہو سکتا تو علماء اسے مستثنیٰ ہی نہ کرتے اور نہ احادیث مطلقہ کی تخصیص کرتے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی حنفی کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنے مطبوعہ مکتوب میں لکھتے ہیں:

حضرت شاہ عالمین شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز باوجود علم ظاہر و رفعت شان در علم باطن در سماع غنا بامزامیر افراط می داشتند۔ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ پانی پتی موسوم بہ رسالہ سماع و وحدت وجود)

شیخ عبدالقدوس گنگوہی باوجود علم ظاہر کے اور علم باطن میں درجہ بلند رکھنے کے مزامیر کے ساتھ گانا سننے میں غلو رکھتے تھے۔

امام ابو الفضل محمد طاہر مقدسی (۴۴۸۔۵۰۷ھ)

یہ اکابر علمائے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب جواز السماع والمزامیر لکھی ہے۔ ان کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی کی زبان سے سنئے:

و قد تکلم العلماء فی السماع کثیرا ومال بعضھم الی التحریم۔ و حملہ المحققون علی ان من داخلۃ علۃ من ھوس او نفاق۔ و صنف الامام الحافظ ابو الفضل محمد بن طاھر بن علی المقدسی فی ذلک کتابا و نقض اقوال من قال بالتحریم و جرح النقلۃ للحدیث الذی اوھم التحریم و ذکر من جرحھم من الحفاظ و استدل علی اباحۃ السماع و الیراع والدف و الاوتار بالاحادیث الصحیحۃ وجعل الدف سنۃ (لطائف المنن ج ۲ ص ۱۰۶)

سماع کے بارے میں علماء کی بڑی بحثیں ہیں۔ ان میں سے بعض تحریم کے قائل ہیں لیکن محققین اس تحریم کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ جب اس کے سننے سے کم عقلی یا نفاق جیسی بیماریاں پیدا ہوں۔ امام ابو الفضل محمد بن طاہر بن علی مقدسی محدث نے اس مسئلے پر ایک کتاب بھی لکھی ہے اور ان لوگوں کے اقوال کی تردید کی ہے جو اسے حرام کہتے ہیں' بلکہ اس حدیث پر بھی جرح کی ہے جس سے حرمت مزامیر و غنا کا وہم پیدا ہوتا ہے اور اس سلسلے میں ان محدثین کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے قائلین تحریم پر جرح کی ہے۔ پھر صحیح احادیث سے گانے' بانسری' دف' ستار وغیرہ کے جواز کو ثابت کیا ہے بلکہ دف کو تو سنت بتایا ہے۔

اس کے بعد شعرانی شیخ عبدالغفار قوصی کا ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

قال الشیخ عبدالغفار القوصی رضی اللہ تعالی عنہ وقد قرات ذلک علی الحافظ شرف الدین الدمیاطی و اجازنی بہ و جماعۃ من الحفاظ کابی طاھر السلفی

الاصبهانی بسماعه من المصنف و قال لا فرق بین
سماع الاوتار و سماع صوت الهزار و البلبل و کل طیر
حسن الصوت فکما ان صوت الطیر مباح سماعه
فکذلک الاوتار۔ (ایضاً)

شیخ عبدالغفار قوصی کہتے ہیں کہ میں نے اور بعض محدثین
نے مثلاً ابو طاہر سلفی اصبہانی نے یہ کتاب (جواز السماع و
المزامیر) شرف الدین دمیاطی سے پڑھی اور مجھے اس کا
اجازہ بھی دیا اور انہوں نے خود مصنف (یعنی امام ابو الفضل
محمد بن طاہر مقدسی) سے یہ کتاب پڑھی تھی وہ کہتے ہیں
خواہ ستار سنو یا بلبل ہزار داستان کی چہک اور خوش آواز
پرندے کا گانا سنو' ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس
طرح چڑیا کی چہک سننا مباح ہے اسی طرح ستار سننا بھی جائز
ہے۔

امام ابو اسحاق شیرازی

امام مقدسی کے ہم عصر امام ابو اسحاق شیرازی ہیں۔ یہ بھی مجتہد زمانہ
تسلیم کیے گئے ہیں۔ ان کے بارے میں خود امام ابن طاہر کے الفاظ سنئے۔ بحث
جواز بربط و عود کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

و نقل الحافظ ابن طاهر عن الشیخ ابی اسحاق
الشیرازی انه کان مذهبه و انه کان مشهورا عنه و انه لم
ینکره علیه احد من علماء عصره و ابن طاهر عاصر
الشیخ و اجتمع به و هو ثقة و حکایة اهل المدینة و
ادعی انه لا خلاف فیه بینهم والیه مذهب الظاهریة

حکاہ ابن حزم وغیرہ (تحفتہ المحبین ص۵۵)

ابن طاہر محدث شیخ ابو اسحاق شیرازی کے مسلک کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب میں غنا مع العود (بربط) جائز ہے' بلکہ ان کے متعلق یہ بہت مشہور بات ہے۔ اس کے باوجود ان کے کسی ہمعصر عالم نے ان کے بارے میں ان پر نکیر نہ کی۔ ابن طاہر ان کے معاصر تھے اور دونوں کی ملاقات بھی ہوئی ہے۔ یہ امام شیرازی ثقہ ہیں اور اہل مدینہ سے بھی یہ غنا مع العود کے جواز ہی کی روایت کرتے ہیں' بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ اہل مدینہ کے درمیان اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں (یعنی سب گانے اور بربط بجانے کو مباح سمجھتے ہیں) اور جیسا کہ ابن حزم لکھتے ہیں' سارے ظاہریہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۶۹ میں فرماتے ہیں:

کلام دریں مقام دراز است در محلہائے دیگر ہم بطریق فقہاء و محدثین و ہم بر طریق مشائخ طریقت سخن کردہ ایم محدثین میگویند ہیچ حدیثے در تحریم غنا صحیح نہ شدہ است و مشائخ میگویند آنچہ در مقام نہی واقع شدہ مراد بداں مقرون بلہو و لعب است و فقہاء دریں باب تشدید بلیغ دارند۔ و اللہ اعلم۔

(ترجمہ) اس جگہ گفتگو بڑی لمبی ہے جو ہم دوسرے مقام پر کرچکے ہیں یعنی فقہاء اور محدثین کے نقطہ نگاہ سے بھی اور

مشائخ طریقت کے زاویہ نظر سے بھی۔ محدثین تو کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق ایک صحیح حدیث بھی موجود نہیں' اور مشائخ کہتے ہیں کہ جہاں اس کی ممانعت آئی بھی ہے تو اس سے مراد وہی غنا ہے جو لہو و لعب سے وابستہ ہو۔ فقہاء نے اس مسئلہ میں تشدد سے کام لیا ہے۔

پھر مدارج النبوہ جلد اول ص ۲۴۵ میں فرماتے ہیں:

و بالجملہ دریں جا سہ طریقہ است۔ یکے مذہب فقہاست' و ایشاں انکار می کنند اشد انکار' و سلوک می کنند مسلک تعصب و عناد' و الحاق می کنند فعل آں را بذنوب و کبائر' و اعتقاد آں را بکفر و زندقہ و الحاد و ایں افراط است و خروج ست از طریقہ اعتدال و انصاف۔ دوم طریقہ محدثین ست و ایشاں می گویند کہ ثابت شدہ در تحریم آں حدیث صحیح و نص صریح بلکہ ہرچہ وارد شدہ دریں باب از احادیث یا موضوع ست یا مطعون ------ سوم طریقہ سادہ صوفیہ و مذہب ایشاں دریں باب مختلف و افعال منجذب آمدہ -----

(ترجمہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تین مسلک ہیں۔ ایک تو فقہا کا مسلک ہے جو (سماع غنا و مزامیر کے) سخت منکر ہیں اور اس بارے میں تعصب اور عناد کا انداز رکھتے ہیں' بلکہ اس فعل کو کبیرہ گناہ اور اس کے جواز کے عقیدے کو کفر' زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہا کا یہ طرز عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے -----
دوسرا مسلک محدثین کا ہے جن کا کہنا ہے کہ تحریم غنا کے

متعلق کوئی صحیح حدیث یا صریح نص موجود نہیں اور جو کچھ
ہے وہ بھی یا موضوع ہے یا ضعیف ----- تیسرا مسلک
صوفیہ کرام کا ہے۔ ان کا مسلک اس بارے میں مختلف ہے
اور عمل بھی باہم متخالف -----

ان ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مسئلہ سماع پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام ہے قرع الاسماع فی بیان احوال القوم و اقوالھم فی السماع۔ یہ کتاب فرنگی محل لکھنؤ اور نیز کاکوری کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس کا ملخص خانقاہ سلیمانیہ (پھلواری شریف) کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اس میں وہ حرمت غنا کی تمام روایتوں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و مراد ازیں اخبار و آثار و امثال آں غنائے خواہد بود کہ
فعل و استماع آں بطریق لہو و لعب و داعیہ نفسانیت و
شہوت حرام و بر وجہ بطالت باشد تطبیقاً بین الدلائل و
حفظاً للطرفین و محدثین را در احادیث مذکورہ دریں باب
سخن ہم ست۔ و ایشاں ی گویند کہ ہیچ حدیثے صحیح دریں
باب وارد نہ شدہ است۔ و اعتماد دریں باب برقول ایشاں
ست۔

ایسی تمام احادیث و آثار اور روایتوں سے مراد اسی غنا کی
حرمت ہو گی جس کا گانا یا سننا لہو و لعب کے طریقے پر ہو اور
غلط طریقے پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف
لے جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے
یہی تطبیق ہو سکتی ہے اور محدثین کو ان احادیث کی صحت
ہی میں کلام ہے جو حرمت غنا کے بارے میں اوپر بیان ہوئی
ہیں۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث

وارد ہی نہیں ہوئی ہے اور ان کا یہی قول معتبر ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مرشد حضرت میرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں:

در مسئلہ سماع درمیان ائمہ فقہاء و حضرات صوفیہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین اختلاف قوی است۔ فرقہ اولیٰ می گویند کہ سماع مطلقاً" حرام ست ----- فرقہ ثانیہ می فرمایند کہ باطلاق حلال ست ----- سماع بر دو قسم است یکے آنکہ شخصے محل فتنہ نباشد کلامے موزوں بالحنے موزوں بے مداخلت معذور شرعی انشا و نماید و فسادے ازاں در باطن مستمعین نزاید بلکہ سرورے یا حزنے ور قلب پدید آید۔ ایں قسم سماع البتہ مباح ست کہ مرکب است از دو امر مباح کہ کلام موزوں و نشید موزوں باشد ----- قسم دوم آں ست کہ غالیان متاخرین رواج دادہ اند و آں را بجد گرفتہ و امور غیر مشروعہ را وراں خلط نمودہ اند۔ ایں قسم بقدر مداخلت امور غیر مباح از کراہت بحرمت خواہد رسید۔ و اینکہ جماعتے از ارباب کمال رغبت بہ سماع نیز ندارند از خصوصیات ذوقی است نہ از احکام شرعی (کلمات طیبات مکتوب دوازدہم ص ۲۳۔۲۴)۔

فقیر از سماع غیر مباح تائب و سماع مباح را تارک ست و در عقیدۂ اباحت و غیر اباحت آں تابع کتاب و سنت ست (ایضاً") منقول از معارف فروری ۶۰ء ص ۹۰'۹۱)۔

سماع کے بارے میں ائمہ فقہاء و حضرات صوفیہ کے درمیان خاصا اختلاف ہے۔ اول الذکر فرقہ کہتا ہے کہ سماع مطلق حرام ہے ----- ثانی الذکر فرقے کا کہنا ہے کہ یہ مطلق حلال ہے۔ سماع کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ کسی شخص کے لئے فتنے کا موجب نہ ہو، یعنی موزوں کلام ہو اور موزوں لہجہ ہو اور شرعی ممنوعات کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور سننے والوں کے دل میں کوئی فساد نہ بھڑکے، بلکہ دل میں سرور یا حزن پیدا ہو۔ بلاشبہ اس نوع کا سماع جائز ہے کیونکہ یہ دو جائز چیزوں کا مجموعہ ہے۔ ایک موزوں کلام اور دوسرے موزوں لہجہ --- دوسری قسم وہ ہے جس کو غلو کرنے والے متاخرین نے رواج دے رکھا ہے۔ وہ اس پر اڑے ہیں اور نامشروع باتوں کو اس کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ قسم اپنے اندر اسی درجے کی کراہت رکھتی ہے جس درجے کی ناجائز باتیں اس میں شامل ہوں گی اور یہ کراہت حرمت تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ اور ایک باکمال گروہ کا سماع سے رغبت نہ رکھنا کوئی شرعی مسئلے کی پابندی سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا تعلق ذوقی خصوصیات سے ہے۔

یہ فقیر (مرزا جان جاناں) ناجائز سماع سے تائب اور جائز کا تارک ہے اور اس کے جواز و عدم جواز کے عقیدے میں کتاب و سنت کا پیرو ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

محدث و فقیہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی بھی یہی مضمون اپنے ایک مکتوب

میں یوں لکھتے ہیں:

چوں ضرب دف برائے اعلان نکاح جائز یا مستحب باشد دہل و طنبورہ و نقارہ وغیرہ را ازدف چہ تفاوت ست؟ برائے لہو ہمہ حرام ست و برائے غرض صحیح ہمہ حلال باشد اعلان نکاح از ہریک می شود۔ فرق کردن در دف وغیرآں امریست غیر معقول۔

جب اعلان نکاح کے لئے دف جائز یا مستحب ہے تو ڈھول طنبورے اور نقارے میں اور دف میں کیا فرق ہے؟ "لہو" کی غرض سے سبھی حرام ہیں۔ اور صحیح مقصد کے لئے سب ہی حلال ہیں۔ اعلان نکاح ہر ایک سے ہوتا ہے دف اور دوسری چیزوں میں فرق کرنا کوئی معقول بات نہیں۔ (مکتوبات قاضی ثناء اللہ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ مطبع مجتبائی دہلی ص۸)

اپنے رسالہ سماع میں یہی قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں:

----- و مزامیر ہمہ اگر موید شوق و محبت الٰہی باشد آنرا حرام نتواں گفت چہ برائے حکمت اعلان نکاح و اعلام قافلہ غازیان چوں دف جائز باشد بلکہ طاعت بود برائے ہیجان عشق الٰہی البتہ بہتر باشد۔

ہمچو نے زہرے و تریاقے کہ دید
ہمچو نے دمساز و مشتاقے کردید

یعنی در حق فاسقاں زہرست و در حق صوفیان صادق تریاق ست

(ترجمہ) مزامیر بھی اگر خدا کی محبت و شوق کی تائید کرے تو

اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔ جب نکاح یا غازیوں کے قافلے
کے اعلان کی غرض سے دف جائز ہے بلکہ عین طاعت ہے تو
عشق الٰہی کو ابھارنے کے لئے اس سے بھی بہتر ہے۔
ہچونے ------ الخ یعنی یہ بانسری فاسقوں کے
حق میں زہر ہے اور سچے صوفی کے حق میں تریاق ہے۔

نواب سید صدیق حسن خاں

نواب صاحب موصوف دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:
مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی السنوخی المالکی در
شرح رسالہ ابی زید گفتہ قال الفاکھانی لم اعلم فی کتاب
الله و لا فی سنة رسوله حدیثا صحیحا صریحا فی
تحریم الملاھی و انما ھی ظواھر و عمومات یتانس بھا
لا ادلة قطعیة۔
(ترجمہ) مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی
مالکی رسالہ ابو زید کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "فاکہانی کہتے
ہیں قرآن میں مجھے کوئی نص اور سنت نبوی میں کوئی صحیح و
صریح حدیث ایسی نہ ملی جس سے ملاہی کی حرمت ثابت
ہو۔ ہاں کچھ ظاہری و عمومی باتیں ہیں جن میں سے کچھ
اشارہ ملتا ہے لیکن قطعی دلیلیں موجود نہیں۔ (نواب
صاحب کی یہ عبارت علامہ فاکہانی کے ذکر میں گذر چکی
ہے)

مسلک صوفیہ

اوپر کے تمام حوالوں اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ:

۱۔ عام فقہائے کرام اس بارے میں سخت متشدد ہیں اور ان کا تشدد حد تعصب و عناد تک پہنچا ہوا ہے۔ نیز جن احادیث کی بناء پر یہ سماع غنا و مزامیر کو مطلق حرام کہتے ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع۔ (ہم آگے چل کر کچھ ان کا بھی ذکر اور تجزیہ و تحلیل کریں گے)

۲۔ محدثین عام طور پر سماع کو جائز و مباح کہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو مزامیر کو بھی عام طور پر جائز کہتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو مخصوص مزامیر کو مباح بتاتے ہیں۔ حرمت غنا کے متعلق کسی حدیث کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اور ہر ایک کو مطعون و موضوع بتاتے ہیں۔ ہاں وہ ایسے غنا و مزامیر کو جائز نہیں سمجھتے جس کا مقصد نیک نہ ہو۔ اگر اس سے غیر مباح باتوں کی تحریک پیدا ہو تو ناجائز ہے اور کوئی اعلیٰ مقصد ہو تو مستحب بھی ہو سکتا ہے۔ تفریحات و اعیاد کے موقعوں پر گانا بجانا صرف مباح ہی نہیں بلکہ سنت بھی ہے۔

یہاں آگے چلنے سے پہلے ایک بات کو صاف کرلینا چاہیے۔ محدثین کرام بطور لہو و لعب گانے بجانے کو ناجائز کہتے ہیں۔ لیکن اس لہو و لعب کا مطلب محض کھیل تماشہ نہیں۔ خوشی' شادی' عید' رخصتی کے مواقع پر جو بھی گانا بجانا ہوتا ہے وہ ایسی تفریح ہوتی ہے جو کوئی اہم مقصد نہیں رکھتی۔ وہ تفریحات بہرحال لہو و لعب ہی ہیں لیکن یہ ناجائز نہیں۔ لہو و لعب سے مراد صرف وہی چیزیں ہیں جن کے سبب سے طاعت الٰہی کی طرف سے بے توجہی ہو' یا فرائض و واجبات فراموش ہو جائیں' یا حرام و مکروہات کی طرف رغبت پیدا ہو۔ مثلاً خمر

و زنا یا اس طرح کی دوسری منہیات پر ابھارے یا فاسد خیالات پیدا کرے وغیرہ وغیرہ۔

لہو و لعب کی یہ تصریح علامہ عبدالغنی نابلسی نے کی ہے اور ہم اسے اوپر لکھ چکے ہیں۔

۳۔ تیسرا مسلک صوفیہ کرام کا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں سب یکساں نہیں۔ بعض تو مطلقاً جواز کے قائل ہیں اور عامل بھی اور بعض اس بارے میں بے حد محتاط ہیں۔

عام طور پر آج کل یہی سمجھا جاتا ہے کہ گانا اور قوالی صرف صوفیہ سنتے ہیں اور یہی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ یہ خیال موجودہ صوفیہ کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے قائم کیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے جواز کے زیادہ تر محدثین ہی قائل ہیں۔ اور صوفیہ اس باب میں اگرچہ فقہاء کی طرح متشدد نہیں لیکن محدثین کی بہ نسبت بہت زیادہ محتاط رہے ہیں۔ بلاشبہ کچھ صوفیہ ایسے بھی گزرے ہیں جن کو سماع میں غلو رہا ہے۔ لیکن اکابر صوفیہ میں اکثر کا مسلک ایسا بھی رہا ہے جسے دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ چند مثالیں سنئے۔ ہم اس موقعے پر لمعات سلیمانی کی اصل عبارت کو بخوف طوالت ترک کرکے صرف اس کے ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہ کتابچہ حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی ؒ کی تحریریں ہیں جو ان کی وفات کے چھ سال بعد ۱۹۴۱ء میں مولانا منظور الحق صاحب کلیم اعظم گڑھی نے نظامی پریس بدایوں میں لمعات سلیمانی کے نام سے طبع کرائی تھیں۔ یہ لمعات سلیمانی ایک سو بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس میں کسی صاحب کے متعدد سوالات کا علمی انداز سے جواب دیا گیا ہے۔ یہ فارسی زبان میں ہے۔ ان سوالات میں ایک سوال سماع و مزامیر کے متعلق بھی ہے جس کا جواب صفحہ ۱۱۱ سے صفحہ ۱۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔ سماع و مزامیر کے متعلق فقہاء اور محدثین کے مسلک پر جامع بحث کرتے ہوئے صوفیہ کا مسلک

اور طرز عمل ص۱۱۸ سے یوں شروع ہوتا ہے:

سماع کے بارے میں صوفیہ کا مسلک عوارف المعارف، آداب المریدین اور قوت القلوب وغیرہ میں متخالف نظر آتا ہے۔ لیکن ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیہ اس سے انکار میں کچھ زیادہ تشدد اور احتیاط رکھتے ہیں، کیونکہ ان کا مسلک اقوال و افعال میں عزیمت ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غنیتہ الطالبین میں سماع کو مکروہ لکھا ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اس سے اجتناب فرماتے تھے۔ شیخ بہاؤ الدین نقشبندی فرماتے ہیں کہ "انکار می کنم نہ ایں کار" یعنی مجھے اس سے انکار تو نہیں لیکن میں خود یہ کام نہیں کرتا۔ متقدمین میں اکابر اور متاخرین میں جم غفیر اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اگرچہ وہ نہ تو اسے حرام سمجھتے تھے اور نہ اس میں غلو رکھنے والوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ بجز اس سماع کے جو بطور لہو و لعب ہو۔ ہاں صوفیہ میں ایک گروہ ایسا ہے جس پر ولہ و شوق، سکر محبت اور وجد و حال غالب رہا جس کی وجہ سے انھیں سماع کے بغیر چارہ نہ تھا، جیسے حضرات چشتیہ۔ ان کے لئے وہی حکم ہے جو شوق و مستی والوں کے لئے ہے، کیونکہ نغمتوں کا جو اثر دل پر ہوتا ہے قلب میں سوز یا شگفتگی پیدا ہوتی اور بعض باطنی قوتیں ابھرتی ہیں اس میں شک کی گنجائش نہیں بلکہ بعض اوقات تو سماع کے درمیان نزول رحمت اور تجلیات صفاتیہ کا بھی مشاہدہ ہوا ہے۔ اسی وجہ سے سماع کے لئے انھوں نے خاص خاص آداب و شرائط مقرر کئے ہیں۔ حاشا و کلا ان کے سماع کو ظاہر پرست نادانوں کے سماع سے کوئی نسبت نہیں۔ ھل یستوی الاعمی و البصیر؟ شتان بینھما۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

سماع اے برادر بگویم کہ چیست؟
مگر مستمع را بدانم کہ کیست؟
گر از برج معنی بود سیر او

فرشتہ فرو ماند از سیر او
اگر مرد لہو ست و بازی ولاغ
قوی تر شود دیوش اندر دماغ (۱۵)

(یعنی میں تو یہ بتا سکتا ہوں کہ سماع کا کیا مسئلہ ہے لیکن پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سننے والا کیسا ہے؟ اگر سماع سے وہ آسمان معانی کی سیر کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کے سامنے پست ہیں اور اگر محض لہو و لعب کے لئے سنتا ہے تو اس کے نفس امارہ کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔)

بعض فقہاء یا وہابیہ جو صوفیہ کرام پر سماع مزامیر یا آلات لہو کی وجہ سے طعن و تشنیع کرتے ہیں وہ دراصل تعصب و بہتان ہے۔ کیونکہ انھوں نے دف کے سوا اور کسی مزامیر کو حلال نہیں کہا ہے۔ بلکہ بعض اکابر صوفیہ نے تو صرف سماع غنا کا بھی ارتکاب نہیں کیا ہے۔ سنا ہے تو صرف ان متقدمین اور چند متاخرین صوفیہ نے جو مغلوب الحال ہو گئے۔ پھر انھوں نے نہ اس کی حلت کا اعلان کیا اور نہ اس پر ہمیشہ مداوم رہے۔ ظاہر پرست نادانوں اور ان صوفیہ میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔

غنیۃ الطالبین میں حضرت شیخ جیلانی فرماتے ہیں :

فان حضرہ منکر کالطبل و المزامیر و العود و النای و الشربوق و الشبابۃ و الرباب و المغانی الطنابر و الجعران الذی یلعب بہ الترک لا نجلس ھناک لان ذلک محرم۔

یعنی اگر کسی محفل میں منکرات ہوں مثلاً طبل، مزامیر، بربط، بانسری، شربوق، شبابہ، چنگ، مغانی، طنبورہ، جعران وغیرہ جن کو یہ ترک استعمال کرتے ہیں تو ہم وہاں نہیں جاتے کیونکہ یہ سب حرام ہیں ------

حضرت عثمان ہارونی کے ملفوظات "انیس الارواح" میں لکھا ہے کہ میں نے خواجہ مودود چشتی کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خوارزم اور اس کے بعض حواری محض مزامیر بکثرت سننے کی وجہ سے خراب ہوئے۔

نیز حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات "فوائد الفواد" میں ہے کہ کسی نے بتایا کہ فلاں جگہ آپ کے اہل حلقہ نے مجلس منعقد کی ہے جس میں مزامیر بھی ہیں۔ آپ نے بڑے سخت لہجے میں فرمایا۔ انھوں نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے انھیں مزامیر وغیرہ سے منع کیا تھا ----- "اخبار الاخیار" میں حضرت نظام الدین اولیاء کا یہ فرمودہ منقول ہے کہ مزامیر کے ساتھ گانا سننا حرام ہے۔ "سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاء کی محفل میں مزامیر نہ ہوتے تھے بلکہ تالیاں بھی نہیں بجائی جاتی تھیں (۱۶) اور آپ کے حلقہ بگوشوں میں سے کسی کے متعلق اگر یہ خبر ملتی کہ وہ مزامیر سنتا ہے تو آپ اسے روکتے اور کہتے یہ اچھا کام نہیں۔ اسی طرح حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات "خیر المجالس" میں حضرت چراغ دہلی کا یہ فرمودہ درج ہے کہ مزامیر اجماعاً" مباح نہیں۔ اگر کوئی شخص طریقت سے نیچے گرے تو شریعت میں آئے گا۔ لیکن اگر شریعت سے بھی نیچے گرے تو اس کا کہاں ٹھکانا ہوگا؟

سماع خود ہی علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ اور چند شرائط کے ساتھ مباح ہے لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہے۔ علی ہذا شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے مکتوب ثالث میں لکھتے ہیں:

----- دوسری قسم ان گناہوں کی ہے جو بندوں اور خدا کے درمیان رہتے ہیں، جیسے شراب پینا، سود (۱۷) کھانا اور مزامیر کی آواز سننا۔ حضرت موصوف کے ملفوظات میں بھی ایسا ہی ہے -----

پھر آگے چل کر صفحہ ۱۳۲ میں لکھتے ہیں:

ہمارے زمانے کے مشائخوں نے اس معاملے میں جو افراط و تفریط کر

رکھی ہے' اس کے بارے میں ہم کیا کہیں۔ بعض بلکہ اکثر و بیشتر مشائخ نے سماع کو سب سے بڑا مقصد' اعلیٰ درجے کا مقام اور سلوک و عرفان کا رکن سمجھ رکھا ہے گویا انہوں نے اسے عبادت میں داخل کر لیا ہے اور اس کے اہتمام کو صوم و صلوٰۃ کے اہتمام سے بھی بڑھا دیا ہے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ــــــــ بلکہ بعض مشائخ کو تو ہم نے یہاں تک دیکھا ہے کہ جو سماع سے اجتناب کرے اس پر یہ طعن و تشنیع کرتے ہیں اور مزامیر کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ بعض جگہ ڈھولک پر غلاف چڑھا کر اسے اپنے سر پر رکھتے ہیں اور ستار کو اپنے سجادے پر جگہ دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من صنیعاتھم۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے کمال احتیاط کی وجہ سے ڈھولک (۱۸) کو تو جائز رکھتے ہیں اور ستار کو مزامیر پر شمار کرتے ہیں' یہ بھی عجیب بات ہے۔ ان لوگوں پر علماء کا ہنسنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان لوگوں کو یعنی (سماع و مزامیر کو عبادت سمجھنے والوں کو) چاہئے کہ کبھی ان آیات کا بھی مراقبہ (غور و فکر) کریں کہ ماکان صلوٰتھم عند البیت الا مکاء و تصدیة (بیت اللہ کے پاس ان کی نماز تالیاں اور سیٹیاں بجانا ہی رہ گئی تھی) اور و من الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ (بعض بیہودہ گفتگو کو خریدتے ہیں تاکہ راہ خدا سے ہٹا دیں۔ اس مراقبے کے بعد ان پر یہ خوب آشکار ہو جائے گا۔ ع

کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

میرے مرشد (مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلواروی) نے بار بار سماع کو مباح فرمایا ہے' لیکن مزامیر کے جائز ہونے کے متعلق نہ کچھ فرمایا نہ کچھ لکھا۔ ان کے جلیل القدر خلیفہ مولانا شاہ شجاعت علی صاحب محدث سماع نہیں سنتے تھے اور عرس و محفل سماع کی شرکت سے کاملا" اجتناب کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے جب اس کا ذکر ان کے مرشد حضرت شاہ علی حبیب کی خدمت میں کیا تو آپ نے ان کے اس صدق معاملہ کو پسند فرمایا اور ان کے اس طرز عمل

کی تحسین فرمائی۔ کیوں نہ ہو؟ حضرت مرشدؒ صوفی و عارف بھی تھے اور فقیہ و محدث بھی۔ صاحب شریعت بھی تھے اور اہل طریقت بھی۔ اپنے دور کے مشائخ بھی تھے اور عالم اجل بھی۔ ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے ان ہی سے ملا ہے۔

کفی شرفا انی مضاف الیکم وانی بکم ادعی و ارعی و اعرف

(انتہی کلامہ)

اسی طرح حضرت موصوف اپنے ایک مکتوب بنام مولانا شاہ شریف اعظم لکھمینیاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

سماع مبتدی کو صحبت شیخ میں مفید اور متوسط کو معین اور منتہی کو غیر مفید بلکہ کبھی مضر ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے بہتیرے کبرائے مشائخ نے آخر میں ترک سماع کیا۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ انوار تلاوت قرآن نے ہمیں سماع سے مستغنی کر دیا۔ بعضوں نے فرمایا کہ نماز کی مشغولی ذوق سماع کو بے کار کر دیتی ہے۔ ہمارے بزرگوں نے آخری دور تک سماع کو اس لئے قائم رکھا کہ مسترشدین کا افاضہ و استفاضہ بہ آسانی قائم رہے۔ ورنہ ان لوگوں کی شان کہیں رفیع تھی۔ میں اب بھی سماع کو چنداں دوست نہیں رکھتا۔ ہمیں اپنے توحیدی مراقبات میں استغراق چاہئے اور ہمیں مشاہدات کی ضرورت ہے۔ رزقنا اللہ و ایاکم حلاوۃ المشاہدۃ (شمس المعارف ج ۱ ص ۱۲۵)

اور یہی بات حضرت جنید بغدادیؒ یوں فرماتے ہیں:

الناس فی السماع ای سماع الالات علی ثلثۃ اضرب:
العوام و ھو حرام علیھم لبقاء نفوسھم۔ و الزھاد ھو مباح لھم لحصول مجاھداتھم ۔ و العارفون و ھو مستحب لھم لحیاۃ قلوبھم و ذکر نحوہ ابو طالب المکی و صححہ السھروردی فی عوارف المعارف
(سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ٦٧)

> آلات سماع (مزامیر) کے سننے والے تین طرح کے ہیں۔ ایک عوام ہیں جن کے لئے یہ حرام ہے کیونکہ ان کا نفس (امارہ) باقی ہے۔ دوسرے زاہد لوگ ہیں جن کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ اس سے ان کے مجاہدات بروئے کار آتے ہیں۔ تیسرے عارف لوگ ہیں، جن کے لئے یہ مستحب ہے کیونکہ ان کے دل زندہ ہیں۔ یہی مضمون ابو طالب مکی نے بیان کیا ہے اور شیخ سہروردی نے اسے درست مانا ہے۔

آپ کو "لمعات سلیمانی" وغیرہ کے ان اقتباسات سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ سماع اور مزامیر کے بارے میں محدثین سے کہیں زیادہ محتاط صوفیاء کرام رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان میں فقہاء جیسا تقشف نہیں رہا ہے صوفیہ کی اس احتیاط کی وجہ اسی مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کی زبان سے بڑی خوبی سے ادا ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طریقت بہرحال شریعت سے اعلیٰ مقام رکھتی ہے۔ اس لئے اہل شریعت یعنی محدثین تو رخصت پر عمل کرتے ہیں لیکن صوفیہ کا عمل عزیمت پر ہے۔ جو عزیمت یعنی طریقت سے گرا وہ شریعت پر آ کر رک جائے گا۔ لیکن اگر شریعت سے بھی گرا تو اس کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ اس فرق کے باوجود ہمارے دور میں بدنام تو صوفی ہے، اور بدنام کرنے والا محدث۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے "تعزیئے" ننانوے فیصد تو سنی بناتا ہے اور بدنام ہوتا ہے بیچارہ شیعہ۔ لیکن صوفیوں کی یہ بدنامی اور محدثین کی نیک نامی بالکل بے بنیاد بھی نہیں۔ متاخرین میں فی الواقع معاملہ علمی حیثیت سے کچھ برعکس سا ہو گیا ہے۔ محدثین تو احتیاط برتتے ہیں اور عام صوفیہ کو اس میں خاصہ انہماک ہو گیا ہے۔ بلاشبہ یہ انہماک صوفیہ متقدمین میں بھی رہا ہے لیکن ان میں احتیاط بھی کمال درجے کی تھی۔ بلکہ بعض صوفیہ مثلاً سید علی ہجویری نے تو انہماک سماع کے باوجود آخر میں سماع کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں ایک پورا باب سماع ہی پر لکھا ہے جس میں زمان، مکان اور اخوان کی شرائط کے علاوہ اور بھی بہت سی شرطیں سماع کی لکھی ہیں جو آج کل تو یقیناً کہیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔

متاخرین فقہاء میں بھی کچھ اسی قسم کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ نابلسی و شامی کی طرح کے کئی فقہاء کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے جو محدث سے زیادہ فقیہ تھے۔ اور وہ سماع و مزامیر کو جائز سمجھتے ہیں یا دوسرے سننے والوں پر معترض نہیں ہوتے۔ چنانچہ لمعات سلیمانی صفحہ ۱۲۲ میں ہے:

> خود شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں بہت سے مشائخ مزامیر سنتے تھے اور اس کے باوجود ان دونوں کے نزدیک وہ عرفاء و کملاء میں تھے جیسا کہ ان دونوں کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔

لیکن آپ کو یہ سن کر شاید تعجب ہو گا کہ صاحب لمعات سلیمانی (حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی) خود بڑے صاحب وجد و سماع تھے۔ قوالی میں سارنگی، اسرار، ستار، سرود، ہارمونیم، ڈھولک اور دف سب کچھ سنتے تھے۔ وجد و رقص بھی کرتے تھے۔ لیکن ان کے مسترشدین میں بہت سے لوگ اس سے احتراز کرتے تھے بلکہ اپنے بعض مسترشد کو وہ خود اس سے روکتے بھی تھے اور بعض کو خاص شرائط زمانی و مکانی کے ساتھ اجازت بھی دیتے تھے۔

جناب مولوی بشیرالدین صاحب اٹاوی (مدیر البشیر اٹاوہ اور بانی اٹاوہ مسلم ہائی سکول) کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

----- سماع و قوالی کی جو کیفیت آپ نے لکھی ہے الحمد للہ کہ آپ اس مکتب میں بٹھائے گئے۔ مگر یاد رکھو کہ ابھی یہ ابجد خوانی ہے۔ آگے چل کر یہ سب اچھل کود اور رقص و خروش سب کے سب ففروا ہو جائیں گے۔ اور بہائمی صفات سے تخلی ہو کر ربانی صوت و صدا سنو گے۔ جدھر سے آواز آئے

وہی ایک آواز ہوگی۔ قوال تم کو غزل سنائے گا اور تم بقول مولوی رومی اپنے دل میں یوں کھو گے اور اسی دھیان میں ہو گے۔

پیش من آوازت آواز خداست
عاشق از معشوق حاشا کے جداست
پس غذائے عاشقاں باشد سماع
کہ درو باشد خیال اجتماع
قوتے گیرد خیالات ضمیر
بلکہ صورت گیرد آں بانگ صفیر
اتصالے بے تکیف بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس
لیک گفتم ناس من نسناس نے
ناس غیر جان جاں اشناس نے

(شمس المعارف حصہ اول خط بنام مولوی بشیر الدین صاحب اٹاوی رہبری)

مولانا رومیؒ

مولانائے رومی کے ان اشعار کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ رومی سماع یا مزامیر کے متعلق کیا رجحان رکھتے ہیں۔ ان کا مسلک اور انداز فکر صوفیہ، فقہاء، محدثین، فلاسفہ سب سے الگ ہے۔ مذکورہ بالا اشعار میں تو صرف سماع کا ذکر ہے۔ مزامیر کا معاملہ ایسا ہے کہ رومی کی مثنوی شروع ہی ہوتی ہے "نے نامے" سے۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند
واز جدائی ہا شکایت می کند

ایک جگہ مزامیر کا ذکر یوں فرماتے ہیں۔

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست
از کجا می آید ایں آواز دوست

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

سر پنہاں ست اندر زیر و بم
فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

مولانا رومی کے مزار پر اب بھی وہ پرانی نے وغیرہ بطور یادگار رکھی ہے اور طریقہ مولویہ کے سالک تو مزامیر و رقص میں اتنا انہماک و غلو رکھتے ہیں کہ صوفیائے چشتی کو بھی اتنا غلو نہ ہو گا۔ فرقہ مولویہ کا یہ مشغلہ اب بھی جاری ہے۔

امام غزالی (و ۴۵۰/م ۵۰۵ھ)

موسیقی پر کوئی گفتگو اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک امام غزالی کا انداز فکر بھی نہ پیش کیا جائے۔ غزالی جب بحث کرتے ہیں تو موضوع بحث کے کسی باریک سے باریک گوشے کو بھی نہیں چھوڑتے۔ انھوں نے فن موسیقی' اس کی اقسام' مزامیر اور ان کی انواع دونوں کی تاثیر اور حدود حلال و حرام' غرض ہر پہلو پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ ہم احیاء العلوم سے جستہ جستہ عبارت مع ترجمہ نقل کرتے ہیں:

لله تعالی سر فی مناسبة النغمات الموزونة للارواح حتی انها لتوثر فیها تاثیراً عجیباً فمن الاصوات ما یفرح و منها ما یحزن و منها ما یضحک و یطرب و منها ما یستخرج من الاعضاء حرکات علی وزنها بالید و الرجل و الراس و لا ینبغی ان یظن ان ذلک لفهم معانی الشعر بل هذا جار فی الاوتار حتی قیل من لم یحرکه

الربیع و لزهاره و العود و لوتاره فهو فاسد المزاج لیس له علاج و کیف یکون ذلک لفهم المعنی و تاثیره شاهد فی الصبی فی مهده فانه یسکته الصوت الطیب عن بکائه' و تنصرف نفسه عما یبکیه الی الاصغاء الید و الجمل مع بلادة طبعه یتاثر بالحداء تاثرا" یستخف معه الاحمال الثقیلة و یستقصر لقوة نشاطه فی سماعه المسافات الطویلة و ینبعث فیه من النشاط ما یسکره و یولهه فتری الجمال اذا طالت علیها البواری و اعتراها الاعیاء و الکلال تحت المحامل والاحمال اذا سمعت منادی الحداء تمد اعناقها و تصغی الی الحادی ناصیة اذانها و تسرع فی سیر ها حتی تتزعزع علیها احمالها و محاملها وربما تتلف انفسها من شدة السیر و ثقل الحمل و هی لا تشعر به نشاطها۔

موزوں نغموں کو روح سے جو مناسبت ہے' اس میں قدرت کا عجیب راز ہے اس لئے کہ روح پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بعض آوازیں فرحت بخشتی ہیں' بعض مغموم بنا دیتی ہیں' بعض سلا دیتی ہیں' بعض ہنسا دیتی ہیں' یا وجد پیدا کر دیتی ہیں اور بعض جگہ سن کر ہاتھ پاؤں اور سر اسی (تال سر) کے مطابق حرکت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں یہ نہ سمجھئے کہ شعر کے معانی سمجھنے سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے' بلکہ صرف ستار کی آواز میں بھی یہی تاثیر ہوتی ہے۔ کہتے ہیں اگر کسی کو بہار اور اس کی چٹکتی ہوئی کلیاں نیز بربط اور اس کے تاروں کے نغمے متاثر نہ کریں' تو وہ لا علاج فاسد المزاج

ہے۔ فہم معانی کا یہاں کیا دخل ہے۔ اس کا مشاہدہ اس بچے
میں ہوتا ہے جو ابھی گود میں ہے' وہ روتا ہے اور اچھی
آواز اسے چپ کرا دیتی ہے اور سبب گریہ سے اس کی توجہ
ہٹ کر خوش آوازی کی طرف لگ جاتی ہے۔ اونٹ (۱۹)
باوجود اپنی حیوانی کم عقلی کے حدی خوانی سے اتنا متاثر ہوتا
ہے کہ بڑے بڑے بوجھ کو آسانی سے اٹھا لیتا ہے۔ اور
حدی خوانی کی مستی میں لمبی لمبی مسافتوں کو کچھ نہیں سمجھتا۔
بلکہ بعض اوقات ایسا نشاط پیدا ہوتا ہے کہ مست و بے خود
ہو جاتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اونٹ کو لمبے میدان طے
کرتے ہوئے محملوں یا دوسرے بار گراں سے تھکن ہونے
لگتی ہے تو حدی خوانی کی آواز سنتے ہی وہ گردن اٹھا کر
کانوں کو کھڑا کر لیتا ہے اور حدی خواں کی طرف متوجہ ہو
جاتا ہے اور اپنی رفتار اتنی تیز کر دیتا ہے اور لدے ہوئے
اسباب اور محملیں بری طرح جنبش کرنے لگتے ہیں۔ اور
بعض اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ تیز رفتاری اور باربرداری کی
کثرت سے اونٹ مر جاتا ہے لیکن وہ حدی خوانی میں ایسا
محو و مست ہوتا ہے کہ اسے کچھ احساس تک نہیں ہوتا۔

اس کے بعد غزالی نے ایک لمبا واقعہ لکھا ہے جس میں ایک غلام کا ذکر ہے جس کی آواز حدی سے دوڑتے دوڑتے کئی اونٹ مر گئے تھے۔ اس کے بعد غزالی پھر لکھتے ہیں:

فاذاً تاثیر السماع فی القلب محسوس و من لم
یحرکہ السماع فھو ناقص' مائل عن الاعتدال بعید عن
الروحانیۃ زائد فی غلظ الطبع و کثافۃ علی الجمال و

الطیور بل علی جمیع البهائم فان جمیعها تتاثر بالنغمات الموزونة و لذلک کانت الطیور تقف علی راس داود علیه السلام لاستماع صوته و مهما کان النظر فی السماع باعتبار تاثیره فی القلب لم یجز ان یحکم فیه مطلقا باباحة و لا تحریم بل مختلف ذلک بالاحوال و الاشخاص و اختلاف طرق النغمات فحکمه حکم مافی القلب۔

یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی قلبی تاثیر محسوس ہوتی ہے' اور جسے سماع حرکت میں نہ لائے وہ ناقص ہے۔ راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے' روحانیت سے دور ہے' طبیعت کی سختی اور کثافت میں اونٹوں اور پرندوں سے بلکہ سارے بہائم سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ موزوں ترنم سے سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرندے بھی حضرت داؤدؑ کا نغمہ سننے کے لئے ان کے سر پر آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ جب سماع پر تاثیر قلبی کے لحاظ سے غور ہو گا تو اس پر نہ مطلقاً" جائز ہونے کا فتویٰ لگانا درست ہو گا اور نہ مطلقاً" حرام ہونے کا' بلکہ احوال' اشخاص اور طریقہ موسیقی کے اختلاف سے حکم بھی بدل جائے گا' یعنی فیصلہ اس اثر کے مطابق ہو گا' جو اس کے دل کے اندر پیدا ہو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ان الغناء اجتمعت فیه معان ینبغی ان یبحث عن افرادها ثم عن مجموعها فان فیه سماع صوت طیب موزون مفهوم المعنی محرک للقلب فالوصف الاعم انه صوت

طیب ثم الطیب ینقسم الی الموزون وغیرہ و الموزون ینقسم الی المفہوم کالاشعار و الی غیر المفہوم کاصوات الجمادات و سائر الحیوانات اما سماع الصوت الطیب من حیث انہ طیب فلا ینبغی ان یحرم بل ھو حلال بالنص و القیاس اما القیاس فھو انہ یرجع الی تلذذ حاسۃ السمع بادراک ما ھو مخصوص بہ وللانسان عقل و خمس حواس و لکل حاسۃ ادراک و فی مدرکات تلک الحاسۃ ما یستلذ فلذۃ النظر فی المبصرات الجمیلۃ کالخضراء و الماء الجاری و الوجہ الحسن و بالجملۃ سائر الالوان الجمیلۃ و ھی فی مقابلۃ ما یکرہ من الالوان الکدرۃ القبیحۃ و للشم الروائح الطیبۃ و ھی فی مقابلۃ الانتان المتکرھۃ و للذوق الطعوم اللذیذۃ کالدسومۃ والحلاوۃ والحموضۃ و ھی فی مقابلۃ المرارۃ المستشعۃ و للمس لذۃ و اللین و النعومۃ و الملاسۃ و ھی فی مقابلۃ الخشونۃ و الضراسۃ و للعقل لذۃ العلم و المعرفۃ و ھی فی مقابلۃ الجھل و البلادۃ فکذلک الاصوات المدرکۃ بالسمع تنقسم الی مستلذۃ کصوت العنادل و المزامیر و مستکرہ کنھیق الحمیر و غیرھا فما اظھر قیاس ھذہ الحاسۃ و لذتھا علی سائر الحواس و لذاتھا۔

گانے کے بہت سے پہلو ہیں۔ پہلے مختلف پہلوؤں سے بحث کرنی چاہئے۔ پھر مجموعی حیثیت سے اس پر بحث ہونی چاہئے۔ ایک اچھی اور موزوں آواز کا سننا ہے جس کے

معنی بھی سمجھ میں آئیں اور وہ دل میں حرکت بھی پیدا کرے۔ یہاں عام صفت خوش آوازی ہے۔ پھر یہ خوش آوازی موزوں بھی ہوتی ہے اور غیر موزوں بھی۔ پھر موزوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ وہ جو سمجھ میں آئے جیسے اشعار' اور وہ جو سمجھ میں نہ آئے جیسے جمادات اور تمام حیوانات کی آوازیں۔ اب اچھی آواز کا اس حیثیت سے سننا کہ یہ اچھی آواز ہے نص اور قیاس دونوں سے حلال ہے۔ قیاس یوں ہے کہ سننے والا اپنے ایک حاسہ سمع سے ایک ایسی چیز کا ادراک کرکے لطف حاصل کرتا ہے جو قوت سامعہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان کو عقل بھی عطا ہوئی ہے اور پانچ حواس بھی۔ ہر حاسے کا ایک الگ ادراک ہوتا ہے۔ اور جس چیز کا وہ حاسہ ادراک کرتا ہے اس میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن سے وہ لطف و لذت حاصل کرتا ہے۔ نگاہوں کو حسین مناظر میں لذت آتی ہے مثلاً سرسبزی' آب رواں' روئے نیکو اور مختلف قسم کے خوبصورت رنگ جو ناپسندیدہ' میلے اور بدمنظر رنگوں کے مقابلے میں ہوتے ہیں۔ اسی طرح قوت شامہ کے لئے عمدہ خوشبوئیں ہیں جن کے مقابلے میں مکروہ بدبوئیں ہیں۔ یوں ہی زبان کے لئے خوشگوار کھانے ہیں مثلاً روغنیت' مٹھاس اور چاشنی ہے جو کڑواہٹ یا سڑاند کے مقابلے میں ہے۔ حاسہ لامسہ کے لئے نرمی اور چکناہٹ کی لذت ہے جس کے بالمقابل سختی اور کھردرا پن ہے۔ عقل کے لئے علم اور معرفت کا لطف ہے جس کی مد مقابل جہالت اور بلادت

ہے۔ بالکل اسی طرح وہ آوازیں ہیں جن کو کان سن کر
ادراک کرتے ہیں۔ یہ ایک تو وہ ہوتی ہیں جن سے لذت
ملتی ہے مثلاً بلبل اور مزامیر کی آوازیں اور دوسری وہ ہوتی
ہیں جن سے نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے جیسے گدھے کا
رینکنا (۲۰) وغیرہ۔ پس اس حاسہ سامعہ اور اس کی لذتوں
کو تمام دوسرے حواس اور ان کی لذتوں پر قیاس کرنا
چاہئے۔

امام غزالی کا شرعی نقطہ نگاہ سے غنا کے متعلق کیا خیال ہے' اسے بھی
سنئے:

اعلم ان قول القائل السماع حرام معناه ان الله يعاقب
عليه و هذا امر لا يعرف بمجرد العقل بل بالسمع و
معرفة الشرعيات محصورة فی النص و القياس علی
المنصوص و اعنی بالنص ما اظهره صلی الله عليه
وسلم بقوله اوفعله و بالقياس المعنی المفهوم من
الفاظه و افعاله ۔ و ان لم يكن فيه نص و لم يستقم فيه
قياس علی منصوص بطل القول بتحريمه و بقی فعلا
لا حرج فيه كسائر المباحات و لا يدل علی تحريم
السماع نص و لا قياس (انتهی ملخصاً۔ احياء العلوم)

واضح رہے سماع کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ
اس پر معاقبہ فرمائے گا لیکن یہ فتویٰ محض عقل سے نہیں دیا
جا سکتا بلکہ اس کا تعلق سمع (نقل) سے ہے۔ شرعی احکام یا
تو منصوص ہوتے ہیں یا نص پر قیاس ہوتا ہے۔ نص سے
مراد وہ چیز ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یا فعل

واضح کر دے اور قیاس کا مطلب وہ شے ہے جو حضور علیہ السلام و الصلواۃ کے فعل یا قول سے مفہوم ہوتا ہو۔ پس اگر سماع کے متعلق نہ کوئی نص ہو اور نہ کسی نص پر کوئی صحیح قیاس ہو تو سماع کے حرام ہونے کا دعوئی ہی باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اس صورت میں دوسرے مباحات کی طرح ایک ایسا مباح رہ جاتا ہے جس میں کوئی مضائقہ نہ ہو اور سماع کے حرام ہونے پر نہ تو کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی قیاس ہے۔

موسیقی سے علاج امراض

موسیقی کی جن مفید تاثیرات کا مجمل ذکر امام غزالی نے کیا ہے، اسے دوسرے حکماء اور فلاسفر بھی بیان کر چکے ہیں۔ مثلاً افلاطون کہتا ہے:

من حزن فلیستمع الاصوات الطیبة فان النفس اذا حزنت خمد منها نورها فاذا سمعت ما یطربها اشتغل منها ما خمد۔ ان هذا العلم لم تضعه الحکماء للتسلیة و اللهو بل للمنافع الذاتیة و لذة الروح و الروحانیة و بسط النفس و ترویق الدم۔ اما من لیس له درایة فی ذلک فیعتقد انه ما وضع الا للهو و اللعب و الترغیب فی شهوات الدنیا و الغرور بما فیها (القدیم و الحدیث ص ۲۰۹)

غم زدہ آدمی کو اچھی آوازیں سننی چاہئیں کیونکہ جب دل پر غم طاری ہوتا ہے تو اس کی روشنی بجھ جاتی ہے۔ لہٰذا جب وہ وجد و کیف پیدا کرنے والی چیزیں سنتا ہے تو بجھا ہوا جذبہ

پھر بھڑک اٹھتا ہے۔ حکماء نے اس علم کو محض طفل تسلی
اور کھیل کے لئے ایجاد نہیں کیا تھا' بلکہ اس کا مقصد تھا
داخلی منافع' روح اور روحانیت کی لذتوں کا حصول' قلبی
انبساط اور گردش خون جس کو اس فن میں کوئی دخل نہیں
ہوتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ موسیقی کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں
کہ کھیل تماشا ہو' دنیا کی خواہشوں کی ترغیب ہو اور دنیا
کی آرزوؤں کے دھوکے میں پڑا رہے۔

افلاطون کی ہدایت کے مطابق آج تک حکماء و اطباء نے بیسیوں طرح
کے مریضوں کا علاج موسیقی ہی کے ذریعے سے کیا ہے القدیم و الحدیث
کے مولف محمد کرد علی نے صفحہ ۲۲۴ پر ان امراض کی ایک فہرست دی ہے جن
میں موسیقی کی امداد کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ وہ امراض یہ ہیں:

مرگی' سودا' اشتیاق وطن (Home Sickness)' وہ جنون جو کسی
صدمے کی وجہ سے ہو' دمہ' کم عقلی' عام جنون' کند ذہنی (۲۱)' نیند میں چلنا اور
بولنا' کابوس' ہسٹریا' سکتہ' فالج' سرسام' دوسرے اعصابی امراض' مختلف قسم
کے بخار' نقرس' عرق النساء' گنٹھیا' طاعون' تخمہ' زہر سگ' زخم' زہرباد' سوئے
ہضم' تنفس وغیرہ۔

اس کے بعد صاحب القدیم و الحدیث لکھتے ہیں:

فللموسیقی شان فی الطب تستخدم للتمریض و
کانت تتم فی القدیم معرفة فنون الشعر و الموسیقی و
الطب لشخص واحد۔

موسیقی طب کا ایک حصہ ہے جس سے امراض دور کئے
جاتے ہیں۔ قدیم زمانے میں شاعری' موسیقی اور طب تینوں
فنون کی واقفیت ایک شخص کے اندر ہونا کمال سمجھا جاتا تھا۔

بہت سے اقوال نقل کرنے کے بعد محمد کرد علی ص ۲۱۳ میں دوسرے اخلاقی اور روحانی فوائد کا یوں ذکر کرتے ہیں:

الالحان تصفی الارواح و تبعث النشاط فی النفوس فبها قد یجسر الجبان فی ساحة الوغٰی و یکرم الشجیع و یرق الکثیف و یلین القاسی و یقوی الضعیف و یعدل الظالم و یعطف اللئیم...

خوش آوازی روح میں صفائی اور دل میں کیف پیدا کر دیتی ہے۔ بعض اوقات اس کے طفیل بزدل میدان جنگ میں شیر دل بن جاتا ہے' بخیل سخی ہو جاتا ہے' کثیف میں لطافت اور سخت دل میں نرم دلی پیدا ہو جاتی ہے' کمزور قوی اور ظالم عادل بن جاتا ہے اور کمینہ شریف ہو جاتا ہے۔

ابن ساعد

ابن ساعد نے بڑے جامع الفاظ میں موسیقی کے فوائد کا یوں ذکر کیا ہے:

و منفعة الموسیقی بسط الارواح و تعدیلها و تقویتها و قبضها ایضاً لانه یحرکها اما عن مبدئها فیحدث السرور و اللذة ویظهر الکرم و الشجاعة و نحوها و اما الی مبدئها فیحدث الفکر فی العواقب و الاهتمام و نحوها و لذلک یستعمل فی الافراح و الحروب و علاج المرضٰی تارة و یستعمل فی الماتم و بیوت العبادات اخری۔

موسیقی کے مختلف فوائد ہیں۔ روح میں انبساط پیدا کرنا' اسے اعتدال پر لانا' اسے تقویت پہنچانا اور اس میں انقباض

پیدا کرنا، کیونکہ موسیقی جب روح میں حرکت پیدا کر کے
روح کو اس کے اصل مبداء سے ہٹاتی ہے تو وہ سرور و
لذت پیدا کرتی ہے اور سخاوت و شجاعت وغیرہ کے اوصاف
بروئے کار لاتی ہے اور اصل مبداء کی طرف لے جاتی ہے
تو آخرت کی فکر اور اس کے لئے تیاری پیدا کرتی ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ موسیقی کا استعمال کبھی تو خوشی، جنگ اور مریض
کے علاج کے لئے ہوتا ہے اور کبھی مواقع غم پر اور کبھی
عبادت گاہوں میں۔

ابن ساعد، غزالی، شاہ ولی اللہ اور کرد علی وغیرہم نے موسیقی و مزامیر کو جو بعض جسمانی و روحانی امراض کا علاج بتایا ہے وہ کوئی جدید تحقیق نہیں۔ سیدنا داؤدؑ نے بھی اس کا تجربہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو سموئیل باب ۱۶ آیت ۲۳:

"سو جب وہ بری روح خدا کی طرف سے ساؤل پر چڑھتی
تھی، تو داؤد بربط لے کر ہاتھ سے بجاتا تھا، اور ساؤل کو
راحت ہوتی، اور وہ بحال ہو جاتا تھا اور وہ بری روح اس
پر سے اتر جاتی تھی۔"

ملا جیون

شاہنشاہ اورنگزیب کے استاد ملا جیون سماع کے مخالف ہیں۔ لیکن صوفیہ کرام کے محافل سماع کو اس سے بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں۔ وہ ایک خاص قسم کے غنا و مزامیر کو حرام بھی بتاتے ہیں اور وجوہ حرمت کا نقشہ اپنی تفسیر احمدی میں یوں کھینچتے ہوئے حلال و حرام کا فرق بتاتے ہیں:

و اما ما رسمه اهل زماننا من انهم يهيئون المجالس و
يرتكبون فيها بالشرب و الفواحش و يجمعون الفساق

و الاما رد و يطلبون المغنيين والطوائف و يسمعون منهم الغناء و يتلذ ذون بها كثيرا من الهواية النفسانية و الخرافات الشيطانية و يحمدون على المغنين باعطاء النعم العظيم و يشكرون عليهم بالاحسان العميم فلا شک ان ذلک ذنب کثير و استحلا له کفر قطعاً و يقينا لا نه عين لهو الحديث في شانهم بخلاف اولياء الحق فانه لم يبق حديثا لهو في شانهم بل يکون ذلک وسيلة لرفع درجاتهم ونيل کمالاتهم۔

ہمارے زمانے کے لوگوں نے جو انداز اختیار کر رکھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مجلسیں منعقد کرتے ہیں اس میں میخواری اور فواحش کا ارتکاب کرتے ہیں فاسقوں اور لونڈوں کو اکٹھا کرتے ہیں اور گویوں اور طوائف کو بلا کر ان سے گانے سنتے ہیں' ان سے لطف اٹھاتے ہیں' جو محض نفسانی خواہشوں اور شیطانی خرافات کی تکمیل ہوتی ہے۔ پھر گانے والوں کو خوب انعام دے کر ان کی داد دیتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں' ان باتوں کے متعلق کوئی شک نہیں کہ یہ سخت گناہ ہے اور اسے جائز سمجھنا یقیناً و قطعاً کفر ہے۔ کیونکہ لہو الحدیث ان ہی کی شان میں پورا اترتا ہے۔ بخلاف اولیائے حق کے کہ ان کا معاملہ لہو الحدیث سے الگ ہی نہیں بلکہ یہ سماع ان کی بلندی درجات اور حصول کمالات کا ذریعہ ہوتا ہے۔

ملا جیون مسئلہ سماع میں متقشف واقع ہوئے ہیں لیکن حلت و حرمت کی حدود کو بیان کرنے میں انھوں نے فراخ دلی سے کام لیا ہے۔ واقعہ یہ

ہے کہ سماع (خواہ سماع غنا ہو یا سماع مزامیر یا دونوں) اپنے اندر دونوں پہلو رکھتا ہے اور یہ فرق صرف نیت اور انداز استعمال سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیہ بھی ہمیشہ یہی کہتے آئے ہیں کہ لاھلہ حلال و لغیرھم حرام: اہل کے لئے جائز اور نا اہل کے لئے ناجائز ہے۔ یہی مسلک اعتدال ہے اور باقی افراط ہے یا تفریط۔

افراط و تفریط کی ایک مثال

بعض فقہاء نے اس مسئلے میں بڑی سختی اور تشدد سے کام لیا ہے (جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے) اور ضعیف یا موضوع روایات کی بنا پر سماع کو مطلقاً" حرام اور اس کے اعتقاد جواز کو کفر تک کہہ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسری طرف بھی اسی قسم کی شدت پیدا ہو گئی۔ اس کی ایک دلچسپ مثال ملاحظہ فرمایئے۔ ابو الفتوح (۲۲) الغزالی متوفی ۵۰۲ھ نے ایک رسالہ لکھا' جس کے مضمون کا اندازہ اس کے نام سے بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا نام ہے بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع۔ اس میں وہ ایک جگہ پہلے وہ حدیث ربیع نقل کرتے ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ:

> ربیع بنت معوذ بن عفرا کی رخصتی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے' اس کے بعد دو لڑکیاں دف پر گانے لگیں۔ گانے میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا کہ وفینا نبی یعلم ما فی غد (ہم میں ایک پیغمبر ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے) حضور نے فرمایا' اسے چھوڑ کر وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (رواہ البخاری عن الربیع و ابو داؤد عن بشر بن المفضل و ابن ماجہ عن ابی الحسن بالفاظ مختلفہ)

ابو الفتوح الغزالی اسے نقل کر کے لکھتے ہیں:

فمن قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع حراما و ما
منع عن السماع حراما و اعتقد ذلک فقد کفر بالاتفاق
جو شخص یہ کہتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم نے حرام سنا اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق
کفر کا مرتکب ہے۔

دراصل غلط چیز کا ردعمل بھی کچھ غلط ہی ہوتا ہے۔ جیسی افراط ایک
طرف ہوتی ہے ویسی ہی تفریط دوسری طرف بھی ہے۔ بقول حافظ۔

محتسب خم شکست و من سر او
سن بالسن و لجروح قصاص

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ محض ردعمل والی تکفیر نہیں۔ امام عبدالغنی نابلسی
نے بھی اپنی کتاب میں بالکل یہی بات فرمائی ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے
ہیں۔

روایات اہل اسلام

ہمارے تعجب میں اس وقت خاصا اضافہ ہو جاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں
کہ عہد نبوتؐ سے لے کر آج تک موسیقی میں اہل اسلام نے صرف عملی حصہ
ہی نہیں لیا ہے بلکہ علمی و فنی حیثیت سے بھی یہ امت کسی سے پیچھے نہیں رہی
ہے۔ اکابر امت نے جن میں علماء، فضلاء، فقہاء، محدثین، صوفیہ، حکماء سب ہی
طرح کے لوگ گذرے ہیں، فن موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر اعلیٰ کتابیں لکھی
ہیں۔ یوں تو تھوڑا بہت ہم آپ بھی گا لیتے ہیں، اور سمجھ لیتے ہیں کہ یہ
بھیرویں ہے یا بھیروں، یہ چیزیں ہر وہ شخص کسی حد تک سمجھ لیتا ہے جس کو
تھوڑا فطرۃ" ذہنی مس (Mental Touch) ہو۔ اس سے آگے پھر معمولی

باریکیاں ہوتی ہیں' مثلاً بھیروں اور جوگیہ میں کیا فرق ہے۔ یہ بھی عام طور سے سمجھ لیا جاتا ہے لیکن جو فنی باریکیاں ہوتی ہیں ان کو کتابی شکل دینا ماہرین ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اگر موسیقی ایسی ہی حرام چیز ہوتی تو ائمہ دین قسم کے لوگوں کا اس فن پر کتابیں لکھنا آسانی سے سمجھ میں نہیں آنا چاہئے۔ بہرکیف چند مولفین اور ان کی کتابوں کا ذکر سنئے۔ ساتھ ہی ہم ایسے لوگوں کا بھی ذکر کریں گے جنھوں نے اگرچہ کوئی کتاب تو نہ لکھی لیکن وہ اس فن کے ماہر تھے اور اس میں عملی حصہ لیتے تھے:

۱۔ ابو نصر فارابی اعلیٰ درجے کے گانے والے اور اس فن کے ماہر تھے۔ اس فن کو انھوں نے ایسا کمال پر پہنچا دیا کہ اس پر اضافہ مشکل ہے۔ قانون (سرود) کے موجد یہی بتائے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ بھی بعض عجیب باجے انھوں نے بنائے تھے۔ ان کی ایک ضخیم کتاب الموسیقی الکبیر ہے جو انھوں نے الوزیر ابو جعفر بن القاسم کے لئے لکھی تھی۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ اور بھی لکھا ہے جس کا نام کلام فی الموسیقی ہے۔ ایک اور کتاب لکھی ہے جس میں تالوں کی گنتی بتائی ہے' اس کا نام کلام فی احصاء الایقاع ہے۔

۲۔ یعقوب بن اسحٰق الکندی حکیم عرب نے موسیقی کے فن' ترتیب' تالیف اور تال پر ایک ایک رسالہ لکھا ہے اور احمد بن معتصم کی اس کتاب کا خلاصہ بھی کیا ہے جس میں نغموں کی تالیف اور چنگ سازی کی گئی ہے۔

۳۔ احمد بن طیب سرخسی نے کتاب الموسیقی الکبیر لکھی ہے اور کتاب اللھو و الملاھی و نزھۃ المفکر الساھی بھی لکھی ہے۔ گانے اور گویوں کے ذکر کے علاوہ اس میں اور بھی کار آمد چیزیں ہیں۔ یہ کتاب انھوں نے خلیفہ وقت کے لئے لکھی تھی۔

۴۔ ثابت بن قرۃ نے موسیقی پر ایک کتاب لکھی جو ان کے مختصر رسالوں کے علاوہ ہے۔

۵۔ ابن باجہ اندلس کے مشہور فلسفی و حکیم تھے اور اپنی جلالت شان کے باوجود فن موسیقی میں کمال رکھتے تھے اور چنگ و بربط بجانے میں بھی خاصی مہارت کے مالک تھے۔ ابن سعید کے بیان کے مطابق ان کی موسیقی کا مغرب میں وہی درجہ تھا جو مشرق میں فارابی کا تھا۔ اندلس کے وجد آفریں نغموں کے ایجاد کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔

۶۔ ابن یونس مشہور عالم ہیئت و نجوم بھی بربط بہت اچھی بجاتے تھے۔

۷۔ ابو المجد بن ابی الحکم مشہور حکیم و فلسفی نہ فقط موسیقی کے واقف کار تھے۔ بلکہ بربط نوازی، گانے، تال کے فن، بانسری اور ارگن باجا بجانے میں کمال رکھتے تھے۔

۸۔ ابوزکریا یحییٰ البیاسی افاضل علماء میں شمار کئے گئے ہیں۔ یہ بھی بربط اور ارگن میں مہارت اور انہماک رکھتے تھے، بلکہ موسیقی کا علم ان سے باقاعدہ پڑھا جاتا تھا۔

۹۔ ابو الصلت امیہ بن عبدالعزیز ریاضی و طب کے علاوہ علم موسیقی میں اور بربط نوازی میں صاحب کمال تھے۔

۱۰۔ حرث بن کلدہ ثقفی ایک عربی طبیب تھے اور بربط خوب بجاتے تھے۔ انھوں نے فارس اور یمن سے یہ فن حاصل کیا تھا۔

۱۱۔ قسطا بن لوقا بعلبکی عالم اور حکیم تھے۔ علم موسیقی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ فن اور اہل فن دونوں کی طرف ان کا رجحان بہت تھا۔

۱۲۔ صفی الدین عبدالمومن بن فاخر فقط عالم دین ہی نہ تھے، بلکہ موسیقی سے بھی خوب واقف تھے۔ ان کی ایک کتاب رسالۃ الشرفیہ اور

دوسری کتاب الادوار ہے۔

۱۳۔ نجم الدین بن المنفاخ نہ فقط ادب اور طب میں مہارت رکھتے تھے، بلکہ بربط نواز بھی تھے۔ ان کی والدہ بنت دحین اللوز بھی دمشق کی بڑی عالمہ تھیں۔ چنانچہ نجم الدین کو جہاں ابن المنفاخ کہتے ہیں وہاں انھیں ابن عالمہ بھی کہتے ہیں۔ نجم الدین کو ملک مسعود صاحب امد نے اپنا وزیر بھی بنالیا تھا اور ان سے بہت کچھ حاصل کیا۔

۱۴۔ فخر الدین بن ساعاتی فلکی فلسفی اور طبیب بھی تھے اور بربط نواز بھی۔ یہ ملک معظم کے وزیر بھی رہے ہیں۔

۱۵۔ رشید الدین بن خلیفہ عالم دین اور طبیب ہونے کے علاوہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم موسیقی تھے۔ بربط بھی اعلیٰ درجے کی بجاتے تھے۔ ان کی خوش آوازی اور ان کی تاثیر ابو نصر فارابی سے کم نہ تھی۔ ملک معظم نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں۔

۱۶۔ ابن خلکان کے بیان کے مطابق ابوبکر محمد بن زکریا رازی بھی عنفوان شباب میں بڑے بربط نواز تھے لیکن جب فلسفہ و طب کی طرف متوجہ ہوئے تو ادھر سے توجہ ہٹ گئی۔

۱۷۔ ابو الحسین علی بن الممارہ غرناطی اندلس کے آخری فلسفی علم الحان میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے اور صاحب نفح الطیب کے بیان کے مطابق یہ اپنے ہاتھوں سے لکڑی تراش خراش کر بربط تیار کرتے۔ شعر بھی خود کہتے، اور خود ہی گا بجا کر سننے والوں کو مست کرتے۔

۱۸۔ ابو الحسین بن الوزیر ابی جعفر الوقشی بڑے فاضل تھے۔ ذہانت، موسیقی اور ادب میں بے مثال تھے۔ ابو الحسین بن الحسن بن الحاسب کے شاگرد تھے۔ خوش آوازی میں ضرب المثل تھے۔

۱۹۔ محمد بن احمد بن ابی بکر قرموطی مرسی جہاں فلسفے، طب، منطق اور

ہندسے میں اندلس کے اندر سب سے زیادہ شہرت رکھتے تھے' وہاں موسیقی اور بربط نوازی میں بھی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ بہت سی زبانیں جانتے تھے اور مختلف ممالک کے طالب علموں کو ان ہی کی زبان میں تعلیم دیتے تھے۔ مسلمان' یہود اور نصاریٰ سب ان کی شاگردی کرتے تھے۔

۲۰۔ اسحٰق بن ابراہیم موصلی کو تو موسیقی میں استاذ الکل تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ زبان دانی' شعر گوئی اور تاریخ' فقہ اور حدیث اور کلام میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مامون الرشید کہتا تھا کہ اگر اسحٰق ایک موسیقار کی حیثیت سے مشہور نہ ہوتے تو میں ان ہی کو قاضی بناتا' اس لئے کہ یہی اس کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اور عفت' صدق دین اور امانت میں یہ تمام قاضیوں سے فائق ہیں۔ لیکن یہ اپنے تمام علوم کی بہ نسبت موسیقی و غنا میں زیادہ شہرت رکھتے ہیں' حالانکہ گانا ان کی نگاہوں میں تمام علوم سے کم درجہ رکھتا ہے۔

صاحب القدیم و الحدیث تمام مثالیں دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

و علی الجملة لم تکن صناعة الموسیقی بالمنزلة التی یصورها اهل جیلنا من الغضاضة و الضعة بل عرف بها اناس اهل الصیانة و العلم و ما کان کل من تعاطی صناعة الغناء عاریا من سائر العلوم (ص ۲۲۳)۔

مختصر یہ کہ فن موسیقی کوئی ایسا ذلیل اور گرا ہوا فن نہیں جیسا کہ ہم لوگ آج کل سمجھتے ہیں بلکہ اس کے واقف کار وہ لوگ ہیں جو علم اور دینداری کے مالک ہیں' اور اس فن کے حاصل کرنے والے سب کے سب ایسے نہیں جو دوسرے علوم سے بے خبر ہوں۔

پھر اسی صفحے پر یہ بتانے کے بعد کہ بہت سے اہل وقار اور اہل علم گانے بجانے کا فن جاننے کے باوجود اپنے آپ کو چھپاتے رہے' لکھتے ہیں:

ولو لا التقیۃ لا نتھی الینا اسماء کثیر ممن لم تبلغنا عنھم سوی اخبار العلوم المتعارفۃ علی ان الشرف کلہ اعتباری و لا مانع من الغناء و التلحین اذا لم یتبعہ التلطخ بحماۃ السفاھۃ و الرذیلۃ۔

اہل وقار اور اہل علم کے پیش نظر اگر یہ بچاؤ نہ ہوتا تو ہمیں ایسے بے شمار لوگوں کے نام معلوم ہوتے جن کے متعلق ہمیں فقط مشہور علوم ہی سے واقف ہونے کی اطلاع پہنچی ہے۔ علاوہ ازیں ہر فضل و کمال اعتباری ہوتا ہے۔ (یعنی فی نفسہ اچھا برا نہیں ہوتا بلکہ مصرف کا انداز اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے) اور اگر بے وقوفی اور بیہودگی سے گانے بجانے کو آلودہ نہ کیا جائے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں۔

ان کے علاوہ ہمیں کچھ اور نام بھی ملے ہیں جو اپنی جلالت شان کے باوجود فن موسیقی میں عملی کمال رکھتے تھے یا اس فن میں انھوں نے کتابیں لکھی ہیں:

۱۔ خلیل اور یونس الکاتب نے دوسری صدی میں موسیقی پر کتابیں لکھیں۔

۲۔ تیسری صدی میں عبیداللہ بن عبداللہ بن طاہر علی بن ہارون بن علی بن یحییٰ بن ابی منصور اور سلمان بن ایوب نے موسیقی پر کتابیں لکھیں۔

۳۔ ابوالوفا (۲۳) بوزجانی (۲۴) نے تال اور سم کے فن پر کتاب لکھی۔

۴۔ چوتھی صدی میں ابن خورداویہ نے بھی موسیقی پر کتاب لکھی۔

۵۔ پانچویں صدی ہجری میں ابن سینا اور ابن زیلہ نے کتابیں لکھیں۔ ابن

سینا کی کتاب الشفا میں پورا مقالہ موسیقی پر لکھا ہے۔

۶۔ پانچویں چھٹی صدی میں ابن ہیثم اور ابو الصلت (جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے) نے بھی فن موسیقی پر بڑی تصنیفات کیں۔ نیز قاضی شیراز شافعی عالم و فقیہ ابو العباس احمد بن عمر بن سریج بھی بڑے موسیقار تھے اور اس فن پر انھوں نے کتاب لکھی۔

۷۔ آٹھویں صدی میں قطب الدین شیرازی نے فارسی میں کتاب لکھی۔ اور محمد بن محمود آملی نے نفائس الفنون لکھی۔ پھر کنز التحف لکھی گئی۔

۸۔ پھر عبدالقادر بن غیبی نے "جامع الالحان" اور "کنز الالحان" لکھیں اور ان کے فرزند اور پوتے نے بھی کتابیں لکھیں۔

ان کے علاوہ امام فخر الدین رازی، ابن مقفع، نصیر الدین طوسی، ابن خلکان، ابو الحکم باہی، ابو المجد محمد، علم الدین قیصر وغیرہم کی خدمات بھی اس فن میں بہت ہیں۔

بعض کتب ادب و لغت میں فن موسیقی کی بہت سی تفصیلات کی گئی ہیں۔ مثلاً ابو الفرج (۲۵) کی کتاب الاغانی (۲۶) مسعودی کی مروج الذھب ہیں اور یحییٰ بن ابی منصور کے رسالہ فی الموسیقی میں تو ہر جگہ موسیقی کے فن کا اور اس کے فن کاروں کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اسی طرح عقد الفرید، اخوان الصفا، الدر الناظم (لمحمد بن ابراہیم) مقالد العلوم (لعلی بن محمد الجرجانی) انموزجۃ العلوم (لمحمد شاہ چلپی) وغیرہ بھی ہیں۔

پھر نویں صدی ہجری کے بعد تو بے شمار کتابیں موسیقی اور متعلقات موسیقی پر لکھی گئیں۔

خلفائے بنی امیہ و بنی عباس میں تو شاید ہی کوئی ایسا ہو گا جو شاعری اور گانے بجانے سے بے انتہا دلچسپی نہ رکھتا ہو اور بیسیوں مغنی و مغنیات اس کے

درباری نہ ہوں۔ لیکن ہم ان کا ذکر یہاں نہیں کریں گے۔ یہ سب ہمارے موضوع سے باہر ہیں' کیونکہ یہ عیش پسند طبقہ اس فن سے جس طریقے پر دلچسپی لیتا رہا ہے وہ وہی ہے جسے نہ فقط متشدد فقہا اور معتدل صوفیہ بلکہ فراخ دل محدثین بھی ناجائز ہی قرار دیتے آئے ہیں۔ ہم نے تو صرف چند ان فضلاء کے نام لکھے ہیں جن میں بیشتر کی دینداری' تفقہ حدیث وغیرہ مسلم ہیں اور ان کی دینی و علمی خدمات بھی مخفی نہیں۔

علامہ خیر الدین رملی کے ایک شاگرد امام محمد بن سلیمان ابن القاسی بن طاہر السوسی الردانی المغربی المالکی ہیں (المتوفی ۱۰۹۴ھ)۔ ان کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ جمع الفوائد کے مولف ہیں اور تمام علوم اسلامیہ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ یہ موسیقی کے بہترین ماہر تھے۔

یعرف انواع الحساب ----- و الموسیقی ----- معرفۃ لا یشارکہ فیھا غیرہ الا فی ظواھر ھذہ العلوم دون دقائقھا۔ (مقدمہ جمع الفوائد ص ۴ از مولوی عاشق علی عمادی حنفی قدوسی میرٹھی)

یہ علم حساب ----- اور موسیقی وغیرہ میں ایسی دستگاہ رکھتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کا مد مقابل نہ تھا' ان علوم کے موٹے اصولوں میں نہیں بلکہ ان کی باریکیوں میں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

آخری دور کے ایک بزرگ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیں جن کا علم و فضل اور تدین کسی سے مخفی نہیں۔ فن موسیقی میں یہ امام غزالی' ملا جامی' امام رازی سے غالبا" آگے ہی تھے۔ دہلی کے موسیقاروں میں جب فنی اختلاف ہوتا تھا تو وہ تحقیق و تصدیق کے لئے شاہ صاحب ہی کے پاس آتے تھے۔

دھرپت اور خیال جیسے خشک پہلوؤں کے متعلق بھی ان کا فیصلہ سارے فنکار تسلیم کرتے تھے اور راگ راگنی کے متعلق بھی۔

مولانا حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

کانت له مهارة فی الفروسیة والرمی والموسیقی (۲۷)

ان کو شہ سواری' تیر اندازی اور موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔ (ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۹)

اس کے بعد کے دور میں خود ہمیں ذاتی طور پر ایسے بہت سے علماء و صوفیہ کا علم ہے جو باوجود اپنے مسلم تقوے اور علم و فضل کے فن موسیقی سے واقف ہونے کے علاوہ خود بھی شوق فرماتے رہے ہیں۔ ہمارے دور کے مشہور عالم و مصنف و مفسر علامہ جوھری طنطاوی نے بھی موسیقی پر ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ایک جملہ یہ بھی ہے:

یہ پوری کائنات ایک موسیقی ہے (۲۸)

چند شواہد سنت

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ غنا و مزامیر کو قرآن حرام نہیں کہتا۔ وہ احسان (حسن کاری) کی طرف ضرور توجہ دلاتا ہے اور خوش آوازی اس سے باہر نہیں۔ اب آیئے حدیث کی طرف۔ ہم چند احادیث شروع میں نقل کر چکے ہیں' یہاں ہم دوسری روایتیں بھی نقل کریں گے اور اوپر کی لکھی ہوئی روائتوں کو بھی بعض ضروری فوائد کے لئے ذیل میں پھر درج کریں گے۔ سید مرتضیٰ زبیدی حنفی نے بھی شرح احیاء العلوم میں یہ روایات نقل کی ہیں:

(۱)

بخاری باب الضرب بالدف فی النکاح میں ربیع بنت معوذ کے الفاظ یوں ہیں:

جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف و یندبن من قتل من ابائی اذ قالت احد ھن و فینا نبی یعلم ما فی غد فقال صلی اللہ علیہ وسلم دعی ھذا و قولی التی کنت تقولین۔

جب میری رخصتی ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی طرح بیٹھے جس طرح تم میرے سامنے بیٹھے ہو۔ اتنے میں ہماری کچھ باندیوں نے دف پر گا گا کر میرے مقتول آباؤ اجداد کا ندبہ (تعریف اور ماتم) شروع کیا۔ ان میں سے ایک نے ایک مصرعہ یوں کہا (ترجمہ) ہم میں ایک نبی ایسا ہے جو کل کی بات بھی جانتا ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دے، وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔

یہی روایت اپنی سند سے ترمذی نے بھی ربیع سے بیان کی ہے اور ابو داؤد نے بشر بن مفضل سے اور ابن ماجہ نے ابو الحسن مدائنی سے روایت کی ہے۔ ابن ماجہ میں دو چار باتیں زائد ہیں، اس لئے ہم اسے بھی درج کرتے ہیں:

کنا بالمدینۃ یوم عاشوراء و الجواری یندبن بالدف و یغنین فدخلنا علی الربیع بنت معوذ فذکرنا ذلک لھا فقالت-----

ہم بروز عاشورا مدینے میں تھے اور کچھ لڑکیاں دف پر گا رہی تھیں۔ پھر ہم ربیع بنت معوذ کے پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے اپنا واقعہ جو اوپر موجود ہے بیان کیا۔

اس روایت میں دو لڑکیوں کے گانے کا ذکر ہے اور ندبے میں ان بزرگوں کا ذکر ہے جو معرکہ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ نیز حضورؐ کا یہ قول بھی ہے کہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ کل ہونے والی بات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس روایت سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) شادی بیاہ کے موقع پر گانا سنا گیا۔

(ب) دف کے ساتھ گانا سنا گیا۔

(ج) لڑکیوں سے گانا سنا گیا۔

(د) غلط مضمون کی اصلاح کی گئی۔

(ہ) صحیح مضمون کو دف پر گانے کی فرمائش کی گئی۔

(۲)

بخاری میں حضرت عائشہؓ سے یوں روایت ہے:

انها زفت امراءة الی رجل من الانصار فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم یا عائشه ماکان معکم من لهو فان الانصار یعجبهم اللهو۔

حضرت عائشہؓ نے ایک عورت کو ایک انصاری کے پاس رخصت کیا تو حضورؐ نے فرمایا اے عائشہؓ تم لوگوں کے ساتھ کوئی لہو نہیں تھا؟ انصار کو تو لہو پسند ہے۔

یہاں اس روایت میں بڑی بنیادی چیز لفظ لھو ہے۔ اگر لہو حرام ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نہ اس کی فرمائش کرتے اور نہ انصار کی دلچسپی لہو پر خاموش رہتے۔ یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انصار کی پسندیدگی لہو کی رعایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی۔ گویا اگر کسی کو اس لہو

سے طبعی دلچسپی نہ بھی ہو تو دوسرے دلچسپی رکھنے والوں کی خاطر سے گایا بجایا جا سکتا ہے۔

یہاں لہو سے جو کچھ بھی مراد ہو وہ یقیناً اس لہو سے جداگانہ چیز ہے جو گانے بجانے کو ناجائز بنا دیتا ہے۔ یعنی اگر لہو کھیل تماشے کے معنی میں بھی ہو تو وہ ناجائز نہیں۔ ہر ایک شخص کو گانے سے عرفان ہی حاصل نہیں ہوا کرتا' کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو راگ یا فن یا خوش آوازی یا پھڑکتے ہوئے مضمون سے صرف مسرت و لذت حاصل کرتے ہیں۔ لہو میں یہ بھی داخل ہے لیکن یہ وہ لہو نہیں جس سے سماع غنا حرام ہو جائے۔ علت حرمت صرف وہ لہو ہے جو فرائض و واجبات سے غافل کر دے یا مکروہات میں مبتلا کر دے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی کے الفاظ میں ہم اوپر اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ ہمارے خیال میں لہو و لعب کی وہ بہترین صحیح تفسیر ہے۔ اس قسم کے لہو کے علاوہ دوسرے گانے لہو ہونے کے باوجود مرتبہ جواز میں آتے ہیں۔ بلاشبہ شادی بیاہ یا دوسرے مواقع خوشی پر جو گانا بجانا ہوتا ہے اس کا ایک مقصد اعلان اور اظہار مسرت و شکر بھی ہے۔ لیکن اس کا ایک مقصد اور بھی ہو سکتا ہے جو اس روایت میں موجود ہے یعنی فان الانصار یعجبھم اللھو ۔ انصار کو یہ لہو مرغوب ہے اور اس معاملے میں ان کے مذاق یا روایات کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہئے تھی۔

(۳)

غالباً" یہی واقعہ ہے جو ابن ماجہ نے ابن عباسؓ سے یوں بیان کیا ہے:

انکحت عائشۃ قرابۃ لھا من الانصار فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اھدیتم الفتاۃ قالو انعم' قال لرسلتم معھا من یغنی قالت لا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الانصار فیھم غزل خلو بعثتم معھا من

يقول اتيناكم اتيناكم ---- الخ

حضرت عائشہؓ نے اپنی کسی رشتہ دار (۲۹) انصاریہ کا نکاح کرا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو پوچھا کیا تم نے اس لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا کیا کسی گانے والے کو اس کے ساتھ کر دیا تھا؟ کہا نہیں تو۔ فرمایا انصار تو عورتوں کے گانے سے (۳۰) دلچسپی رکھتے ہیں' کاش تم نے اس لڑکی کے ساتھ کوئی آدمی بھی بھیج دیا ہوتا جو یہ گاتا ہو جاتا اتیناکم (۳۱) اتیناکم ---- الخ

طبرانی کی روایت کے مطابق یہ رخصتی ایک ایسی یتیمہ کی ہوئی تھی جو حضرت عائشہؓ کے پاس رہتی تھی۔ نیز اس میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اس کی رخصتی کا حال معلوم کرنے کے بعد یوں فرمایا۔ "تم نے اس کے ساتھ کوئی عورت کیوں نہ کر دی جو ذرا گاتی اور دف بجاتی ہوئی جاتی؟" (۳۲)

صحیح ابن حبان میں حضورؐ کا اس موقع پر ارشاد ان الفاظ میں ہے:

یا عائشه الا تغنین؟ فان هذا الحی من الانصار یحبون الغناء۔

عائشہ! تم نے کوئی گانے کا اہتمام نہ کیا؟ انصار کا یہ قبیلہ تو گانے کو پسند کرتا ہے۔

ہمارے خیال میں اس رُوایت سے بڑی اور کوئی حجت نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر عہد نبوت میں انصار غنا کو پسند کرتے تھے اور حضورؐ نے ان کی اس پسند سے نہ فقط یہ کہ روکا نہیں' بلکہ ان کی اس پسندیدگی کو باقی رکھا۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟

بعض علماء (۳۳) نے لکھا ہے کہ لہو سارے ناجائز نہیں ہوتے' کچھ لہو جائز و مباح بھی ہوتے ہیں اور انھوں نے ایک دلچسپ استدلال اس آیت سے

کیا ہے:

قل ماعند اللہ خیر من اللھو (۳۴) و من التجارۃ
کہہ دو کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے
بہتر ہے۔

یہاں لہو اور تجارت کو ایک جگہ رکھا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کا حکم ایک ہی ہوا کرتا ہے اگر تجارت مباح ہے تو لہو بھی مباح ہے اور ما عند اللہ جس طرح لہو سے بہتر ہے اسی طرح تجارت سے بھی بہتر ہے۔ اگر ذکر الہٰی یا دوسرے فرائض سے تجارت غافل کر دے تو وہ بھی لعنت ہے اور اگر یہ غفلت نہ پیدا ہو تو جس طرح تجارت مباح ہے اسی طرح لہو بھی مباح ہے۔

(۴)

"لہو مباح" ہی سے متعلق ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

عن عامر بن سعد انہ اتی ابا مسعود و قرظۃ بن کعب و ثابت بن یزید و عندھم غناء فقلت لھم ما ھذا و انتم اصحاب محمد؟ قالوا انہ رخص لنا فی الغناء فی العرس (۳۵) (اخرجہ الحافظ ابو ذر الھروی بسندہ)

عامر بن سعد ایک بار ابو مسعود انصاری، قرظہ بن کعب اور ثابت بن یزید کے پاس گئے تو وہاں گانا ہو رہا تھا۔ انھوں نے کہا تم لوگ حضورؐ کے صحابی ہو کر یہ حرکتیں کر رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر حضورؐ نے ہم لوگوں کو غنا کی اجازت دی ہے۔

یہ حدیث بخاری اور مسلم میں بھی ہے۔ اور نسائی کے الفاظ یوں ہیں:

فان شئت فاقم و ان شئت فاذهب انه رخص لنا فی اللهو
عند العرس۔
(اے عامر بن سعد) تمہارا دل چاہے تو بیٹھو ورنہ جا سکتے
ہو۔ شادی بیاہ کے موقعے پر ہمیں لہو کی اجازت دی ہے۔

اور الرخصة فی السماع میں ابن قتیبہ نے جو روایت اپنی سند سے لکھی ہے' اس میں شادی بیاہ کی بھی کوئی قید نہیں۔ وہاں یہ الفاظ ہیں نعم رخص لنا فی ذلک یعنی ہاں اس کی اجازت ہے۔ ابن قتیبہ کی روایت میں یہ بھی درج ہے کہ اس وقت کچھ جواری (چھوکریاں) دف بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ و جوار یغنین بدفوف لہن۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غنا لہو ہے لیکن وہ لہو نہیں جو ناجائز ہو' خواہ محض ذوقی دلچسپی کے لئے ہو یا کھیل تماشے کے لئے' دل بہلانے کے لئے ہو یا وحشت تنہائی کو دور کرنے کے لئے' اظہار خوشی کے لئے ہو یا اعلان کے لئے۔ یہ سب کے سب وہ لہو ہیں جو مباح ہیں۔ لیکن جب اس سے وہ غفلت پیدا ہو' جو فرائض کی ادائیگی سے بے نیاز کر دے' یا مکروہات میں مبتلا کر دے تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا قدم اس لہو کے دائرے میں پڑ گیا جس کے ناجائز ہونے میں کسی شبہے کی ضرورت نہیں۔

(۵)

اوپر حضرت عائشہؓ والی جو روایتیں ہیں' ان میں "لہو" اور "غزل" کے دو لفظ ہیں۔ ان دونوں لفظوں کے مفہوم کی تعیین ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جو حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

قال (جابر بن عبداللہ) نکح بعض الانصار بعض اھل

عائشۃؓ و اھدتھا الی فتی فقال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اھدیت عروسک قالت نعم و قال فارسلت معھا بغناء فان الانصار یحبونہ قالت لا قال فادرکیھا یا زینب امراۃ کانت تغنی بالمدینۃ۔

کسی انصاری نے حضرت عائشہؓ کے خاندان میں کہیں شادی کی اور عائشہؓ نے اسے اس کے شوہر کے پاس رخصت کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' تم نے دلہن کو رخصت کر دیا؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس کے ساتھ کوئی گانے والا نہ بھیجا؟ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔ عرض کیا نہیں۔ پھر حضورؐ نے زینب (ایک گانے والی) سے فرمایا جلدی روانہ ہو کر دلہن کے ساتھ ہو جا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کی خاطرداری اتنی زیادہ منظور تھی کہ صرف دریافت کرنے ہی پر بس نہ کی بلکہ مغنیہ کو پیچھے دوڑا دیا کہ سسرال پہنچنے سے پہلے ہی دلہن سے مل جائے اور گاتی بجاتی دلہن کے ساتھ جائے۔ اور یہ بھی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مغنیہ کے متعلق حضورؐ کو علم تھا لیکن حضورؐ نے اسے منع نہ کیا' بلکہ اس موقع پر اس سے اپنے فن کے اظہار کی فرمائش بھی کی۔ نیز یہ جملہ کہ "انصار گانے کو پسند کرتے ہیں" بڑا غور طلب ہے۔ ایک پورے گروہ کی پسند پر حضورؐ کا نہ فقط خاموش رہنا' بلکہ امر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حلت غنا پر اجماع صحابہ مع رسولؐ رہا ہے بلکہ امر فرمانا اگر وجوب نہیں تو استحباب کو ضرور ثابت کرتا ہے۔

(۶)

ابن ماجہ میں انس بن مالکؓ سے روایت ہے:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مر ببعض لزقۃ المدینۃ فاذا هو بجوار یضربن بدفهن و یغنین و یقلن نحن جوار من بنی النجار یا حبّذا محمد من جار۔ فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اللّٰہ یعلم انی لاحبکن۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کی ایک گلی سے گذرے تو دیکھا کہ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ گا رہی ہیں۔ (ترجمہ) ہم سب بنی نجار کی لڑکیاں ہیں' خوشا نصیب کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پڑوسی ہوئے ہیں ----- یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں تم لڑکیوں سے محبت رکھتا ہوں۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے ان نجاری لڑکیوں کے گانے بجانے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور یہ محض جواز نہیں بلکہ استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

(۷)

نسائی سائب بن یزید سے اور طبرانی جعید سے روایت کرتے ہیں:

ان امراۃ جاءت الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال یا عائشۃ اتعرفین هذه فقالت لا یا نبی اللّٰہ حدثنا قال هذه قینۃ بنی فلاں تحبین ان تغنیک فغنتها فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قد نفخ الشیطان فی منخریها۔

ایک عورت حضورؐ کے پاس آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عائشہؓ تم اسے پہچانتی ہو؟ کہا نہیں، حضورؐ بتائیں۔ فرمایا یہ فلاں قبیلے کی میراثن (یا مغنیہ یا باندی) ہے۔ کیا تم اس کا گانا پسند کرو گی؟ اس کے بعد اس نے حضرت عائشہؓ کو گانا سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا یہ تو بلا کی گانے والی ہے۔

یہاں بعض لوگ نفخ الشیطان فی منخریھا کا ترجمہ لفظی یوں کریں گے کہ اس کے نتھنوں میں شیطان نے پھونک ماری ہے۔ اس غلط لفظی ترجمے سے یہ مفہوم پیدا ہو گا کہ گانا ایک شیطانی فعل ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ عربی کا ایک محاورہ ہے۔ اقرب الموارد اور منجد میں ہے۔

نفخ الشیطان فی انفہ ای تطاول الی ما لیس لہ۔

نفخ الشیطان فی انفہ کے معنی ہیں کہ وہ اس حد تک آگے بڑھ گیا ہے جو اس کے بس کی بات نہ تھی۔

یہ اسی قسم کا محاورہ ہے جیسے ہماری زبان میں کہتے ہیں کہ اس نے غضب کر دیا، وہ بلا کا فنکار ہے وغیرہ۔ پھرتیلے آدمی کو ہم کہتے ہیں کہ اس میں بجلی بھری ہے، وہ عفریت ہے، وہ جن سے کم نہیں۔ یا حسن و جمال کو دیکھ کر ہم تقویٰ شکن، ایمان سوز اور زہد ربا وغیرہ کہہ دیتے ہیں۔ نفخ الشیطان فی منخریھا بھی کچھ اسی قسم کا محاورہ ہے۔ محض لفظ شیطان سے اس کے مذموم ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

(۸)

اسی طرح ترمذی میں بریدہ بن الحصیب سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما رجع من مغازیہ

جائة جارية سوداء فقالت يا رسول اللّٰہ انی کنت نذرت
ان ردک اللّٰہ سالما ان اضرب بین یدیک بالدف و اتغنی
فقال لها ان کنت نذرت فاضربی و الافلا۔ فجعلت
تضرب فدخل ابوبکر و ھی تضرب ثم دخل عثمان و
ھی تضرب ثم دخل عمر فالقت الدف تحت استہا و
قعدت علیہ فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان الشیطان
یخاف منک یا عمر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے سے واپس
تشریف لائے تو ایک کالی سی لڑکی حضور کے پاس آ کر کہنے
لگی' یا رسول اللہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالی
حضورؐ کو سلامتی کے ساتھ واپس لے آئے تو میں حضورؐ کے
سامنے دف بجا بجا کر گاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا منت مانی ہے تو گا بجا لے ورنہ رہنے دے۔ اس
کے بعد وہ گانے بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے
اور وہ بجاتی رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی'
پھر حضرت عمرؓ آئے تو وہ اپنی دف کو الٹ کر اس پر بیٹھ
گئی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اے عمرؓ تم سے تو شیطان بھی
ڈرتا ہے۔

اس مضمون کی روایت بیہقی میں بھی ہے اور عمرو بن شعیب کے دادا
سے ابو داؤد والی روایت میں بین یدیک کی بجائے علی راسک اور آخر میں
صرف اتنا ہے کہ اوفی بنذرک (اپنی منت پوری کر لے۔)

اس روایت میں اس جملے سے کہ "اے عمرؓ تم سے تو شیطان بھی خوف
کھاتا ہے" لوگوں کو عجیب عجیب غلط فہمیاں ہوئی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس سے

یہ نتیجہ نکالا ہے کہ دف پر اس عورت کا گانا بجانا شیطانی فعل تھا جو حضرت عمرؓ کے تشریف لانے کے بعد ختم ہوا۔ لیکن وہ یہ کہتے وقت اتنا نہیں سوچتے کہ یہ فعل شیطانی تھا تو حضرت ابوبکرؓ و حضرت عثمانؓ (اور رزین کی روایت میں حضرت علیؓ کا نام بھی ہے) اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیطانی فعل کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہوئے کس طرح گوارا کر لیا؟ حضور کے اس جملے کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ اگر یہ عورت تمہارے ڈر سے اپنی دف کو الٹ کر بیٹھ گئی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔ ہمارے پاس ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنے جائز کام کو حضرت عمرؓ کی وجہ سے روک دیا ہے۔ مثلاً ایک موقعے پر بہت سی عورتیں با آواز بلند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصروف گفتگو تھیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی۔ ساری عورتیں ادھر ادھر چھپ گئیں۔ حضورؐ کو ہنسی آ گئی۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے اپنی جانوں کی دشمنو! تم رسول اللہ سے نہیں ڈرتیں اور مجھ سے ڈرتی ہو؟ عورتوں نے جواب دیا' ہاں! کیونکہ تم زیادہ درشت مزاج ہو ------ (رواہ البخاری و مسلم عن سعید)

اس قسم کے بہت سے واقعات موجود ہیں اور اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ بعض بڑے بوڑھوں کی ہیبت محلے والوں پر زیادہ ہوتی ہے۔ کھیلتے ہوئے بچے انھیں آتا دیکھ لیں تو کھیل کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں' حالانکہ ان کا یہ کھیل ناجائز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا مزاج بھی کچھ اسی قسم کا تھا کہ ہر بات پر تلوار' ہر بات سے پہلے درہ' ہر بات پر اعتراض' ہر شخص کو ڈانٹ پھٹکار' بلاشبہ یہ سب کچھ راہ حق میں ہوتا تھا لیکن اس مظہر اشداء علی الکفار کی ہیبت بہرحال مسلمانوں پر بھی تھی۔ اگر ایک عورت اپنی دف کو اپنا مونڈھا بنا کر بیٹھ گئی تو تعجب کیوں؟ اور یہ کیوں فرض کیا جائے کہ رسولؐ' ابوبکرؓ' عثمانؓ اور علیؓ کی موجودگی تک تو یہ فعل بالکل مباح تھا اور عمرؓ کے آتے ہی شیطانی فعل بن

گیا۔

ذرا سوچئے اگر یہ فعل ناجائز ہوتا تو کیا اس کو بطور منت پورا کرنے کی اجازت حضورؐ دے سکتے تھے؟ اس عورت کی فرمائش کا جواب یہ تھا کہ چونکہ تیری منت ہی غلط ہے اس لئے ہم اسے پورا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے ----- ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے غلط منتیں مانی ہیں حضورؐ نے ان کی تکمیل کی اجازت ہی نہیں بلکہ ان کی اصلاح فرما دی۔ مثلاً ایک شخص (ابو اسرائیل) نے منت مانی کہ روزہ رکھ کر سارا دن دھوپ میں کھڑا رہے گا اور نہ افطار کرے گا' نہ کسی سے بات کرے گا' تو حضورؐ نے اس منت کو پورا کرنے سے روک دیا اور فرمایا سائے میں آ جائے اور بیٹھ بھی جائے' افطار بھی کرے اور بات بھی کرے۔ (رواہ البخاری و ابو داؤد و عن ابن عباس)

غور فرمایئے اگر اس عورت کی گانے بجانے کی منت ماننی ہی غلط تھی اور یہ حرکت ہی شیطانی تھی تو حضورؐ کو منع کرنے سے کون سی چیز روک سکتی تھی؟ ایسے ایفائے نذر کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے لا نذر فی معصیة الرب و لا فی قطعیة الرحم و لا فیما لا تملک (رواہ ابو داؤد عن ابن شعیب) یعنی ایسی کوئی منت ہی صحیح نہیں جس میں خدا کی نافرمانی ہو' یا قطع رحمی ہو یا جو اپنے قبضے سے باہر ہو۔

یہ بھی واضح رہے کہ ایفائے نذر کے اس موقع پر کوئی شادی بیاہ کا قصہ نہ تھا جس میں اعلان ضروری ہو' یہ صرف ایک موقع مسرت تھا' یقیناً حضورؐ کی صحیح سلامت واپسی اس عورت کی نگاہ میں ایک ایسی مسرت تھی جس پر کروڑوں عید کی خوشیاں قربان ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر گانے بجانے سے اظہار خوشی اور اعلان نکاح دونوں ہی مقصد حاصل ہو جاتے ہیں۔

(۹)

یہاں تو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ یہ ایفائے نذر کوئی شیطانی فعل نہ تھا' اتنا ہی کافی ہے کہ خود حضورؐ نے اور حضورؐ کے ساتھ دوسرے متعدد جلیل القدر صحابہؓ نے یہ گانا بجانا سنا۔ لیکن ان سب دلیلوں سے زیادہ دلچسپ ایک اور روایت ہے جس میں حضرت عمرؓ کا اس گانے بجانے کو باصرار سننا ثابت ہے۔ علامہ نور اللہ حنفی "نغمہ عشاق" میں لکھتے ہیں:

الثانی عشر روی الحافظ محمد بن طاهر فی کتابه صفوة التصوف بسنده الی عبداللّٰه بن ابی ملیکة ان عائشة حدثته انه کانت عند النبی صلی اللّٰه علیه وسلم امراة تغنی فاستاذن عمر بن الخطاب فالقت الدف و قامت فدخل عمر و النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یضحک فقال بابی انت و امی ما اضحکک یا رسول اللّٰه فذکر له الخبر فقال لا ابرح حتی اسمع مما کان یسمع رسول اللّٰه فسمع۔

بارھویں حدیث یہ ہے کہ محمد بن طاہر محدث اپنی کتاب صفوۃ التصوف میں اپنی سند (مذکورہ بالا) سے عبداللہ بن ملیکہ سے عائشہؓ کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس ایک عورت گا رہی تھی' اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ اس گانے والی نے اپنی دف تو نیچے ڈالی اور کھڑی ہو گئی۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو حضرت ہنس رہے تھے۔ عمرؓ نے پوچھا میرے ماں باپ قربان ہوں حضورؐ ہنس کیوں رہے ہیں؟ حضورؐ نے یہ واقعہ (کہ

تمہارے آتے ہی یہ مغنیہ اپنی دف پھینک کر کھڑی ہو گئی)
بیان فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا میں تو یہاں سے ٹلنے کا
نہیں جب تک وہی نہ سن لوں، جو حضورؐ نے سنا ہے۔ آخر
عمرؓ نے بھی سنا۔

اس روایت کو دوسری سند سے خطیب بغدادی نے بھی نقل کیا ہے۔
اور ایک تیسری سند سے محمد بن اسحاق فاکہی محدث نے بھی اپنی تاریخ مکہ میں
لکھا ہے۔ علامہ نور اللہ نے ان سب سندوں پر بحث کرکے ابن اسحاق کی سند کو
اصح الاسناد قرار دیا ہے۔ ہم نے یہ تمام تفاصیل نظرانداز کر دی ہیں۔ اس کے
بعد علامہ نور اللہ حنفی لکھتے ہیں:

پس در صحت حدیث و وثوق اسناد اشتباہے باقی نماند۔ مخفی مباد کہ ایں
حدیث برہان قاطع ست مراوہام منکرین را و معطل ست حیلہائے متعصبین راکہ
مخصوص میگر دانند اباحت سماع غنا باپام اعیاد و تقریبات سرور مباحہ و اند یشہ و
گریز مغنیہ را از حضرت عمر دلیل حرمت می پندارند و وجہ بطلان جہل مذکور ایں
کہ ازیں حدیث و از حدیث سابق ثابت گردید کہ حضرت عمر بایں اصرار بحضور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سماع غنا باوف کہ بقول صدیق اکبرؓ در حدیث ثامن معبر
بہ مزامیر الشیطان بود، کروند و دراں وقت ہیچک تقریب از اعیاد و ولیمہ و ختان
وغیرہ مشروط فقہا نبود، پس اگر دراں مظنہ حرمت بودے چرا حضرت عمرؓ بر
شنیدن آں اصرار کردے و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شنیدے و جناب عمرؓ را
بر سماع فعل حرام اجازت کے دادے۔ پس ہر کہ سماع حضرت عمرؓ انکار مے کند
گویا تکذیب ایں حدیث صحاح می نماید۔

(ترجمہ) لہٰذا اس حدیث کے صحیح ہونے اور اس کی سند کے قابل وثوق ہونے
میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ واضح رہے یہ حدیث منکروں کے اوہام کے لئے برہان
قاطع ہے اور ان اہل تعصب کے تمام حیلوں بہانوں کو ختم کر دیتی ہے جو گانا سننے

کے جواز کو عید یا دوسرے جائز مواقع خوشی کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور اس گانے والی کے ڈر اور گریز کو اس کے حرام ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔ اس جہالت کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث سے اور اس سے پہلے والی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی موجودگی میں اصرار کرکے گانا اور دف سنا (جو آٹھویں حدیث میں بقول صدیق اکبرؓ مزامیر شیطان تھا) اس وقت نہ کوئی عید تھی نہ دعوت ولیمہ تھی، اور نہ تقریب ختنہ وغیرہ، جس کی فقہا شرط لگاتے ہیں۔ اگر یہاں حرمت کا کوئی شائبہ ہوتا تو حضرت عمرؓ اس کے سننے پر اصرار کیوں کرتے؟ اور حضورؐ خود کیوں سنتے؟ اور حضرت عمرؓ کو ایک حرام چیز سننے کی اجازت ہی کب دیتے؟ پس جو شخص حضرت عمرؓ کے سماع کو جھٹلاتا ہے وہ صحاح کی حدیث کو جھٹلاتا ہے۔

اس روایت کے علاوہ ہم گذشتہ صفحات میں استیعاب لابن عبدالبر کے حوالے سے خود حضرت عمرؓ کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ آپ خوات بن جبیر سے ساری رات گانا سنتے رہے۔ اس روایت کو مولانا شبلی نعمانی نے بھی الفاروق میں نقل کیا ہے۔

ان تمام روائتوں کو ملا کر دیکھئے تو صاف معلوم ہو گا ان الشیطن یخاف منک یا عمر (اے عمرؓ تم سے شیطان ڈرتا ہے) کا کوئی تعلق حرمت غنا و مزامیر سے نہیں۔ اور کیا عجب کہ یہ راوی کا اپنا اضافہ ہو، کیونکہ دوسری روایتوں میں جو (ابھی نقل کی گئیں) یہ جملہ سرے سے مذکور ہی نہیں۔

(۱۰)

خاص طور پر اعیاد و خوشی کے مواقع پر گانے بجانے بلکہ کھیل تماشے کے جواز کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے جو بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت عائشہؓ سے یوں نقل کی ہے:

دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش و حول وجھہ و دخل ابوبکر فانتھرنی و قال مزمارۃ الشیطن عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال و عھما' فلما غفل غمزتھما فخرجتا و کان یوم عید یلعب السودان۔ بالدرق و الحراب فی المسجد فاما سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اما قال اتشتھین تنظرین؟ فقلت نعم۔ فاقامنی و راہ' خدی علی خدہ و یقول دونکم یا بنی ارفدۃ حتی اذا مللت قالت حسبک قلت نعم قال فاذھبی۔

حضور میرے پاس تشریف لائے تو میرے پاس دو لڑکیاں بعاث کے گیت گا رہی تھیں۔ حضور میرے بستر پر لیٹ گئے اور دوسری طرف کروٹ پھیر لی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے تو مجھے ڈانٹ کر کہا حضورؐ کے پاس یہ شیطانی گانے؟ حضورؐ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا چھوڑ دو ان کو۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا غصہ ذرا تھما تو میں نے ان دونوں لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ باہر چلی گئیں۔ یہ عید کا دن تھا اور حبشی ڈھالوں اور نیزوں کے کھیل مسجد میں دکھا رہے تھے۔ حضورؐ نے از خود یا میرے کہنے سے دریافت فرمایا کیا تم بھی دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ تو حضورؐ نے مجھے اپنے پیچھے اس طرح کھڑا کر لیا کہ میرا رخسارہ حضورؐ کے رخسارے سے ملا ہوا تھا اور حضور فرماتے جاتے تھے کہ ہاں بنی ارفدہ (حبشیو) دکھائے جاؤ

اپنے کرتب۔ جب تھک گئی تو پوچھا بس؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا واپس جاؤ۔

(۱۱)

بخاری و مسلم میں یہ روایت یوں ہے:

عن عائشة قالت ان ابابكر دخل عليها و عندها جاريتان في ايام منى تدفقان و تضربان و في رواية تغنيان بما تقاولت الا انصار يوم بعاث و النبي صلى الله عليه وسلم متغش بثوبه فانتهرهما ابوبكر فكشف النبي صلى الله عليه وسلم عن وجهه فقال دعهما يا ابابكر فانها ايام عيد و في رواية يا ابابكر ان لكل قوم عيدا و هذا عيدنا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایام منیٰ میں ان کے ہاں دو لڑکیاں آئیں اور تھرک کر (دف) بجانے لگیں۔ دوسری روایت میں ہے' گانے لگیں۔ مضمون جنگ بعاث کے واقعات تھے جن کا انصار چرچا کرتے تھے۔ آنحضورؐ اس وقت ایک کپڑا لپیٹے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکر نے ان دونوں (لڑکیوں) کو ڈانٹا تو حضورؐ نے اپنے چہرے پر سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: اے ابوبکر! ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔ دوسری روایت میں ہے: ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

اس میں لفظ تدفقان خاص طور پر غور طلب ہے۔ یہاں اس کا وہی مفہوم ہے جو دوسری روایت میں تزفن کا ہے یعنی ترقصان۔

(۱۲)

یہاں ایک روایت اور سن لیجئے جو ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی زبانی یوں بیان کی ہے:

قالت: کان رسول اللّٰہ جالسا فسمعنا لغطا و صوت صبیان فقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا حبشیۃ تزفن و الصبیان حولھا فقال یا عائشۃ تعالی فانظری فجئت فوضعت لحیی علی منکب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فجعلت انظر الیھا فقال اما شبعت اما شبعت؟ فجعلت اقول لا لا نظر منزلتی عندہ اذ طلع عمر فارفض الناس عنھا فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لا نظر شیاطین الانس و الجن قد فروا من عمر۔ قالت فرجعت------

حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور اور لڑکوں کی آواز سنی۔ حضور اٹھ کھڑے ہوئے۔ دیکھا کہ ایک حبشی عورت تھرک تھرک کر گا رہی ہے اور بچے اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: عائشہ! آ کر دیکھو۔ میں آئی اور اپنی ٹھوڑی حضورؐ کے کاندھے پر رکھ کر دیکھنے لگی۔ حضورؐ نے کئی بار پوچھا: کیا ابھی سیری نہیں ہوئی؟ میں اس خیال سے کہ دیکھوں حضورؐ کو میری کتنی خاطر منظور ہے' ہر بار کہتی رہی کہ ابھی نہیں۔ اتنے میں حضرت عمر دکھائی دیئے اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ عمرؓ سے انس و جن کے شیاطین بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد میں (عائشہؓ) واپس آگئی۔

التاج الجامع الاصول کے حاشئے پر تزفن کی شرح یوں ہے کہ ترقص و تضرب بالدف پھر اس حدیث اور اس سے پہلی حدیث کے متعلق شارح لکھتے ہیں: (۳۶)

و فی ھذین عظیم لطف النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالعباد و جواز سماع اللھو بقدر الحاجة۔

ان دونوں روایتوں سے حضور کا وہ کرم بھی ثابت ہوتا ہے جو لوگوں پر تھا اور لہو کا بقدر ضرورت سننا بھی۔

(۱۳)

مسند کی دوسری روایت کے الفاظ یوں ہیں:

ان الحبشة کانوا یدفون بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و یرقصون و یقولون محمد عبد صالح۔ فقال صلی اللہ علیہ وسلم ما یقولون؟ قال: محمد عبد صالح۔

حبشی لوگ حضور کے سامنے دف بجا بجا کر رقص کر رہے تھے اور محمد عبد صالح گاتے جاتے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ کہا: محمد عبد صالح کہہ رہے ہیں۔

اس میں یرقصون کا لفظ یزفنون کی سب سے بہتر تفسیر ہے۔

(۱۴)

حبشی گاتے بھی تھے اور ناچتے تھرکتے بھی تھے۔ چنانچہ مسند احمد (ج ۳

ص ۱۵۲) کی ایک روایت حضرت انسؓ سے یوں مروی ہے:

كانت الحبشة يزفنون بين يدى النبى صلى الله عليه وسلم ويرقصون محمد عبد صالح۔

حبشی حضورؐ کے سامنے پاؤں مار مار کر (تحرک تحرک کر) ناچتے اور الاپتے تھے کہ محمد (رسول اللہ) اللہ کے صالح بندے ہیں۔

یہ غالباً اس موقعے کا ذکر ہے جب حضور ہجرت فرما کر وارد مدینہ ہوئے تھے۔ حدیث نمبر ۵ نحن جوار من بنی النجار الخ بھی اسی موقع کی ہے اور اسی موقعے کی ایک اور بھی حدیث آگے ملاحظہ کیجئے گا۔

(۱۵)

بیہقی کی روایت ابن عائشہ سے ہے:

لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة جعل النساء و الصبيان يقلن۔

طلع البدر علينا
من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا
ما دعا لله داع
ايها المبعوث فينا
جئت بالامر المطاع

جب حضورؐ مدینے تشریف لائے تو عورتیں اور بچے یہ استقبالی نغمہ الاپ رہے تھے۔

(ترجمہ) آج ہمارے گھر چاند اگا ہے وداع کے ٹیلوں سے'

ہم پر شکر الٰہی واجب ہے جب تک دعا کرنے والے دعا
کرتے رہیں۔ اے حضورؐ آپ تو ہم میں ایسا نظام لے کر
آئے ہیں جو واجب الاتباع ہے۔

دوسری روایتوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ عورتیں دف پر گا رہی تھیں۔
حضورؐ نے اور سارے مجمع صحابہؓ نے ان عورتوں کا گانا دف پر سنا۔ آخری شعر
بیہقی کی روایت میں نہیں۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے۔ (منقول از البدایۃ
والنہایہ ج ۳ ص ۱۹۷)

یہ اشعار گانے والی محض کمسن لڑکیاں نہ تھیں بلکہ علی بن برہان الدین
اپنی سیرت حلبیہ میں یوں لکھتے ہیں:

عن انس ----- لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللّٰہ
صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ اضاء منہا کل شی
وصعدت ذوات الخدور الی الاجاجیر ای الاسطحۃ عند
قدومہ یعلن بقولہن طلع البدر علینا ------

جس دن حضورؐ مدینے میں داخل ہوئے' ہر شے روشن ہو
گئی اور پردہ نشین عورتیں حضورؐ کی تشریف آوری کے
وقت بالکنیوں پر چڑھ گئیں اور طلع البدر علینا کہہ کر
اعلان کرنے لگیں۔

پھر لکھتے ہیں:

عن عائشۃ لما قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
المدینۃ جعل النساء و الصبیان و الولائد یقلن طلع
البدر ------ (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۵۸)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ جب حضور مدینے میں
تشریف لائے تو عورتوں' بچوں اور نوجوان عورتوں نے

طلع البدر علینا الخ الاپنا شروع کر دیا۔

(۱۶)

عن ابن عباس مرفوعا ان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلسوا سماطین و جاء ت جاریة یقال لها سیرین معها مزہر تختلف بہ بین القوم و ھی تغنیھم و تقول ھل علی و یحکم ان لھوت من حرج؟ فتبسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال لا حرج انشاء اللہ۔

(سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۵۸)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ دو صفوں میں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ایک کنیز جس کا نام سیرین تھا باجہ (بانسری یا دف) لئے ہوئے آئی اور لوگوں کے درمیان گردش کرتی ہوئی یہ گانے لگی:

(ترجمہ) اللہ تم پر رحم کرے۔ اگر میں لہو اختیار کروں تو کیا مجھ پر کوئی تنگی (مضائقہ) ہے؟ آنحضورؐ مسکرا دیئے اور فرمایا: نہیں اللہ نے چاہا تو کوئی تنگی نہیں۔

(۱۷)

و عن ابی بشر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر مرا بالحبشة و ھم یلعبون و یرقصون و یقولون:

یایھا الضیف المعرج طارقا

لو لا مررت بال عبد الدلر

لو لا مررت بهم ترید قراهم
منعوک من جهد و من اقتار

ای ولم ینکر علیهم وبه استدل ائمتنا علی جواز الرقص حیث خلا عن التکسر فقد صحت الاخبار و تواترت الاثار بانشاء الاشعار بین یدیه بالا صوات الطیبة مع الدف و بغیره و بذلک استدل ائمتنا علی جواز الضرب بالدف و لو فیه جلاجل لما ھو سبب لاظهار السرور ----- (سیرت حلیہ لعلی بن برہان الدین الحلبی الشافعی صفحہ ۶۷-۶۶)

ابوبشر سے روایت ہے کہ آنحضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ کچھ حبشیوں کے پاس سے گزرے جو بازی گری اوؓر رقص کے ساتھ یوں الاپ رہے تھے:
(ترجمہ) اے شب کے آنے والے مہمان! تم آل عبدالدار کے پاس سے کیوں نہ گزرے ------

مطلب یہ ہے کہ حضورؐ نے ان حبشیوں کو ناپسند نہیں فرمایا۔ اور اسی سے ہمارے ائمہ رقص کے جواز کی دلیل لاتے ہیں، بشرطیکہ وہ تکسر(۳۷) سے خالی ہو۔ کیونکہ صحیح اور متواتر روایات سے حضورؐ کے سامنے اشعار کا خوش آوازی سے دف اور بغیر دف پڑھا جانا ثابت ہے۔ اسی سے ہمارے ائمہ دف بجانے کے جواز کی دلیل لاتے ہیں۔ اگرچہ دف میں جلاجل (گھنگھٹاں) بھی لگی ہوں، کیونکہ یہ اظہار خوشی کا ایک ذریعہ ہے۔

(۱۸)

ترمذی احمد بن منیع سے اور ابن ماجہ محمد بن طالب حاطب الجمعی سے حضورؐ کا ایک ارشاد یوں نقل کرتے ہیں کہ:

فصل ما بین الحلال و الحرام الدف و الصوت۔
جائز و ناجائز نکاحوں میں صرف دف اور گانے کا فرق ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حرام میں اعلان نہیں ہوتا' خفیہ آشنائی ہوتی ہے جسے قرآن اتخاذ اخدان کہتا ہے اور حلال میں گا بجا کر نہ فقط اظہار خوشی ہوتا ہے بلکہ ایک قانونی جواز کا اعلان ہوتا ہے۔

یہ روایت دوسری اسناد میں عائشہ' جابر اور ربیع بنت معوذ سے بھی مروی ہے۔ احمد بن حنبل نے اپنی مسند اور نسائی نے اپنی سنن میں بھی اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اپنی مستدرک میں اس کی تصحیح کی ہے۔

اس سے دف اور گانے کا جواز ہی ثابت نہیں ہوتا بلکہ گانا بجانا بعض اوقات شادی بیاہ کے موقع پر اتنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اگر اس تقریب کو اس سے الگ رکھا جائے تو حلال و حرام کے ملتبس ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اعلان نکاح و رخصتی کا یہ طرز و انداز عہد نبوت کی ایک ثقافتی خصوصیت تھی یعنی یہ کوئی ضرور نہیں کہ آج یا کسی دوسرے دور میں بھی دف و غنا ہی کے ذریعے اعلان کیا جائے۔ اعلان کا کوئی دوسرا طریقہ اگر آج وہی مقصد پورا کرے جو اس دور میں دف و غنا کے ذریعے پورا ہوتا تھا تو یہ بھی اسی غنا و دف کا قائم مقام ہو گا۔ یہ نکتہ یہاں خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ امام مالک کے نزدیک اعلان بالدف صحت نکاح کی ایک شرط ہے' یعنی یہ محض مباح ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

لھو الحدیث

جواز سماع کے لئے اتنی حدیثیں بہت کافی ہیں۔ پھر اس پر بے شمار علماء' فضلاء' محدثین' عرفا وغیرہ کے اقوال و اعمال میں بھی کچھ کم دلیل جواز نہیں۔ تاہم جن لوگوں نے غنا و مزامیر کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا ہے وہ بھی اپنے

علم و فضل، معرفت، حدیث و فقہ میں کچھ کم درجہ نہیں رکھتے۔ وہ بھی اپنے رجحان کے حق میں دلیلیں رکھتے ہی ہوں گے۔ اس لئے اگر سرسری نظر سے ان کے دلائل کو بھی دیکھ لیا جائے تو نامناسب نہ ہو گا۔

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم اس باب میں خاموش ہے، بلکہ وہ ہر حسن و جمال کو پسند کرتا ہے خواہ اس کا تعلق دید سے ہو یا شنید سے، لیکن بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کو بعض علماء نے غنا کے عدم جواز کی دلیل قرار دیا ہے۔ ایک مشہور آیت یہ ہے:

و من الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم و یتخذ ھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین۔ و اذا تتلی علیہ ایتنا ولی مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیہ وقرا فبشرہ بعذاب الیم (۳۱:۶،۷)

بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو "لہو حدیث" خریدتے ہیں تاکہ بغیر کسی دانست کے راہ خدا سے بھٹکائیں اور آیات ربانی کا مذاق بنائیں، یہ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز سزا ہے، جب اس پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو سرکشی کے ساتھ اس طرح رخ پھیرلیتا ہے کہ گویا اس نے سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ پڑی ہو، لہٰذا اسے تو دردناک سزا کی خوشخبری دے دیجئے۔

بات بہت صاف ہے۔ سیاق و سباق نے بھی کوئی الجھن نہیں رہنے دی ہے۔ لیکن مفسرین نے اس آیت کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔ ہم ان سب کو تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۴۱ و ۴۴۲ سے الگ الگ نقل کرتے ہیں:

(۱) الایۃ عطف بذکر حال الاشقیاء الذین اعرضوا عن الانتفاع بسماع کلام اللہ و اقبلوا علی استماع

المزامیر و الغناء بالالحان و الات الطرب۔

یہ آیت عطف ہے اوپر کی آیت پر (جس میں محسنین مفلحین کا ذکر ہے) اس میں ان بدبختوں کا ذکر ہے جو کلام الٰہی سن کر فائدہ اٹھانے کی طرف سے بے رخی برتتے ہیں اور مزامیر اور سوز و ساز سننے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) عن ابی الصہبا البکری انہ سمع عبداللّٰہ بن مسعود و ھو یسال عن ھذہ الایۃ "و من الناس" الخ۔ فقال عبداللّٰہ بن مسعود الغناء و اللّٰہ الذی لا الہ الا ھو یردوھا ثلث مرات۔

ابو صہبا بکری سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ان کو یہ کہتے سنا کہ قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں' اس سے مراد غنا (گانا) ہے۔ ابن مسعود نے تین بار اسے دہرایا۔

(۳) کذالک قال ابن عباس و جابر و عکرمۃ و سعید بن جبیر و مجاھد و مکحول و عمرو بن شعیب و علی بن بذیمۃ۔

ابن عباس' جابر' عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد' مکحول' عمرو بن شعیب اور علی بن بذیمہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے:

(۴) قال الحسن البصری نزلت ھذہ الایۃ "و من الناس" الخ۔ فی الغناء و المزامیر۔

حسن بصری کہتے ہیں: یہ آیت غنا و مزامیر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(۵) قال قتادۃ قولہ "و من الناس" الخ۔ و اللّٰہ لعلہ لا

ینفق فیہ مالا و لکن شراؤہ استحبابہ بحسب المرء من الضلالۃ ان یختار حدیث الباطل علی حدیث الحق و ما یضر علی ماینفع۔

قتادہ کہتے ہیں اس آیت میں یشتری سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روپیہ صرف کیا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد انسان کا اپنی حد کے اندر گمراہی کو یوں پسند کرتا ہے کہ وہ باطل کی گفتگو کو گفتگوئے حق پر اور مضر کو نفع بخش چیز پر ترجیح دے کر اختیار کرے۔

(۶) و قیل لراد بقولہ "یشتری" اشتراء المغنیات من الجواری۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں خریدنے سے مراد گانے والی لڑکیوں کو خریدنا ہے۔

(۷) عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا یحل بیع المغنیات ولا شراؤھن واکل اثمانھن حرام و فیھن انزل اللّٰہ عزوجل و من الناس۔ الخ

ابو امامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ گانے والی عورتوں کی خرید و فروخت جائز نہیں اور ان کی قیمت کھانا حرام (۳۸) ہے اور ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

(۸) و ھکذا رواہ الترمذی و ابن جریر من حدیث عبیداللّٰہ بن زمر بنحوہ۔

ترمذی اور ابن جریر نے بھی عبیداللہ بن زمر سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

(۹) و قال الترمذی ھذا حدیث غریب و ضعف علی بن یزید المذکور۔

اپنی ہی اس روایت کو ترمذی نے غریب اور اس کے ایک راوی علی بن یزید کو ضعیف بتایا ہے۔

(۱۰) قلت علی و شیخه و الراوی عنه کلھم ضعفاء و اللّٰه اعلم۔

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ علی بن یزید اور ان کے شیخ اور ان سے روایت کرنے والا سب کے سب ضعیف ہیں۔

(۱۱) و قال الضحاک فی قوله تعالٰی "و من الناس" الخ۔ یعنی الشرک و به قال عبدالرحمن بن زید بن اسلم۔

ضحاک اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اس سے مراد شرک ہے اور یہی قول عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی ہے۔

(۱۲) و اختار ابن جریر انه کل کلام یصد عن آیات اللّٰه و اتباع سبیله۔

ابن جریر کی اختیار کردہ تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ کلام جو آیات الٰہی اور اتباع راہ خداوندی سے روک دے (وہ لہو الحدیث) ہے۔

ان تمام تفاسیر لہو حدیث کو سمیٹا جائے تو مندرجہ ذیل تفسیریں حاصل ہوتی ہیں۔

۱۔ گانا بجانا (غنا و مزامیر)

۲۔ گفتار باطل کو گفتگوئے حق کے مقابلے میں اور ضرر رساں باتوں کو نفع رساں باتوں کے مقابلے میں اختیار کرنا۔

۳۔ گانے والی لڑکیوں کو خریدنا۔

۴۔ شرک۔

۵۔ ہر وہ کلام جو آیات الٰہی اور اتباع حق سے روکے۔

ان پانچ تفسیروں میں سے کسی ایک کو دلائل ترجیح کے ساتھ مان لینے کا ہر ایک کو حق حاصل ہے اور اگر کوئی عقل سلیم دوسری تفسیر بھی پیدا کر سکے' تو اس سے بھی روکا نہیں جا سکتا۔ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں لہو حدیث کے معنی گانا بجانا' یا گانے والی لڑکیاں یا شرک لینے کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ اسے سردست چھوڑیئے کہ تفسیری روایات کا کیا مقام ہے اور اسے بھی جانے دیجئے کہ ترمذی نے اور ابن کثیر نے گانے والی لڑکیوں کی تفسیر والی روایت کو خود ہی ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ لہو الحدیث کے لفظ میں کوئی ایسا پہلو موجود ہے جس میں لغوی حیثیت سے یا تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول کے مطابق گانے بجانے کا کوئی مفہوم داخل کیا جا سکے؟ عربی لغات میں "لہو" کے معنی دیکھ لیجئے اور "حدیث" کا مطلب بھی دیکھ لیجئے۔ پھر اس آیت کے سیاق و سباق کو دیکھ لیجئے اور قرآن کریم کی ان آیات کو بھی دیکھ لیجئے جن میں یہ لفظ آئے ہیں۔ بات صاف ہو جائے گی۔

لہو کے معنی

امام راغب اصفہانی اپنی مفردات میں لکھتے ہیں:

اللهو ما يشغل الانسان عما يعنيه و يهمه

جو چیز انسان کو مفید مطلب بات سے ہٹا دے وہ لہو ہے۔

صاحب اقرب الموارد لکھتے ہیں:

اللهو ما لهوت به شغلک من هوى و طرب و نحو ها و

قال في التعريفات اللهو هو الشئي الذي يتلذذ به الانسان

فیلھیه ثم ینقضی۔ و قال الطرطوسی و اصل اللھو الترویح عن النفس بما لا تقتضیه الحکمنه۔

لہو وہ چیز ہے جس میں انہماک پیدا ہو جائے اور غفلت و بے توجہی ہو جائے خواہ وہ کوئی خواہش ہو یا کیف ہو یا اور کچھ۔ صاحب تعریفات لکھتے ہیں لہو وہ چیز ہے جس سے انسان لطف حاصل کرے اور وہ اسے غافل کر دے پھر وہ گذر جائے۔ طرطوسی کہتے ہیں لہو کے اصل معنی ہیں خلاف حکمت طریقے سے دل خوش کرنا۔

قرآن میں لفظ لہو

قرآن میں یہ لفظ کئی جگہ آیا ہے مثلاً:

انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو (۳۹) (۴۷:۳۶)

حیات دنیا بس کھیل تماشا ہے۔

و ذر الذین اتخذوا دینھم لعبا و لھوا (۶:۷۰)

جن لوگوں نے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہے، انھیں چھوڑ دو۔

پہلی آیت میں حیات دنیا ایک قرآنی اصطلاح ہے جس کے معنی ایسی زندگی ہیں جس کا رخ اسلام کی طرف نہ ہو، اور جس زندگی کا رخ اسلام کی طرف ہو وہ حیات طیبہ ہے۔ غیر اسلامی نظام زندگی کو "لہو" کہا گیا ہے اور اس کے لہو ہونے میں کوئی شک نہیں۔ گویا دنیا کی زندگی فی نفسہ لہو نہیں۔ یہ اس وقت لہو بنتی ہے جب اس کا رخ غلط سمت کی طرف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں دین فی نفسہ لہو نہیں، دین تو سرتاپا حقیقت ہے۔ لیکن جب اس کا مصرف غلط لیا جائے یا اسے Exploit کیا جائے تو یہی دین کھیل اور لہو ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد لفظ "حدیث" کو دیکھئے۔ اس کا سیدھا سادا ترجمہ ہماری زبان میں "بات" ہے، خواہ منظوم ہو یا منثور۔ خدا کا کلام ہو یا انسان کا۔ بیداری میں ہو یا خواب میں، اپنے آپ سے مخاطب ہوں یا غیر سے، اعلیٰ گفتگو ہو یا بیہودہ بکواس، گا کر ہو یا بے گائے، یہ ساری اقسامِ گفتگو حدیث کے لفظ میں آجاتی ہیں۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ "لہو الحدیث" ہر ایسی گفتگو ہے جو دلچسپ تو ہو لیکن کوئی اعلیٰ مقصد پیش نظر نہ ہو۔ ایسی گفتگو اپنے درجے کے لحاظ سے ایک اضافی حقیقت ہو گی جو مطلق مباح بھی ہو سکتی ہے اور مستحب بھی، مکروہ بھی اور حرام بھی۔ اگر محض تفریح، اظہار خوشی یا اعلان مقصود ہو تو اس کی اباحت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اگر شفائے امراض یا روحانی سرور مقصود ہو تو اس کے مستحب ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر بے مقصد شور و غل مقصود ہے تو یہ بلاشبہ مکروہ تنزیہی ہو گا۔ اور اگر بقول ابن جریر اس کا مقصد راہ حق سے ہٹانا ہو تو اس کے حرام ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہی ہے لہو الحدیث کی وہ قسم جو زیر بحث آیت میں صاف لفظوں میں بیان کی گئی ہے۔

و من الناس من یشتری لہو الحدیث لیضل عن سبیل الله بغیر علم و یتخذ ھا ھزوا-----

کچھ لوگ لہو حدیث اس لئے خریدتے ہیں کہ کسی علم کے بغیر راہ خدا سے بھٹکا دیں اور آیات الٰہی کو مذاق بنائیں۔

اسی کیفیت کی تشریح اگلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہے:

و اذا تتلی علیه ایتنا ولی مستکبرا کان لم یسمعھا کان فی اذنیه وقرا-----

اور جب اس پر آیات ربانی تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ استکبار کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے کہ گویا اس نے کچھ سنا

ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں ڈاٹ پڑی ہے۔
ایسے لہو حدیث کی خریداری کو کون مسلمان حرام نہ کہے گا؟ یہ نظم ہو' نثر ہو' غنا و مزامیر کے ساتھ ہو' بے غنا و مزامیر ہو' ایسا کلام انسانی ہو یا اللہ اور اس کے کسی رسولؐ کی طرف منسوب ہو' بیداری سے اس کا تعلق ہو یا خواب سے' خود کہے یا دوسرا سنے' کسی باندی کو خرید کر ہو یا بے خریدے ہو' زبانی ہو یا کتابت میں آ جائے۔ کچھ بھی ہو اگر حدیث و گفتار کا یہ انداز اور یہ مقصد ہو تو بلاشبہ وہ حرام ہے۔ لیکن اگر یہ انداز و مقصد ----- اضلال عن سبیل اللہ بغیر علم آیات الٰہی کو مذاق بنانا' استکبار کے ساتھ سنی ان سنی کر دینا وغیرہ نہ ہو تو اس آیت کو صرف راگ پر چسپاں کرنا پہلی غلطی ہے اور آیت کے عموم کو گانے والیوں کی خریداری کے ساتھ مخصوص کر دینا دوسری غلطی ہے۔

سمد کا مطلب

دوسری آیت

دوسری آیت جسے حرمت غنا کی دلیل تصور کیا جاتا ہے:

ازفت الازفة ـ لیس لها من دون اللّٰه کاشفة ـ افمن هذا الحدیث تعجبون و تضحکون و لا تبکون و انتم سامدون۔ (۵۳ : ۵۷ تا ۶۱)

قیامت قریب ہے جسے اللہ کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔
تمہیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم سر اٹھائے کھیل میں لگے رہتے ہو۔

یہاں و انتم سامدون کے لفظ سے بعض اہل علم مثلاً قاضی بیضاوی نے یہ استدلال کیا ہے کہ غنا حرام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سمد کے معنی

غنّی (گایا) کے بھی ہیں جیسا کہ اقرب الموارد اور المنجد وغیرہ میں لکھا ہے۔ لیکن تنہا یہی معنی نہیں۔ اقرب میں جو معنی اس سے پہلے لکھے ہیں وہ یوں ہیں:

قام رافعا راسہ ناصبا صدرہ (فھو سامد)

سر اٹھا کر سینہ تان کر کھڑے ہو جانا۔

امام راغب اصفہانی نے اس لفظ کی تشریح میں غنا کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ وہ صرف ایک ہی معنی لکھتے ہیں:

السامد اللاھی الرافع راسہ۔

سامد کے معنی ہیں سر اٹھا کر لہو کرنے والا۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۲۶۰ میں مختلف معانی سامدون کے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کا نقشہ یہ ہے:

۱۔ ابن عباس اور عکرمہ "سمد" کے معنی غنا کے لیتے ہیں۔

۲۔ ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد دوسری روایت میں اس کا مطلب اعراض (بے رخی) بتاتے ہیں۔

۳۔ ابن عباس اور سدی اس کا مطلب تکبر و سرکشی بتاتے ہیں۔

۴۔ حسن و علیؓ کے نزدیک اس کا مطلب ہے غافل ہو جانا۔

پس ان مختلف معانی میں کسی ایسے معانی کو لینا زیادہ بہتر ہے جو زیادہ جامع ہو اور سیاق و سباق سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔

آیت زیر بحث سے پہلے یہ ذکر ہے کہ قیامت آنے والی ہے جسے خدا کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تم اس حدیث (بات) پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور اکڑے رہتے ہو۔ اور اس "حدیث" کے ساتھ لہو کا برتاؤ کرتے ہو۔ غور سے دیکھئے کیا یہ وہی مضمون نہیں جو "اشترائے لہو الحدیث" والی آیت میں بیان ہوا ہے۔ "حدیث قرآنی کے جواب میں یہ انداز اختیار کرنا

حرام ہی نہیں کفر صریح ہے۔ اور یہ کچھ گانے ہی پر موقوف نہیں' بغیر گائے ہوئے ہو' نثر میں ہو' لکھ کر ہو' جب بھی یہ انداز' جس سے یہ قیامت یا کسی حدیث خداوندی کا انکار لازم آئے حرام بلکہ کفر ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

سوال صرف یہ ہے کہ "سامدون" کے معنی گانے والوں کے ہوں جب بھی کیا اس آیت سے حرمت غنا پر استدلال درست ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب ان ہی آیات میں موجود ہے۔ جہاں ان منکرین قیامت کے متعلق و انتم سامدون کہا گیا ہے وہیں و تضحکون و لا تبکون بھی کہا گیا ہے۔ لیکن کیا آج تک کسی نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے کہ ہنسنا حرام ہے یا جب تک انسان روتا نہیں وہ ارتکاب حرام کرتا رہتا ہے؟ پس اگر اس سے ضحک اور عدم بکا کی حرمت سمجھنا صحیح نہیں تو اس آیت سے گانے کو اگر "سامدون" کے معنی گانے والوں کے مان بھی لئے جائیں' حرام قرار دینا کب درست ہو سکتا ہے؟

صوت شیطانی

تیسری آیت

تیسری آیت جس سے حرمت غنا پر دلیل لائی گئی ہے یہ ہے:

و استفزز من استطعت منهم بصوتک و اجلب علیهم بخیلک و رجلک و شارکهم فی الاموال و الاولاد وعدهم------ (۱۷:۶۴)

(اے شیطان) ان انسانوں میں سے جن پر تیرا قابو چلے اپنی آواز سے اکھاڑ اور ان پر اپنے سوار اور پیدل کو چڑھا

اور ان کے مال اور ان کی اولاد میں اپنا ساجھا کر لے اور ان
سے وعدے وعید کرتا رہ-----

یہاں لفظ صوتک (شیطانی آواز) کی مجاہد نے یہ تفسیر فرمائی ہے کہ یہ
گانا اور لہو ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور ابن جریر کہتے ہیں:

کل داع دعا الی معصیۃ اللہ (ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۴۹)

ہر وہ شے جو نافرمانی خدا کی دعوت دے۔

یہ تفسیر زیادہ قریب بہ صواب ہے۔ صوت کے معنی آواز کے ہیں، خواہ
کسی کی ہو۔ جب یہ شیطان کی طرف منسوب ہو گی تو اس میں صرف شیطانی غنا
ہی نہیں آئے گا، تقریر، تحریر، نظم، نثر، غنا و غیر غنا حتیٰ کہ بے صوت وسوسے
سب ہی حرام ہوں گے۔ لیکن جس طرح خیل اور رجل (سوار اور پیدل) کو
مطلقاً" حرام کہنا بالکل بے معنی ہے، اسی طرح مطلق صوت کو خواہ وہ گانا ہی ہو
مطلقاً" ناجائز قرار دینا بعید از معقولیت ہے۔ جس طرح خیل اور رجل یعنی سوار
اور پیدل شیطانی ہونے کے بعد ناجائز ہے، اسی طرح صوت بھی شیطانی ہونے
کے بعد ناجائز اور قابل احتراز ہو گی۔ اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ آیت
مندرجہ بالا میں شیطان کی طرف جہاں صوت کی اضافت کی گئی ہے، وہاں خیل
اور رجل کو بھی مضاف کیا گیا ہے۔ پس جو حکم خیل و رجل کا ہو گا وہی صوت کا
بھی ہو گا۔ یہی خیل و رجل جب اہل اسلام کی طرف مضاف ہو تو یہ عین
عبادت ہو گا کیونکہ اس کی غرض صحیح ہے۔ اب غور طلب بات صرف یہ ہے کہ
بعینہٖ یہی حکم صوت کا بھی کیوں نہ ہو گا؟ مطلق صوت ہو یا حسن صوت یعنی گانا
اس میں دونوں ہی پہلو موجود ہیں۔ استعمال میں لانے والا اگر شیطان ہے تو وہ
سراسر شر ہو گا۔ اور اگر انسان صالح ہے تو اس میں خیر ہی کا پہلو ہو گا۔ مختصر یہ
ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں پہلی غلطی تو یہ کی گئی ہے کہ صوت کی عمومیت کو
صرف غنا کے معنی لے کر تنگ کر دیا گیا ہے اور دوسری لغزش یہ ہے کہ ہر

صوت اور ہر غنا کو شیطانی صوت سمجھ لیا گیا ہے۔ اس لئے صحیح تفسیر وہی ہے جو ابن عباس، قتادہ اور ابن جریر نے کی ہے کہ کل داع دعا الی معصیۃ اللہ (ہر وہ شے جو خدا کی نافرمانی کی طرف دعوت دے) یہ ظاہر ہے کہ صوتک (شیطانی آواز) بجز دعوت معصیت کے اور کیا ہو سکتی ہے؟

غرض یہ ہے کہ اوپر کے تینوں الفاظ لہو الحدیث، سمد اور صوت الشیطن سے گانا مراد لینے کی کوئی قوی دلیل نظر نہیں آتی۔ خود صحابہؓ سے مختلف تفسیریں مروی ہیں اور صحابہ یا غیر صحابہ میں جن لوگوں نے اس سے مراد غنا لیا ہے یہ ان کی اپنی تفسیریں ہیں، مرفوع کوئی بھی نہیں۔ اگر ان میں سے ایک کی تفسیر قبول کی جائے تو دوسرے کی تفسیر بھی اسی طرح تسلیم کی جا سکتی ہے بلکہ ایک قدم آگے بڑھائیں تو ایک دوسری پیچیدگی سامنے آتی ہے۔ یعنی اگر وہ ان آیات میں ہر جگہ غنا ہی مراد لیا جائے تو ان تمام صحیح احادیث کی توجیہہ مشکل ہو جاتی ہے جن سے خود حضورؐ کا، صحابہؓ کا اور بعد کے اکابر محدثین و قضاۃ کا گانا سننا ثابت ہے۔ یہ روایات ہم اوپر درج کر چکے ہیں۔

فقہائے کرام کا تشدّد

اب ہمیں فقہائے کرام کے فتاویٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بھی اساطین اسلام ہیں اور زندگی کے بے شمار گوشوں میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ ہم نے جہاں تک غور کیا ہے بات یوں ہے کہ بہت سے فقہا نے جو غنا کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا ہے وہ بالکل بے سند نہیں۔ ان کا مدار بھی کتاب و سنت ہی پر ہے۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے اس معاملے میں فقہاء بھی عموماً ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ زیادہ تر وہ بعض احادیث ہی سے اس کی حرمت یا کراہت ثابت کرتے ہیں۔

فقہاء کا ایک اور اصول یہ بھی ہے کہ وہ مصالح امت اور تقاضائے وقت

کا بھی لحاظ کرتے ہیں اس لئے جن لوگوں نے عوام کو جواز غنا کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے دیکھا' انہوں نے بنحوائے "بہ مرگش گیر تابہ تپ راضی شود" اس کی حرمت یا کراہت کا فتویٰ دیا اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہیں اور عنداللہ ماجور ہوں گے۔ بلکہ ہمارے موجودہ دور میں بھی بے شمار محافل غنا ایسی ہیں جن کے متعلق ہم بھی جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے۔

مقتضائے وقت اور مصالح امت اور بدلتے ہوئے حالات کے مطابق تو ایک مباح کو حرام اور حرام کو مباح بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے اور نفس مسئلہ ایک جداگانہ چیز ہے۔ غلط مصرف لینے اور Exploit کرنے والوں نے کس چیز کو چھوڑا ہے؟ قرآن' حدیث' اسلام' خدا' رسولؐ' صحابہ ہر ایک سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور Exploit کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس غلط استعمال سے اصل اسلام یا قرآن یا خدا کا ترک لازم نہیں آتا۔ مسئلہ اپنی جگہ الگ مسئلہ ہے اور مقتضائے حال سے اس پر مختلف حکم لگانا ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ اگر غنا کو مطلقاً" حرام قرار دیا جائے تو ان تمام قولی اور فعلی احادیث کی توجیہ دشوار ہو جائے گی جن سے حضورؐ کا' صحابہؓ و تابعین کا' علماء و محدثین کا سماع غنا ثابت ہے۔

فقہا کی احادیث و مرویات

سب سے پہلے ایک اصولی بات پیش نظر رکھنا چاہئے کہ لکل فن رجال ہر فن کے انسان الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہ کوئی ضرور نہیں کہ اگر ایک شخص محدث ہے تو وہ فن تاریخ یا فقہ میں بھی ویسی ہی دستگاہ رکھتا ہو' یا اگر وہ فقیہ ہے تو لازما" محدث بھی ہو۔

علامہ عبدالحئی انصاری فرنگی محلی نے مقدمہ عمدۃ الرعایہ صفحہ ۱۳ میں بہت صحیح لکھا ہے:

ان الكتب الفقهيه و ان كانت معتبرة فى انفسها بحسب المسائل الفرعية و كان مصنفوها ايضا من المعتبرين و الفقهاء الكاملين لا يعتمد علٰى الاحاديث المنقولة فيها اعتمادا كليا و لا يجزم بورود ها و ثبوتها قطعا بمجرد وقوعها فيها فكم من احاديث ذكرت فى الكتب المعتبرة و هى موضوعة و مختلقة كحديث "لسان اهل الجنة العربية و الفارسية الدريه" و حديث "من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبى" و حديث "علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل الى غير ذلک۔" نعم اذا كان مولف ذلک الكتاب من المحدثين امكن ان يعتمد على حديثه الذى ذكره فيه و كذا اذا اسند المصنف الحديث الى كتاب من كتب الحديث امكن ان يوخذ به اذا كان ثقة فى نقله۔ و السر فيه ان الله تعالى جعل لكل مقام مقالا و لكل فن رجالا و خص كل طائفة من مخلوقاته بنوع فضيلة لا تجد ها فى غير ها۔ فمن المحدثين من ليس لهم حظ الا رواية الاحاديث و نقلها من دون التفقه و الوصول الى سر ها و من الفقهاء من ليس لهم حظ الا ضبط المسائل الفقهية من دون المهارة فى الروايات الحديثية فالو اجب ان تنزل كلا منهم فى منازلهم و نقف عند مراتبهم۔

کتب فقہ اپنے فروعی مسائل کے لحاظ سے اگرچہ فی نفسہ معتبر ہیں اور ان کے مصنّفین بھی معتبر اور کامل فقہاء ہیں لیکن ان کتابوں میں جو احادیث منقول ہیں ان پر نہ تو کلی

اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کتابوں میں درج ہونے سے
ان پر یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ وہ احادیث واقعی وارد ہوئی
ہیں یا ثابت ہیں۔ بہتیری حدیثیں معتبر کتابوں میں مذکور
ہیں لیکن وہ موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً یہ حدیث
کہ اہل جنت کی زبان عربی اور فارسی ہوگی یا یہ کہ
جس شخص نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا
نبی کے پیچھے نماز ادا کی۔ یا یہ کہ میری امت کے علما بنی
اسرائیل کے انبیا کی مانند ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ ہاں اگر
کسی کتاب فقہ کا مصنف خود محدث بھی ہو تو اس کی ذکر
کردہ حدیث پر اعتماد کرنا ممکن ہے اور یونہی اگر وہ کسی
کتاب حدیث کا حوالہ دے کر حدیث نقل کرے اور وہ
حوالہ دینے میں قابل وثوق بھی ہو تو اس کو بھی لیا جا سکتا
ہے اس میں نکتہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر مقام کے
لئے الگ فن اور ہر فن کے لئے کچھ الگ آدمی پیدا کئے ہیں
اور اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک گروہ کو ایک فضیلت ایسی
دی ہے جو دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ محدثین میں
بعض ایسے ہیں جو صرف روایت احادیث اور نقل احادیث
جانتے ہیں مگر نہ ان میں کوئی متفقہ ہوتا ہے اور نہ اسرار
حدیث تک ان کی پہنچ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء میں بھی
بعض ایسے ہوتے ہیں جو مسائل فقہ تو لکھتے ہیں لیکن
احادیث اور روایات (کو پرکھنے) کی کوئی مہارت نہیں
رکھتے۔ لہذا ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو ان کے
مرتبہ و مقام پر رکھ کر دیکھیں اور اس سے آگے نہ

بڑھیں۔

اسی طرح ملا علی قاری محدث حنفی موضوعات کبیر (مطبوعہ لاہور) میں جمعتہ الوداع کی نقل والی روایت کو بے اصل قرار دے کر لکھتے ہیں:

ثم لا عبرة بنقل صاحب النهاية ولا بقية شراح الهداية فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين۔

مصنف نہایہ ہوں یا ہدایہ کے دوسرے شارح ہوں ان کی نقل حدیث کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ نہ تو ان کا شمار محدثین میں ہے اور نہ انھوں نے اس حدیث کی سند کو کسی کتاب حدیث کے مصنف تک پہنچایا ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ اگرچہ دنیا جامع العلوم ہستیوں سے خالی نہیں رہی ہے لیکن عموماً و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ جس اہل علم کا انہماک کسی ایک فن کی طرف ہوتا ہے، وہ اسی کی باریکیوں کو زیادہ سمجھتا ہے۔ اور دوسرے فنون میں اگر اسے دخل ہو بھی تو ویسی دقت نظر اور وہ وسعت نگاہ نہیں ہوتی جو اس کے اپنے خاص فن میں ہوتی ہے۔ فقہا اپنا مدار تو کتاب و سنت پر ہی رکھتے ہیں، لیکن اگر وہ تفسیر و روایات کی باتیں کریں تو وہ یہاں اس مقام پر نہیں ہوتے جس پر مسائل فقہ کو بیان کرتے وقت ہوتے ہیں۔ وہ ایک روایت کو سامنے رکھ کر فقہی مسائل کی تمام باریکیوں کو تو بیان کر دیں گے لیکن خود وہ روایت کس پائے کی ہے، اس کا علم انھیں بہت کم ہوتا ہے۔ یہ میدان محدثین کا ہے اور وہ اپنے اصول کے مطابق کسی روایت کا مقام بتا سکتے ہیں۔ یہی حال محدثین کا بھی ہے کہ وہ روایات کی اسناد کو فن رجال سے اور متن کو فن درایت سے پرکھ لیتے ہیں، لیکن دوسرے فنون کی بیسیوں غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ہر روز ہماری دنیوی زندگی میں بھی اس کا

تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ جب ہم بیمار پڑتے ہیں تو کسی انجینئر کے پاس نہیں جاتے اور جب مکان بنوانا ہوتا ہے تو کسی ڈاکٹر کو نہیں بلواتے۔ بلاشبہ اسلامی دنیا محدث فقیہوں اور فقیہ محدثوں سے خالی نہیں رہی ہے لیکن بالعموم یہی ہوتا ہے کہ محدث فقہ میں اور فقیہ حدیث میں کمزور ہوتا ہے۔ ان میں ہر ایک اپنے فن میں سند ہوتا ہے دوسرے میں نہیں ہوتا۔ ہم جب کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کی بے شمار تصانیف ہوں' تو عموماً" یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ ہر فن کا یکساں ماہر ہو گا' حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض ایک فن کا اعلیٰ ماہر بھی اپنے ہی مخصوص فن میں بڑی بڑی ٹھوکریں کھا جاتا ہے۔ اس سے اس کی مہارت فن پر کوئی حرف نہیں آتا۔ "گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں" علم و فن ایک ارتقائی حقیقت ہے۔ اگر غلطیاں نہ ہوں تو علم و فن ایک جامد چیز بن کر رہ جائے۔ یہ غلطیاں ہی تو ہیں جن کی وجہ سے ہر قدم آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ غرض جب فقیہ خود اپنے فن میں ٹھوکر کھا سکتا ہے تو دوسرے فن ---- حدیث ---- میں اس کا ٹھوکر کھانا کون سی تعجب کی بات ہے؟

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے جہاں جہاں بھی غنا و مزامیر کی حرمت ثابت کرنے میں تشدد سے کام لیا ہے' وہاں انھوں نے ضعیف اور موضوع احادیث کو بے تکلف بنائے استدلال بنا لیا ہے۔اس سے فقہائے کرام کے مقام فقاہت پر ہمارے خیال میں کوئی زد نہیں آتی۔ یہ ایک قدرتی بات ہے کہ جب انہماک ایک طرف ہو تو دوسری طرف سے قدرے تغافل ہو جاتا ہے۔

حدیث ھدایہ

مثلاً سب سے پہلے صاحب ہدایہ کو دیکھئے' انھوں نے چار جگہ حرمت غنا کا ذکر فرمایا ہے: کتاب الشہادۃ' کتاب الاجارۃ' کتاب الضمان و الغصب

اور کتاب الکراھیۃ میں۔ لیکن کسی جگہ کوئی صحیح و حسن حدیث اس کے ثبوت میں پیش نہیں فرمائی ہے۔ صرف کتاب الشہادۃ میں ترمذی کی ایک حدیث لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

----- و لا نائحۃ و لا مغنیۃ لانہا ترتکبان محرما فانہ علیہ السلام نہی عن الصوتین الاحمقین النائحۃ و المغنیۃ۔

نوحہ کرنے والی عورت اور گانے والی عورت کی بھی شہادت قبول نہیں ہو گی کیونکہ یہ دونوں حرام کی مرتکب ہوتی ہیں۔ حضور نے دو احمق آوازوں سے منع فرمایا ہے ایک نوحہ کرنے والی اور دوسری گانے والی۔

یہ ہے وہ حدیث ترمذی جس کی بنا پر صاحب ہدایہ مطلق سماع کو حرام قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس حدیث کا کیا پایہ ہے اسے خود حنفی و غیر حنفی محدثین کی زبان سے سنئے۔

(۱) قال النووی فی الخلاصۃ و محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلی ضعیف و لعلہ اعتضد (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ للزیلعی المحدث الحنفی ص ۲۱۱)

نووی خلاصہ میں کہتے ہیں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (جو اس سند کا ایک راوی ہے) ضعیف ہے۔ ہاں شاید دوسری حدیث اس کی معاضد ہو تو ہو۔

(۲) سید مرتضیٰ زبیدی حنفی تحفتہ المحبین میں اور بھی اس طرح کی روایتیں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سب میں موجود ہیں جو باوجود فقیہ و قاضی ہونے کے روایت حدیث میں ضعیف ہیں۔

(ترجمہ) کمال الدین اوفوی محدث اپنی امتاع ص ۴۸ میں "حدیث خامس" کا بیان کرتے ہوئے اس کے راوی کے متعلق لکھتے ہیں:

ان محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قد انکر علیه هذ الحدیث و ضعف لاجله و قال ابن حبان انه کان ردی الحفظ کثیر الوهم فاحش الخطاء استحق الترک و ترکه احمد و قال ان سیئی الحفظ مضطرب الحدیث۔

محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی اس حدیث کا انکار کیا گیا ہے اور انھیں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں ان کا حافظہ بہت ردی تھا' وہم بہت ہوتا تھا' فاحش غلطیاں کرتے تھے۔ یہ اس کے مستحق ہیں کہ انھیں ترک کر دیا جائے۔ اسی وجہ سے احمد بن حنبل نے ان کو چھوڑ دیا اور کہا یہ حافظے میں ناقابل اعتبار ہیں اور ان کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں۔

(۴) احمد بن حنبل نے یہاں تک کہا ہے:

لم یحتج بحدیثه احد (ج ٦ صفحہ ۵۲۰) ان کی حدیث کو کوئی حجت نہیں سمجھتا۔

قول عثمانؓ اور ملا جیون

ملا جیون کٹر حنفی ہیں اور صاحب ہدایہ کی ہر بات میں تائید کرتے ہیں۔ اس لئے ان کا رجحان بھی حرمت غنا کی طرف ہے۔ وہ حرمت کی دلیلیں پیش کرنے کے سلسلے میں دو جلیل القدر صحابہ کا اثر نقل کرتے ہیں۔ ایک قول حضرت عثمان ذی النورین کا ہے جو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے:

ما تغنیت و لا تمنیت و لا مسنت ذکری بیمینی مذ بایعت بها رسول الله صلی الله علیه وسلم جس دن میں نے اپنا دایاں ہاتھ بیعت اسلام

کے لئے حضورؐ کے ہاتھ میں دیا اس دن سے میں نے نہ کبھی گایا اور نہ کوئی غلط آرزو کی۔ نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو چھوا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ بیہقی کے نزدیک یہ روایت ہی ضعیف ہے جیسا کہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ جلد ۷ ص ۷۴ میں لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمانؓ کے اس قول سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ تینوں باتیں اپنے کمال تقویٰ کی وجہ سے ترک کیں۔ اس سے یہ بالکل نہیں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ان باتوں کو حرام سمجھنے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ ورنہ کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ تمنا کرنا اور دائیں ہاتھ سے مس ذکر کرنا حرام ہے؟ جس طرح یہ دونوں حرام نہیں' بالکل اسی طرح غنا بھی حرام نہیں۔ یہی بات امام غزالی نے بھی لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

امام غزالی

و احتجوا بقول عثمان ما تغنیت الخ فنقول فلیکن التمنی و مس الذکر بالیمین حراما ان کان ھذا دلیل تحریم الغناء و لیس کذلک فمن این ثبت ان عثمانؓ کان لا یترک الا حرام؟ و انما تنزہ عن ذلک کما تنزہ عن غیرہ من المباحات و کثیر من الصحابۃ رضی اللہ عنھم تورعوا و زھدوا فی کثیر من المباحات (شرح احیاء العلوم جلد ۶ ص ۵۳۵)

(ترجمہ) بعض لوگ حضرت عثمانؓ کے قول "ما تغنیت" الخ سے حرمت غنا کی دلیل لاتے ہیں۔ اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ اگر یہی حرمت غنا کی دلیل ہے تو تمنا کرنا اور دست راست سے ذکر چھونا بھی حرام ہونا چاہیے' حالانکہ

ایسا نہیں۔ اور یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ حضرت عثمانؓ
صرف حرام ہی کو ترک کیا کرتے تھے۔ یہ تو محض تنزیہا"
ترک کیا تھا جس طرح بعض اور دوسرے مباحات کو تنزیہا"
ترک کر دیا تھا۔ صحابہ کرام میں بہتیرے ایسے ہیں جنھوں
نے بہت سی مباح و جائز چیزوں کو صرف تنزیہا" اور تزہدا"
چھوڑ دیا تھا۔

ہماری رائے میں امام غزالی نے معقول بات فرمائی ہے۔ تنزیہی ترک سے حرمت نہیں ثابت ہوتی۔ یہ صرف کمال احتیاط و تقویٰ ہے۔ حضرت عثمانؓ بند غسل خانے میں بھی سارے کپڑے اتار کر غسل نہیں کرتے تھے۔ یہ ایک تقویٰ تھا لیکن اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ کپڑے اتار کر غسل کرنا حرام ہے۔
تیسرے یہ کہ خود ملا جیون "منیہ" میں امام غزالی کی تائید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

----- و لکن ھذ الا یصح دلیلا" از حالۃ الاحرام مما
یحرم کثیرا" من المباحات و المحظورات التی من
شانہ عدم اولویۃ الفضل لا عدم جوازہ۔
یعنی حضرت عثمانؓ کے قول سے حرمت غنا کی دلیل لازما"
درست نہیں کیونکہ حالت احرام میں اکثر مباحات و مکروہات
حرام ہو جاتی ہیں' حالانکہ اصالتا" وہ ناجائز نہیں ہوتیں بلکہ
ان کا ترک اولیٰ ہوتا ہے۔

پھر آخر میں لکھتے ہیں۔ سماع غنا کے لئے اہلیت درکار ہے۔ و علیہ اکثر المتاخرین و بہ ناخذ۔ یعنی متاخرین کا اور ہمارا بھی یہی مسلک ہے۔
اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ احتیاط و تنزیہہ بھی تو خود اپنے گانے سے تعلق رکھتی ہے۔ رہا دوسرے سے گانا سننا' تو یہ نہ فقط بے شمار صحابہؓ

کرام سے بلکہ خود حضرت عثمان سے بھی ثابت ہے۔ ہم گزشتہ صفحات میں سید مرتضیٰ زبیدی کی اتحاف السادہ کی وہ عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں ماوردی کی الحاوی کے حوالے سے انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے پاس دو باندیاں تھیں جن سے شب کو آپؓ گانا سنتے تھے اور جب سحر ہو جاتی تو فرماتے اب بس کرو' استغفار کا وقت آ گیا۔

قول ابن مسعود اور ملا جیون

ملا جیون نے دوسرا قول عبداللہ بن مسعود کا نقل کیا ہے کہ الغنا ینبت النفاق فی القلب----الخ یعنی گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔

زبیدی کی رائے

اس قول کے متعلق جو مختلف رائیں ہیں ان کو سید مرتضیٰ زبیدی کی زبان سے سنئے۔ شرح احیاء ج ۶ ص ۴۶۶ میں فرماتے ہیں:

فرفعه لعنهم الی رسول الله صلی الله علیه وسلم و هو غیر صحیح لان فی اسناده من لم یسم رواه ابو داؤد و رواه البیهقی مرفوعا و موقوفا قاله العراقی قلت روی مرفوعا من عدة طرف کلها ضعیفة قال البیهقی و الصحیح انه من قول ابن مسعود فی باب طرقه من هو مجهول ----- و نقل النووی فی تهذیب الاسماء و اللغات الاتفاق علی ضعفه و اقره الزرکشی و قال ابن طاهر رواه الثقات عن شعبة عن مغیرة عن ابن ابراهیم و لم یجاوز فهو من قول ابراهیم قلت رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الملاهی عن ابراهیم قال کانوا یقولون الخ فاذاً لیس هو من قول ابراهم و ممن رواه مرفوعا ابن ابی

الدنیا فی ذم الملاهی و رواہ ابن علی و الدیلمی من
حدیث ابی هریرۃ و اخرجه البیهقی من حدیث جابر
بلفظ الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء
الزرع و هو ضعیف ایضا"۔ فیه علی بن حماد قال
الدارقطنی متروک و ابن ابی رواد قال ابو حاتم احادیثه
منکرۃ و قال ابن الجنید لا یساوی فلساوا ابراهم بن
طهمان مختلف فیه۔

اس عبارت کے لفظی ترجمے میں الجھاؤ پیدا ہو گا اس لئے ہم اس کا صحیح صحیح مفہوم نمبروار عبارتوں میں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ بعض لوگوں نے اس روایت (الغناء ینبت النفاق فی القلب الخ) کو حضورؐ کا قول بتایا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ابو داؤد نے جس سند سے یہ روایت بیان کی ہے اس میں ایک شخص ایسا بھی ہے جس کا نام ہی نہیں لیا گیا ہے۔

۲۔ بیہقی نے اسے مرفوعاً" بھی روایت کیا ہے اور موقوفاً" بھی، یعنی حضورؐ کا قول بھی بتایا ہے اور صحابی کا بھی۔

۳۔ سید مرتضیٰ زبیدی محدث کا کہنا ہے کہ مختلف طریقوں سے اسے مرفوعاً" روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام طرق ضعیف ہیں۔

۴۔ بیہقی کا کہنا ہے کہ دراصل یہ ابن مسعود کا قول ہے نہ کہ حضور کا۔ نیز اس کے طرق میں بعض مجہول الحال راوی ہیں۔

۵۔ نووی کہتے ہیں اس راوی کے ضعف پر اتفاق ہے۔

۶۔ زرکشی کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

۷۔ ابن طاہر کا کہنا ہے کہ اس کو ثقہ لوگوں نے عن شعبہ عن مغیرہ عن ابراہیم روایت کیا ہے اور ابراہیم سے آگے کسی کا نام نہیں لیتے۔ لہٰذا یہ

ابراہیم ہی کا قول ہے۔

۸۔ ابن ابی الدنیا ملاہی کی مذمت کے سلسلے میں اسی روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ابراہیم کا قول نہیں بلکہ بات یوں ہے کہ ابراہیم کہتے تھے کہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ (گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے)

۹۔ اس پر سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں یہ نہ تو ابراہیم کا قول ہے اور نہ کسی ایسے شخص کا جس سے ابن ابی الدنیا نے ذم الملاہی میں مرفوعاً" روایت کیا ہو۔

۱۰۔ ابن عدی اور دیلمی نے ابو ہریرہؓ سے اور بیہقی نے جابرؓ سے یہ مضمون روایت کیا ہے کہ گانا قلب میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی پیدا کرتا ہے۔

۱۱۔ زبیدی اس مضمون والی روایت کو بھی ضعیف بتاتے ہیں کیونکہ اس میں ایک راوی علی بن حماد ہے جو دارقطنی کے نزدیک متروک ہے' اور اس کا دوسرا راوی ابن ابی رواد ہے جس کے متعلق ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں' اور ابن جنید کہتے ہیں کہ ابن ابی رواد ٹکے کے برابر بھی نہیں۔ اور ابراہیم بن طہمان مختلف فیہ ہیں۔

زبیدی کی اس طویل عبارت کے بعد چند رائیں اور بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) ابو طالب مکی (م ۳۸۶ھ) قوت القلوب ص ۶۲ میں لکھتے ہیں:

ان حماد لروی عن ابراھیم الغناء ینبت النفاق فی القلب الخ ------

حماد نے ابراہیم کی زبانی یہ بیان کیا ہے کہ گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ (یعنی یہ قول ابراہیم کا ہے نہ کہ ابن مسعود یا حضورؐ کا)

ابن حجر عسقلانی التلخیص الحبیر ص ۴۰۸ میں فرماتے ہیں:

قال ابن طاھر اصح الاسانید فی ذلک انه من قول ابراھیم۔

ابن طاہر کا قول ہے کہ سب سے زیادہ صحیح سند سے جو بات ثابت ہے، وہ یہی ہے کہ یہ ابراہیم کا قول ہے (نہ کہ ابن مسعود کا قول یا آنحضرتؐ کا)

امام سخاوی مقاصد حسنہ ص۱۳۹ میں فرماتے ہیں:

لا یصح کما قاله النووی

یہ روایت بھی کوئی صحیح روایت نہیں بلکہ ضعیف ہے جیسا کہ نووی نے لکھا ہے۔ (نووی کا قول اوپر گذر چکا ہے) غرض یہ کہ یہ کوئی حدیث نبویؐ تو قطعاً" نہیں، زیادہ سے زیادہ عبداللہ بن مسعود کا قول ہو سکتا ہے یا ابراہیم کا یا عوام کا۔ اور اس سے صرف غنا کا استدلال جس حد تک درست ہو سکتا ہے وہ کسی اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں جب یہ کوئی نص نہیں تو صرف ایک رائے ہو سکتی ہے یا تجربہ۔ لیکن دوسروں کی رائے یا تجربہ اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا بہت مشکل ہے کہ بے شمار صحابہ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، محدثین اور اولیائے کاملین گانا سن سن کر اور سنا سنا کر لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا کرنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

حقیقت یہ ہے کہ غنا کے اندر دونوں قسم کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ وہ نفاق بھی پیدا کر سکتا ہے اور اتفاق بھی۔ شقاوت بھی پیدا کر سکتا ہے اور حلاوت بھی۔ یہ سب کچھ سننے والے اور سنانے والے کی استعداد پر، احوال و ظروف پر اور مضامین غنا پر موقوف ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ان اشعار کو پڑھنے سے روک دیا تھا، جو مخالفوں کی ہجو کے جواب میں مسلمان شعرا نے کہے تھے۔ یہ اشعار خود حضورؐ کے حکم سے جواباً" کہے گئے تھے۔ لیکن عصری تقاضوں کے بدلنے سے حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر ان اشعار کو پڑھنے سے روک دیا کہ اس سے پرانی رنجشیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح آپؓ نے کسی عورت کا نام لے کر تشبیب کرنے سے بھی روک دیا تھا، حالانکہ عہد نبوی میں اس کا عام رواج

تھا۔

دنیا کی ہر شے میں خیر و شر کے دونوں پہلو موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے ہر شخص اور ہر زمان و مکان کے لئے ایک ہی فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ نفاق روپے سے بھی پیدا ہوتا ہے اور نفاق حکومت' عورت یا زمین سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ رات دن اس کے تجربے ہوتے رہتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا بہت مشکل ہے کہ حکومت زن' زر اور زمین سب کچھ مطلقاً" حرام ہے۔

علاوہ ازیں ملا جیون باوجود اس کے کہ خود ان کا میلان حرمت غنا کی طرف ہے' اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اعلم ان مسائل الغناء اکبر المسائل المختلف فیہا و قد تعارضت الایات و الاحادیث الدالۃ علی اباحۃ و حرمۃ و کثرت فیہ اقاویل العلماء و آراء الصلحاء و نحن نسمعک اولاً الحجج المتعارضۃ ثم نذکر ما ھو الحق الحقیق۔

غنا کے مسائل کا شمار ان سب سے بڑے مسائل میں ہے جو مختلف فیہ ہیں اور جن کی حلت و حرمت کے بارے میں آیات و احادیث باہم متعارض ہیں اور اس بارے میں علماء کے اقوال اور صلحاء کی رائیں بے شمار ہیں۔ ہم پہلے تمہیں متعارض دلائل سنائیں گے اس کے بعد بتائیں گے کہ حق بات کیا ہے۔

اس کے بعد ملا جیون نے حلت و حرمت کی تمام دلیلوں کا ذکر کیا ہے اور ایک بہت بڑی غلط فہمی کو یوں دور کیا ہے:

----- و الثانیۃ فی المعارضۃ الحقیقیۃ التی استوت فیہ الحجتان و ھو منتف لان بعض المتاخرین ذکروا

ان احادیث الاباحة صحیحة بخلاف احادیث المحرمة۔
(ترجمہ) حقیقی تعارض کی دوسری شرط اس مسئلے میں پائی جاتی ہے جس میں دونوں طرف کی دلیلیں یکساں وزنی ہوں۔ اور یہاں مسئلہ غنا میں یہ صورت ہی مفقود ہے کیونکہ بعض متاخرین نے تصریح کی ہے کہ اباحت کی حدیثیں صحیح ہیں اور حرمت کی احادیث صحیح نہیں۔

حرمت مزامیر کی چوتھی حدیث

ایک اور حدیث اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے جو بخاری نے ابو مالک سے یوں روایت کی ہے:

لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحر و الحریر و الخمر و المعازف و لینزلن اقوام الی جنب علم تروح علیھم سارحة لھم فیاتیھم رجل لحاجة فیقولون لرجع الینا غدا فیبیتھم اللہ و یضع العلم و یمسخ اخرین قردة و خنازیر الی یوم القیمة۔

(ترجمہ) میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہو کر رہیں گے جو زنا، ریشم، شراب اور معازف (باجوں) کو حلال سمجھیں گے۔ کچھ لوگ ایک پہاڑ کے دامن میں اتریں گے جہاں ان کے مویشی چر کر شام کو آئیں گے۔ ان کے پاس ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کے لئے آئے گا تو وہ کہیں گے کل ہمارے پاس آنا۔ پھر اللہ تعالیٰ انھیں شب کو سلا دے گا اور پہاڑ کو وہاں سے ہٹا دے گا اور دوسروں کو مسخ کر کے قیامت تک کے لئے بندر اور سور بنا دے گا۔

اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے نواب سید صدیق حسن خاں صاحب کا تبصرہ سنئے جو دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں لکھتے ہیں:

واحدے انکار نمی کند کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دف را مقرر داشت و آں را شنید و انکار نہ فرمود کما فی صحیح البخاری و محتمل است کہ معازف منصوص التحریم ہماں باشد کہ مقترن باشد بہ شرب خمر کما ثبت فی روایۃ لیشربن من امتی الخمر تروح علیہ القیان و تغدو علیہم المعازف۔ و محتمل ست کہ مراد مجموع امور مذکور باشد و دریں صورت دلیل بر تحریم یکے علی الانفراد نہ باشد و مقرر است کہ نہی از امور متعددہ یا ترتیب وعید بر مجموع آں دلالت بر فرد از آں مجموع نہ دارد۔ و از اعظم ادلہ بریں معنی قولہ تعالی است خذوہ فغلوہ۔ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا فا سلکوہ۔ انہ کان لا یومن با اللہ العظیم و لا یحض علی طعام المسکین (۴۰) و شک نیست کہ ترک حض بر طعام بانفرادہ موجب ایں وعید شدید نیست و نہ حرام است۔

(ترجمہ) اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضورؐ دف بجانے پر خاموش رہے۔ خود اسے سنا اور منع نہیں فرمایا جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس بات کا (حدیث زیر بحث میں) احتمال موجود ہے کہ جن معازف (باجوں) کو حرام کیا گیا ہے' وہ وہی باجے ہیں جو مے نوشی کے ساتھ پیوستہ ہوں' جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ "میری امت میں کچھ لوگ شرابیں پئیں گے' شام کو ان کے پاس گانے والی غلام لونڈیاں آئیں گی اور دن کو باجے بجیں گے۔" اس روایت میں اس کا احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ان تمام چیزوں (زنا' ریشم' شراب اور باجے) کی مجموعی شکل ہو۔ اس صورت میں یہ کسی انفرادی تحریم کی دلیل نہ ہو گی۔ یہ ایک مسلم قاعدہ ہے کہ چند ترتیب وار چیزوں کی ممانعت ہو تو ان سب کی مجموعی وعید اس مجموعے کے کسی ایک فرد کی وعید کی دلیل نہیں ہو گی۔

اس کا سب سے بڑا ثبوت قرآن کی یہ آیات ہیں:

ترجمہ: اسے پکڑ کر گلے میں طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں لے جاؤ۔ پھر ستر گز کے حلقے والی زنجیر میں اسے جکڑ دو۔ یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور مسکین کو کھلانے پر کسی کو ابھارتا نہ تھا۔

یہاں بلاشبہ اس وعید شدید کا سبب محض مسکین کو کھلانے پر نہ ابھارنا نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا (یعنی مسکین کو کھلانے پر نہ ابھارنا) حرام ہے۔

نواب صاحب نے معقول بات لکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی مخرب اخلاق سوسائٹیوں میں تو جائز چیز بھی اپنے دوسرے عوامل کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سے الگ کرکے اسے دیکھا جائے تو اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اس حدیث میں چار چیزوں کی مجموعی صورت ہی مراد ہے۔

اس کی مثال ہر روز ہمارے سامنے اپنی زبان میں آتی رہتی ہے۔ ہم کہتے ہیں فلاں بدبخت ہر وقت شراب و کباب میں بدمست رہتا ہے۔ ذرا غور کرکے بتایئے کہ کیا کباب بھی ویسا ہی حرام ہے جیسی شراب؟ کون صاحب عقل ہے جو "شراب و کباب" کی مجموعی برائی کرنے کے باوجود دونوں کو انفرادا" بھی ایک ہی حکم میں داخل سمجھے؟ پس جس طرح یہاں شراب و کباب سے ان دونوں کی مجموعی صورت مراد ہے اسی طرح زنا' ریشم' شراب اور معازف کی مجموعی شکل کا (زیر نظر حدیث میں) ذکر ہے' نہ کہ ہر فرد مجموع کا الگ الگ۔

اس میں دو چیزیں ہر حال میں حرام ہیں یعنی زنا اور شراب۔ اور دو چیزیں ایسی ہیں جو ایک موقع پر حرام اور دوسرے موقع پر حلال ہو جاتی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں ریشم اور باجے ہیں۔ ریشم کے متعلق دو حدیثیں سن لیجئے:

رخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للزبیر و

عبدالرحمن بن عوف فی لبس الحریر لحکة بهما۔
(رواہ الستہ الامکان عن انسؓ)
حضورؐ نے زبیر اور عبدالرحمٰن بن عوف کو ریشم پہننے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان دونوں کو خارش ہو گئی تھی۔

یہ تو خیر خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دی گئی تھی۔ تھوڑے ریشم کے متعلق تو عام اجازت ہے۔

نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن لبس الحریر فی موضع اصبعین او ثلث او اربع (للستۃ الا مالکؒ)
حضورؐ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا البتہ دو سے چار انگل تک ریشم جائز کیا ہے۔

ظاہر ہے جو صورت مسئلہ ریشم کے ساتھ وابستہ ہے وہ الحِرّ (زنا) کے ساتھ نہیں اور اسی طرح جیسی حرمت خمر کے متعلق ہے وہ معازف کے ساتھ نہیں۔ معازف کوئی سمندر تو ہے نہیں جو ناپاک شے کو پاک کر دے۔ یہ تو زیادہ سے زیادہ ایک کنواں ہے جس میں ناپاک چیز مل جائے تو خود بھی ناپاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر پلیدی اس سے الگ رہے تو اسے محض اس لئے زہریلا کیوں مان لیا جائے کہ یہ زہر ملنے سے زہریلا ہو جاتا ہے۔

پھر ذرا اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس حدیث کے آگے کیا ارشاد ہے۔ آگے یہ ہے کہ ایک قوم پہاڑ کے دامن میں آئے گی۔ ان کے مویشی چر کے واپس آئیں گے۔ ایک دن آدمی ان کے پاس کسی ضرورت سے آئے گا' وہ کہیں گے کہ کل آنا۔ پھر ان لوگوں کو رات کو سلا دیا جائے گا اور پہاڑ ٹل جائے گا اور دوسرے قیامت تک کے لئے بندر اور سور بنا دیئے جائیں گے۔

اگر فی الواقع باجے اس حد تک حرام ہیں اور لوگوں نے اپنی بدبختی سے اسے حلال سمجھ لیا ہے تو اس کے بعد کے تمام واقعات بھی پورے ہونے

چاہئیں۔ کون سا پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے؟ اور کونسی قوم مسخ ہو کر بندر اور سور بن گئی ہے؟ ان سب باتوں کی تاریخی شہادت بھی پیش کرنی چاہئے۔ اگر ان باتوں کی کوئی توجیہ کی جائے تو حرمت مزامیر کی بھی ویسی ہی تاویل و توجیہ کچھ دشوار نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ محض کسی کتاب یا روایات حدیث میں کسی بات کا درج ہونا اس کی سو فیصد صحت کی ضمانت نہیں۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ پہلے انسان ساٹھ گز کے ہوا کرتے تھے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ تعمیر کعبہ اور تعمیر بیت المقدس میں فقط چالیس سال کا فرق ہے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے تھے۔ یہ بھی روایات ہی میں ہے کہ بندروں نے ایک زنا کرنے والی بندریا کو سنگسار کیا اور راوی (عمرو بن میمون) نے بھی سنگسار کرنے میں شرکت کی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ بخاری اور دوسری کتب احادیث کی ان روایات صحیحہ کو نہ مانا جائے جن سے حضورؐ کا اور صحابہؓ کا گانا اور دف سننا ثابت ہے اور اس روایت کو مان لیا جائے جس میں زنا اور غنا کو ایک صف میں رکھ دیا گیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہو بھی تو اس کا مفہوم وہی ہے جو نواب صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تمام چیزوں کی مجموعی کیفیت ہے نہ کہ محض ایک فرد کی حرمت کا اظہار۔ اس روایت کا انداز اور سیاق و سباق ہی کچھ ایسا ہے جس کی وجہ سے ابن حزم وغیرہ نے اسے قابل استناد قرار دیا ہے اور اس کا شمار بھی ان ہی احادیث میں کیا ہے جو نہ صحیح ہیں اور نہ متصل۔ اوپر ہم متعدد جگہ محدثین کا یہ قول لکھ چکے ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کے متعلق کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔

صاحبِ ہدایہ کی طرح صاحبِ فتاویٰ تتار خانیہ' قہستانی اور شیخ الاسلام خواہر زادہ وغیرہم مطلقاً حرمتِ سماع کے قائل ہیں اور ان سب کا استناد بھی اسی قسم کی غیر صحیح منکر اور موضوع روایات پر مبنی ہے۔ ہم ان سب تفصیلات کو

اس وقت نظرانداز کرتے ہیں۔ "قیاس کن زگلستان من بہار مرا" اوپر کی چند مثالوں سے باقیوں کو قیاس کر لینا دشوار نہیں۔

پانچویں حدیث حرمت

بعض لوگوں نے حرمت غنا و مزامیر کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی ہے:

حدثنا عبد الله ثنی ابی ثنا یزید ابناء نا فرج بن فضالة الحمصی عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال ان الله عزوجل بعثنی رحمة و هدی للعلمین و امرنی ان الحق المزامیر و الکفارات یعنی البرابط والمعازف و الاوثان التی کانت تعبد فی الجاهلیة الخ۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۵۷)

بہ سند مذکور ابو امامہ حضورؐ کا یہ فرمان بیان کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں سازوں اور کفارات یعنی بربطوں اور باجوں کو اور ان بتوں کو جن کی جاہلیت میں پوجا کی جاتی تھی مٹا دوں۔

یہ روایت صاحب مشکوٰۃ نے بھی نقل کی ہے اور چند لفظوں کے فرق سے یہی مضمون ابو داوٗد طیالسی نے بھی ابو امامہ ہی سے روایت کیا ہے۔ مسند کی اسناد میں ایک شخص علی بن یزید الہانی ہے۔ اس کے متعلق مختلف اقوال رجالیین بھی سنئے:

۱۔ ابن حجر فرماتے ہیں ضعیف (تقریب التہذیب)

۲۔ قال حرب عن احمد هو دمشقی کانه ضعفه ۔ حرب نے احمد کی

زبانی اسے اس انداز سے دمشقی بتایا جیسے اسے ضعیف بتا رہے ہوں۔ (تہذیب التہذیب)

۳۔ قال یحییٰ بن معین "علی بن یزید واھی الحدیث کثیر المنکرات"۔ یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ علی بن یزید کی حدیث ناقابل اعتبار ہے اور یہ بیشتر منکر حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ (ایضاً)

۴۔ قال البخاری منکر الحدیث ضعیف۔ امام بخاری کہتے ہیں یہ منکر الحدیث اور ضعیف ہے۔ (ایضاً)

۵۔ قال الترمذی ضعیف فی الحدیث۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث میں ضعیف ہیں۔ (ایضاً)

۶۔ قال النسائی لیس بثقة۔ نسائی کہتے ہیں یہ ثقہ نہیں۔ (ایضاً)

۷۔ ابن حجر مکی غنا کی حرمت کے قائل ہیں۔ مگر اس روایت کو وہ بھی اپنے رسالے کف الرعاع میں ضعیف بتاتے ہیں۔ پھر ایک اور لطف کی بات ملاحظہ ہو۔ صرف علی بن یزید ہی اکیلا نہیں جسے اس سند مذکور میں ضعیف اور منکر الحدیث کہا گیا ہو' ایک راوی اور بھی تقریباً" ایسا ہی ہے یہ ہے فرج بن فضالہ حمصی۔

اس کے متعلق چند رائیں سن لیجئے۔

۱۔ قال ابن ابی خیثمة عن ابن معین ضعیف الحدیث۔ یحییٰ بن معین اسے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۸ ص ۲۱۱)

۲۔ و قال البخاری و مسلم منکر الحدیث بخاری و مسلم کہتے ہیں۔ یہ منکر الحدیث ہے۔ (ایضاً)

۳۔ وقال النسائی ضعیف۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (ایضاً)

اب اس کا فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ اس قسم کی روایات سے صرف غنا و مزامیر کا استدلال کرنا کس حد تک صحیح ہے۔

چھٹی حدیث حرمت

بیہقی و ابو داؤد نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے:

الکوبۃ حرام والدف حرام والمعازف حرام۔

نرد' دف اور معازف سب حرام ہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت عقود الجواھر المنیفہ جلد ۲ ص ۱۲۱ میں ابو حنیفہ عن مسلم بن عمران عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ روایت ہے:

ان اللہ کرہ لکم الخمر و المیسر و المزمار و الکوبۃ و الدف۔

اللہ نے تمہارے لئے شراب' جوا' باجا' نرد (یا شطرنج) اور دف سب کو مکروہ (تحریمی) قرار دیا ہے۔

ہم ان دونوں روایتوں کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر سکتے ہیں:

(الف) اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو ان روایات کی کیا توجیہ کی جائے گی جن سے خود حضورؐ کا متعدد بار دف سننا ثابت ہے؟

(ب) اور اس حدیث کو کدھر لے جایا جائے گا جس میں حضورؐ نے فرمایا ہے اعلنوا النکاح بالدفوف (دف بجا کر نکاح کا اعلان کیا کرو) اور فصل مابین الحلال و الحرام الدف و الصوت (حرام و حلال نکاح میں فرق کرنے والی چیز دف اور گانا ہے)۔

(ج) اور ان بے شمار صحابہؓ' تابعین' تبع تابعین' مجتہدین' ائمہ' علماء' صلحاء' قضاۃ' صوفیہ' عرفاء کے متعلق کیا حکم لگایا جائے گا جن سے دف اور غنا بلکہ دوسرے معازف و مزامیر کا سننا بتواتر ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات اگر صحیح ہیں تو ان کا مقصد وہی مجموعی شکل

و صورت ہے جہاں زنا، شراب اور جوئے وغیرہ کے ساتھ گانا بجانا اور ناچ رنگ بھی ہوتا ہے۔ جس کی تشریح ہم اوپر کر آئے ہیں ورنہ ان تمام روایات کا شمار ان ہی کی احادیث میں ہے جن کو ابن حزم، شوکانی، شیخ عبدالحق، محمد بن طاہر مقدسی، عبدالغنی، ابن عبدالبر، کمال الدین اوفوی، نووی، ابوبکر بن العربی، نواب صدیق حسن خان اور بے شمار محدثین ضعیف منکر یا موضوع کہتے ہیں۔ یہ سب اقوال ہم گزشتہ صفحات میں جا بجا نقل کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں وہ فقہاء بھی جو صاحب ہدایہ، صاحب بدائع الصنائع، قاضی خاں وغیرہم کی طرح متشدد نہیں۔ مثلاً عینی، ابن الہمام، صاحب عنایہ، صاحب نہایہ، طحاوی، شامی، سرخسی وغیرہم اسی غنا کو ناجائز بتاتے ہیں جو لہو سے وابستہ ہو اور لہو کی تشریح ہم گزشتہ صفحات میں علامہ عبدالغنی نابلسی کی زبان سے کر چکے ہیں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی کی ایک اور تصریح

علامہ عبدالغنی نابلسی کی زبان سے کچھ اور بھی سنئے جو انھوں نے اپنے رسالہ سماع ایضاح الدلالات فی سماع الالات میں لکھا ہے۔ اس عبارت میں انھوں نے بات صاف کر دی ہے کہ جن فقہا نے بھی غنا یا مزامیر کو مکروہ یا حرام کہا ہے وہ سب قید لہو سے مقید ہیں۔ اور جہاں اطلاق نظر آئے وہ بھی مقید ہی پر محمول ہوگا۔ علامہ نابلسی لکھتے ہیں:

فان قال القائل من الجهلة: نحن لا نعتبر هذا التفصيل الذی ذکرته و انما ناخذ بما ذکره الفقهاء فی کتبهم من تحریم سماع الالات مطلقا حیث لم یصرحوا بهذا التفصیل الذی ذکرته، قلنا له فی الجواب: عدم اعتبارک انت ایها الجاهل السیئی الظنون بامة محمد صلی الله

علیہ وسلم لا یطعن فی الحق شیئا و نحن ما منعنا هذا
الکلام لک و لا مثالک بل التقیید موجود فی صریح
عبادات الفقهاء فی کتبهم عند من یفهمها و یفهم علی ما
ذا بنوها و یعرف قیودها کما قد مناه من معرفة
الاصلین المشروطین فی فهم فروع المذاهب علی ما
هی علیه فاننا لم نجد عبارة من عبارات فقهاء منهبنا و
لا غیرهم فیها النص علی تحریم سماع الا لات
المطربة الا و فیها قید اللهو فیقول "سماع الملاهی او
کل لهو" او نحو ذلک مما ذکرناه فی ما سبق' حتی
لو فرضنا وجود ذلک فی کتاب من کتب الفقه فی
منهبنا او فی منهب غیر نافیه تحریم سماع الا لات و
الطنبور و نحوه و لیس فیه قید اللهو حکمنا ان مراد
قائلها اذا کانت لاجل اللهو بدلیل التقیید فی بقیة
العبارات کلها و فی صریح الاحادیث و الاخبار الوارد ة
بذلک حتی ان الاحادیث المطلقة من غیر ذکر اللهو
وجدنا ها مقیدة بذکر الخمر و القینات و نحو ذلک' و
بعضها لم یقید بذلک و لکن استثنی العلماء منها اشیاء
باحادیث اخری و الاستثناء و تقید۔ و مما یوید هذا
التفصیل الذی ذکرناه السوال و الجواب الصادر من
العلامة المرحوم شیخ الاسلام عبدالرحمن آفندی
العلمادی مفتی السادة الحنفیة بدمشق المحمیة
سابقا رحمه الله فانه سئل عن حکم السماع بالا لات
فاجاب بما صورته: الحمد لله قد حرمه من لا یعترض

علیه لصدق مقاله و اباحه من لا ینکر علیه لقوة حاله
فمن وجد فی قلبه شیئا من نور المعرفة فلیتقدم و الا
فالوقوف عند ما حده الشرع الشریف اسلم - و الله
اعلم و کذلک اجاب بهذا الجواب ایضاً العلامة شیخ
الاسلام الشیخ خیر الدین الرملی الحنفی کما هو
مذکور فی کتابه الفتاوی الخیریة و فقه الحنفیة فانظر
لهذین الفقیهین العالمین الورعین المطلعین علی
فروع الفقهه و اصوله الواقفین علی مقصود الشریعة و
مبنی احکامها مع وجود هما فی زمین اخیر لا یکاد
یوجد فیه الواحد من اهل الانصاف من علماء الشریعة
اصحاب الظنون الحسنة بامة محمد صلی الله علیه
وسلم حیث اجابا فی هذه المسئلة بالتفصیل و لم
یطلقانی الجواب کاطلاق غیرهما من اکثر
المعاصرین لهما من جهلة المتفقهة القاصرین لان
الاطلاق فی موضع التفصیل خطاء - و حیث
اتصفا رحمهما الله و اشارا بقولهما فمن وجد فی قلبه
شیا من نور المعرفة فلیتقدم الی نور المعرفة لم یفقد
من الارض و ان واجد ذلک موجود الی یوم القیمة ان شاء
الله تعالی علی العکس مما هم علیه الا ان فقهاء زماننا
هذا من انکار وجود مثل ذلک فی هذا الزمان و
حجودهم مقامات الناس و راتبهم عند الله تحکمهم
بنیا تهم الخبیثة علی غیرهم ولا حول و لا قوة الا بالله
العلی العظیم و غایة استدلال القاصرین علی اطلاقهم

الحرمة فی ذلک بمثل الرسالة التی صنفها الشیخ ابن
حجر الهیثمی الشافعی التی سما ها کف الرعاع و
ذکر فیها احادیث و اخبارا مقیدة بذکر الملاهی و
الخمر و القینات و بعضها غیر مقیدة بذلک لکن
یراد بها ذلک ثم ذکر اقاویل العلماء فی ذلک من قال
بالحل و من قال بالحرمة و من فصل و خلاصتها و
زبدتها التفصیل و لکن الجاهلون لا یفهمون' و لو
تاملوا اسمها الذی سماها به رحمه الله لکفاهم فانه
سماها کف الرعاع لان السماع لا یحرم الا علی الرعاع
من الناس و هم الجاهلون الخبیثون القاصرون و لیس
اهل الدنیا عنده کلهم رعاعا حتی یکون مراده اطلاق
الحرمة فی حقهم و ربما یقال للجاهلین المطلقین
هل یحرم عندکم سماع الطیور المفردة فوق الاغصان
فان ذلک مطرب غایة الطرب یحرک صبوة الانسان؟
فان قالوا حرام ایضاً حکمنا بجنونهم فضلا عن جهلهم
و افترائهم علی الله تعالی فی احکامه' و ان اباحوا ذلک
نقول لهم فکذلک الالات المطربات بجمیع انواعها
فان قالوا الالات المطربات یستخرج الاصوات المطربة
منها بنو آدم بالقصد و الاختیار قلنا لهم و کذلک
السامع للاطیار بقصد سماعها بالقصد و الاختیار و
لا یحرم علیه مثل ذلک (ایضاح الد لا لات فی سماع
الالات مطبوعہ دمشق صفحہ ۲۳ تا ۲۵)

(ترجمہ) اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ "ہم تمہاری بیان کردہ

تفصیل کو نہیں مانتے بلکہ اسے اختیار کرتے ہیں جو فقہا نے
اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور انھوں نے باجوں کو حرام لکھا
ہے' اور وہ تفصیلات نہیں لکھی ہیں جو تم بیان کرتے ہو۔"
تو میرا جواب یہ ہے کہ تم جاہل ہونے کے علاوہ امت محمدیہ
کے ساتھ سوئے ظن بھی رکھتے ہو' اور تمہارے نہ ماننے
سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم نے تمہارے جیسوں
کے لئے جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ ہماری من گھڑت چیز
نہیں۔ لہو کی قید فقہاء کی عبارتوں اور کتابوں میں صراحت
کے ساتھ موجود ہے لیکن اس کے لئے جو اسے سمجھتا ہے
اور جو ان کی کتابوں کی عبارات کا فہم رکھتا ہے' نیز ان کے
مبنائے استدلال سے واقف ہے اور ان قیود کو جانتا ہے جو
کتاب و سنت کی روشنی میں مختلف مدارس خیال (مذاہب
کے فروع کو ٹھیک سمجھنے سے مستنبط ہوتی ہیں۔ جیسا
کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں' ہم نے حنفی اور غیر حنفی فقہاء
کی جتنی عبارتیں دیکھی ہیں' ان میں سماع مزامیر کی حرمت
کے ساتھ ہر جگہ لہو کی قید لگی ہوئی ہے۔ ہر فقیہ "ملاہی کا
سننا" یا ہر "لہو" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ ہم یہ تفصیل اوپر
بیان کر چکے ہیں۔ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ کسی حنفی یا غیر
حنفی کی کتاب فقہ میں لہو کی شرط کے بغیر ہی مزامیر یا
طنبورے کی حرمت کا ذکر ہے' تو ہم یہی فیصلہ دیں گے کہ
کہنے والے کا مقصود وہی باجے ہیں جو لہو کی غرض سے
ہوں' اور اس کی دلیل وہ قید لہو ہے جو فقہاء کی تمام
دوسری عبارتوں میں بھی موجود ہے اور اس سلسلے کی تمام

احادیث و روایات میں بھی صراحتہ" موجود ہے۔ یہاں تک
کہ جن احادیث میں لہو کا ذکر نہیں وہاں شراب اور
لونڈیوں وغیرہ کا ذکر ہے اور بعض روایات میں جہاں اس
قید کا ذکر نہیں وہاں علمائے حدیث نے دوسری احادیث سے
چند مواقع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے یہ استثنا تقیید
ہی کا ثبوت ہے۔ ہماری ان تصریحات کی تائید اس جواب
سے بھی ہوتی ہے جو شیخ الاسلام علامہ عبدالرحمٰن آفندی"
(دمشق کے مفتی احناف) نے کسی کے سوال پر دیا تھا۔ ان
سے کسی نے مزامیر سننے کے متعلق فتویٰ پوچھا تو انھوں نے
یہ جواب دیا کہ اسے ان لوگوں نے حرام سمجھا ہے جن پر
ان کے صدق مقال کی وجہ سے کوئی طعن نہیں کیا جا سکتا
اور حلال بھی ان لوگوں نے سمجھا ہے جن پر ان کے قوی
الحال ہونے کی وجہ سے کوئی نکیر نہیں کی جا سکتی۔ پس جو
شخص اس سے اپنے دل میں کوئی نورِ معرفت پاتا ہو' وہ ادھر
قدم بڑھائے ورنہ شریعت کی مقررہ حدود کے پاس آ کر ٹھہر
جانا زیادہ باعث سلامتی ہے۔

شیخ الاسلام خیرالدین رملی حنفی نے بھی یہی جواب دیا تھا جیسا کہ ان کی
کتاب فتاویٰ خیریہ میں مذکور ہے۔ اب ان دو فقیہوں کو دیکھیے جو عالم بھی ہیں
اور عامل و متقی بھی' فقہ کے اصول و فروع سے بھی آگاہ ہیں' شریعت کے
مقصود اور احکام کی بنیاد سے بھی واقف ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں ایسے آخری دور
میں ہوئے ہیں جس میں کوئی ایسا صاحب انصاف عالم دین نظر نہیں آتا جو امت
محمدیہ کے ساتھ حسن ظن بھی رکھتا ہو۔ تاہم ان دونوں بزرگواروں نے اس
مسئلے کے متعلق جو مفصل جواب دیا ہے' اس میں سماع آلات کو اس طرح

مطلقاً" حرام نہیں کہا ہے جس طرح ان دونوں کے اکثر ہم عصر نادان و تنگ نظر متفقہین نے کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تفصیل و تقیید کے موقع پر اطلاق کو باقی رکھنا غلطی ہے۔ ان دونوں نے انصاف سے کام لیتے ہوئے ہی اشارہ کیا ہے کہ جو مزامیر سے نور معرفت اپنے دل میں پائے وہ اس کی طرف قدم اٹھائے۔ ایسے نور معرفت حاصل کرنے والے دنیا سے مفقود نہیں ہوئے ہیں بلکہ موجودہ دور کے لوگوں کے برخلاف ایسے اصحاب حال انشاء اللہ قیامت تک ہوتے رہیں گے۔ ہاں ہمارے دور کے فقہا اپنے زمانے میں اس قسم کے لوگوں کے وجود ہی سے انکاری ہیں اور ان کا جو مرتبہ و مقام عنداللہ ہے اس کے منکر ہیں اور اپنی خبیث نیتوں کی وجہ سے دوسروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مزامیر کے متعلق حرام بتانے والے کم علموں کا سب سے بڑا استدلال شیخ ابن حجر ہیثمی شافعی کا رسالہ "کف الرعاع" جیسی کتابیں ہیں' حالانکہ اس رسالے میں جہاں مطلق احادیث ہیں وہاں ایسی حدیثوں اور روایتوں کا بھی ذکر ہے جس میں لہو' شراب اور لونڈیوں کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس لئے مطلق احادیث سے بھی یہی تقیید مراد ہو گی۔ ابن حجر نے اپنے رسالہ مذکور میں علماء کے مختلف اقوال بھی درج کئے ہیں کہ بعض اہل علم اس کی حلت کے قائل ہیں اور بعض حرمت کے اور بعض قیود و تفاصیل کے' مگر بے علم لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ اگر وہ اس رسالے کے نام ہی پر غور کر لیتے جو ابن حجر ہیثمی نے لکھا ہے تو ان کے لئے کافی ہوتا کیونکہ سماع مزامیر صرف رعاع الناس کے لئے حرام ہے یعنی جاہل کمینوں کے لئے۔ ہیثمی کے نزدیک ساری دنیا کمینی اور گری ہوئی نہیں جو سارے لوگوں کے لئے اس کا مطلقاً حرام ہونا ان کا مقصد ہو۔ جو لوگ اسے مطلقاً" حرام کہتے ہیں ان سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ان چڑیوں کی چہک سننا بھی تمہارے نزدیک حرام ہے جو شاخوں پر بیٹھی ہوتی ہیں؟ یہ بھی تو غایت درجے کی مطرب و نغمہ نواز ہوتی ہیں اور انسان کے

میلان حیوانی میں تحریک پیدا کرتی ہیں؟ اگر وہ اس کا جواب اثبات میں دے (یعنی چڑیوں کی چہک کو حرام کہے) تو ہم اسے صرف جاہل اور مفتری علی احکام اللہ ہی نہیں کہیں گے بلکہ اسے پاگل بھی کہیں گے اور اگر وہ اسے (پرندوں کی چہک کو) جائز و مباح بتائے تو ہم کہہ دیں گے کہ تمام قسم کے مطرب و نغمہ نواز آلات و مزامیر کی بھی یہی صورت ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مزامیر سے تو انسان اپنے ارادہ و اختیار سے آوازیں پیدا کرتا ہے تو ہمارا جواب یہ ہے کہ پرندوں کی چہک سننے والا بھی اپنے ارادہ و اختیار ہی سے سنتا ہے لہٰذا جب وہ اس کے لئے حرام نہیں تو یہ بھی نہیں۔"

امام عبدالغنی نابلسیؒ کی اس طویل عبارت سے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ جتنی احادیث غنا و مزامیر کی مطلق حرمت سے متعلق ہیں وہ دراصل دوسری احادیث سے مقید ہیں جس طرح قرآن پاک میں یہ اصول مسلم ہے کہ الایات یفسر بعضھا بعضا (ایک آیت خود ہی دوسری آیت کی تفسیر کر دیتی ہے)' اسی طرح احادیث کا بھی یہی اصول ہے کہ : الاحادیث یفسر بعضھا بعضا (حدیثیں بھی ایک دوسرے کی مفسر ہوتی ہیں) پس مطلق احادیث کو مقید احادیث کے پہلو میں رکھ کر کوئی حکم لگانا چاہئے ورنہ یہ اس لا تقربوا الصلوٰۃ جیسا معاملہ ہو گا جس کے بعد وانتم سکارٰی نہ پڑھا جائے۔ گویا یوں کہئے کہ مطلق طور پر نہ گانا حرام ہے نہ باجا۔ یہ اس وقت حرام ہے جب یہ دوسرے سفلی محرکات کا جز بنے یا غیر ثقہ سوسائٹی میں اس کا غلط استعمال ہو یا یہ لہو کے طور پر ہو۔ لہو کا مطلب اوپر گذر چکا ہے کہ اس کا مطلب فرائض و واجبات سے غفلت ہے یا مکروہات میں مبتلا ہونا۔ اگر یہ نہ ہو تو محض دل بہلانے یا غم غلط کرنے کے لئے' اظہار مسرت کے لئے' تفریحات کے لئے' اعلان نکاح وغیرہ کے لئے' گانا بجانا کوئی لہو نہیں' بلکہ سنت ہے' حضورؐ کی بھی اور صحابہ و تابعین کی بھی۔ اور ان محدثین و فقہاء و فقراء کی بھی جن کے علم و فضل' زہد و تقویٰ

اور فقر و درویشی پر تواتر کے ساتھ اجماع امت رہا ہے' بلکہ (جیسا کہ ہم زیر نظر کتاب میں شامی اور رملی اور قاضی پانی پتی وغیرہ کا قول لکھ چکے ہیں) بعض اوقات اعلیٰ مقاصد رکھنے والے مخصوص لوگوں کے لئے اس کا سننا مستحبات میں سے ہے۔ امام مالکؒ تو دف کو صحت نکاح کی شرائط میں داخل فرماتے ہیں۔ دیکھئے رسالہ قاضی پانی پتی ص ۸۔

امام عبدالغنی حنفی نابلسی کی ایک تصریح سماع کے سلسلے میں بہت قابل غور ہے۔ فرماتے ہیں کہ غنا کے مضامین میں زہد ہو یا معین و غیر معین غزل ہو' نغمہ ہو یا نہ ہو' صرف غنا ہو یا صرف ساز' دف ہو یا دیگر مزامیر' دف میں جھانجھ ہو یا سادی دف ہو' شادی ہو یا ولیمہ' عید ہو یا کسی کا استقبال' ذکر و تہلیل کے ساتھ ہو یا درود کے ساتھ' اکیلا اپنے گھر میں ہو یا مسجد میں' اہل علم و صلحاء کا مجمع ہو یا دوسروں کا' بالقصد ہو یا بلاقصد' لوگوں کو خاص وقت میں جمع کر کے ہو یا غیر معین وقت میں۔ مردوں کے لئے ہو یا عورتوں کے لئے یا ان میں سے کسی ایک کے لئے' ان سب کا نام سماع ہے۔ اور شرع میں سب کا حکم ایک ہی ہے۔ (احقاق حق صفحہ ۱۱ مولانا عبدالباری فرنگی محلی)

چند صالحین

یہ بات کہ بعض صلحائے امت کی صالحیت پر اجماع امت رہا ہے اور انھوں نے بعض اصحاب حال کے لئے غنا و مزامیر کو مستحبات میں شمار کیا ہے' ہم نے یوں ہی نہیں لکھ دی ہے۔ چند کا تو ذکر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کچھ اور بزرگوں' صوفیوں اور درویشوں کا ذکر بھی سنئے۔ مگر ایک ضروری بات یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ بعض کوتاہ نظر ناواقف اور سطحی علم رکھنے والے کم سواد یہ سمجھتے ہیں کہ صوفیائے کرام اہل علم نہیں ہوتے۔ وہ نہ فقیہ ہوتے ہیں نہ محدث' نہ ادیب نہ مفسر' بس صرف تسبیح چلانے والے' مراقبہ کرنے والے'

مصنوعی مقدس بزرگ ہوتے ہیں۔ اس میں شک بھی نہیں کہ بے علم گدی نشینوں اور رسمی پیرزادوں کو دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے لیکن بزرگوں کے ان استخواں فروش مجاوروں کو دیکھ کر سب کو ایسا سمجھ لینا درست نہیں۔ صحیح صوفی وہی ہے جو علوم و فنون کے کمال کے ساتھ تزکیہ نفس کے طریقوں سے بھی واقف اور اس پر عامل ہو۔ ایسے بزرگوں کی کمی نہیں۔ ہر دور میں ایسے خدا رسیدہ علماء' فقہاء اور محدثین ہوتے رہے ہیں۔ ہم یہاں چند ایک کا ذکر کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ ان بلند پایہ حضرات کا سماع کے متعلق کیا خیال ہے:
مثلاً

حضرت ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی

یہ اکابر محدثین و محققین میں شمار ہوتے ہیں۔ طبقات شافعیہ از السبکی' تاریخ ابن خلکان' مراۃ الجنان للامام الیافعی اور کتاب الانساب للسمعانی آپ کے تبحر علمی' حدیث دانی' تفقہ اور مناقب روحانی سے پر ہیں۔ آپ مدتوں مدرسہ نظامیہ بغداد کے پرنسپل رہے ہیں۔ روحانی دنیا میں سلسلہ شہابیہ سہروردیہ اور سلسلہ کبردیہ فردوسیہ کے سرخیل ہیں۔ قاضی خاں (م۵۹۲) اور صاحب ہدایہ (م۵۹۳) نے آپ کا آخری زمانہ پایا ہے۔ اگرچہ لقائے صوری نہ ہو سکی۔ آپ نے اپنی کتاب "آداب المریدین" میں سماع بلکہ وجد و رقص پر بھی بحث کی ہے۔ اس کے خاص آداب و شرائط کے ساتھ آپ نے اسے مباح قرار دیا ہے اور کتاب و سنت اور اقوال سلف سے اسے ثابت کیا ہے۔ پھر بعض مشائخ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ یہ اہل حقیقت و معرفت کے لئے مستحب ہے۔ اہل تقویٰ کے لئے صرف مباح ہے۔ اور اہل نفس کے لئے مکروہ۔ تواجد و رقص کے ذکر میں حضرت جعفر طیار کا وہ واقعہ نقل کیا ہے جو بیہقی اور ابو داؤد'

مسند احمد وغیرہم نے روایت کیا ہے کہ جب حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اشبہت خلقی و خُلقی (تم تو صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہو) تو جعفر طیار حجل یعنی دور کرنے لگے۔ پھر لکھتے ہیں کہ بعض کو سماع سے خشیت و حزن اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے تو وہ گریہ و بکاء کرتے ہیں۔ بعضوں کو انبساط ہوتا ہے تو وہ رقص طرب کرنے لگتے ہیں۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی

فقیر اللہ نے اپنی کتاب "راگ درپن" میں شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی کو ماہرین موسیقی میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امیر خسرو کی طرح آپ نے بھی کئی راگ راگنیاں ایجاد کی ہیں۔ "ملتانی دھنا سری" آپ ہی کی ایجاد کردہ ہے جس میں "مالسری" اور "دھنا سری" کو مخلوط کیا گیا ہے۔ آپ نے "چھند" کے طرز پر کئی نغمے ایجاد کیے جن میں حمد الٰہی، عشق اور بندگی کے طریق پر عجز و انکسار کی کیفیت بیان کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گڑگاؤں کے تمام میراثی آپ کو اپنا پیر مانتے ہیں۔ (اقتباس مضمون ڈاکٹر مولوی شفیع مرحوم مطبوعہ ماہنامہ "آستانہ زکریا" ملتان ۵۹ء صفحہ ۱۸-۱۹)

میرا گمان ہے کہ راگ ملتانی کا انتساب بھی کچھ اسی مضمون کی غمازی کرتا ہے۔

اس اباحت و استحباب کے باوجود آپ کے سلسلے میں بہت سے شیوخ طریقت ایسے بھی گذرے ہیں جو سماع سے پرہیز کرتے تھے، کیونکہ یہ ان کے ذوق کے مطابق نہ تھا۔ اور اس سے وہ کوئی روحانی فائدہ حاصل نہ کر سکتے تھے۔ آپ کے حلقہ ارادت میں بیٹھنے والے علمائے دین میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، سب ہی طرح کے لوگ تھے۔ ان میں سماع سے پرہیز کرنے والے اور سماع میں شرکت کرنے والے دونوں طرح کے لوگ تھے۔ مثلاً

حضرت نجم الدین کبریٰ

یہ شافعی محدث و فقیہ ہیں۔ ابن شبہ اور امام سبکی کی طبقات شافعیہ میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ سہروردیہ کبرویہ طریقے کے سرخیل آپ ہی ہیں۔ مسند خوارزمی کے شروع میں بھی آپ کا ذکر خیر ہے' آپ مسند امام اعظم کے جامعین میں ہیں۔ اپنے وفور علم و تقویٰ کے باوجود صاحب سماع و وجد تھے۔ نفحات الانس کے بیان کے مطابق آپ کو پہلا روحانی فیض عین حالت سماع میں ہی حاصل ہوا تھا۔ اس وقت آپ امام بغوی کی شرح السنۃ پڑھا کرتے تھے۔

شیخ بدر الدین سمرقندی

یہ بھی سلسلہ کبرویہ کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے ہیں۔ صاحب سماع و وجد تھے اور چنگ سنتے تھے۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ:

مجلسے بود و در آں مجلس درویشان و عزیزان بودند و شیخ بدر الدین سمرقندی خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزی ہم بود و در آں مجلس سماع چنگ آغاز کردند۔ شیخ بدرالدین در سماع رقص کرد و از غایت ذوق و شوق دستار مبارک خود کہ از صوف پوشیدہ بود بر سر چنگی نہاد' وچوں مجلس آخر شد عزیزے بخدمت شیخ بدرالدین گفت چہ رقص کردید؟ شیخ بدرالدین ایں سخن شنید و ایں بیت خواند۔

مارا بزدے وچنگ ما بشکستے　　　فردا بکند خمار امشب مستے

(ترجمہ) یعنی ایک محفل منعقد ہوئی جس میں فقراء اور معززین شریک ہوئے۔ شیخ بدرالدین سمرقندی بھی جو شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ تھے وہاں موجود تھے۔ جب محفل میں چنگ بجنے لگا تو شیخ بدر الدین نے سن کر رقص کرنا شروع کر دیا اور غایت ذوق و شوق میں اپنی اونی دستار شریف چنگ بجانے والے کے سر پر رکھ دی۔ محفل ختم ہونے کے بعد ایک معزز شخص نے ان سے پوچھا کہ

حضرت یہ آپ رقص کیا فرمانے لگے تھے؟ انھوں نے یہ سن کر صرف یہ شعر پڑھا جو اوپر لکھا ہے۔

شیخ سیف الدین باخرزی

یہ شیخ بدرالدین سمرقندی کے مرشد اور حضرت نجم الدین کبری کے اجل خلفا میں ہیں۔ یہ بھی مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔ امام یافعی محدث نے (جن کا ذکر طبقات اسنوی اور درر کامنہ میں بھی ہے) اپنی نشر المحاسن جلد اول صفحہ ۱۸۹ میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ بخارا کے قاضی اور دیگر فقہاء نے آپ سے سماع کے بارے میں مناظرہ کیا اور آخر کار لاجواب ہو کر سب کے سب خود صاحب سماع و رقص ہو گئے۔ انتہی مختصرا"۔

ان کے علاوہ قاضی منہاج الدین جوزجانی (صاحب طبقات ناصری) اور قاضی حمید الدین ناگوری بھی مزامیر کے ساتھ غنا سنتے تھے۔ سیر الاولیاء' سبع سنابل (میر عبدالواحد بلگرامی) اور اخبار الاخیار وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

حضرات خواجگان چشت

حضرات چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فرماتے ہیں:

آپ کی محفل میں شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ محمد کرمانی' شیخ محمد صفاہانی' شیخ برہان الدین چشتی' مولانا بہاؤ الدین بخاری' مولانا محمد بغدادی' خواجہ اجل سنجری' شیخ سیف الدین ماجوزی' شیخ احمد بن محمد اصفہانی' شیخ جلال الدین تبریزی' شیخ اوحد الدین' شیخ احمد واحد' شیخ برہان الدین غزنوی' خواجہ سلیمان' خواجہ عبدالرحمٰن اور بغداد کے بہت سے مشائخ کبار شریک ہوتے تھے۔ (سیر الاقطاب صفحہ ۱۰۳)

حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی خواجہ غریب نواز کے بارے میں فرماتے ہیں:

شیخ الاسلام خواجہ معین الحق و الملت و الدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ: سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب۔ اس میں حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات میں ہوتی ہیں کسی کی ذات میں مبدل ہو جاتی ہیں اور اس کے دل پر انسانی خصلتوں کا استیلا ہو جاتا ہے تو عشق غالب ہوتا اور ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ اس وقت اسرار باطنی کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور جب اسرار باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے تو اس ذوق میں رقص کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے "گر عروس سبز پوش مرا روئے نماید' لا جرم طاؤس دل در رقص آید" (مفتاح العاشقین ص ۲۲)

حضرت قطب الدین بختیار کاکی صرف صاحب وجد و سماع ہی نہ تھے بلکہ آپ کی رحلت بھی حالت سماع و وجد میں ہوئی تھی۔ (۴۱)

بابا فرید الدین گنج شکر اور آپ کے دونوں صاحبزادے حضرت بدر الدین سلیمان اور شیخ شہاب الدین گنج علم حنفی فقہا ہونے کے باوجود سماع سنتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیا صاحب سماع ہی نہ تھے صاحب رقص و وجد بھی تھے۔ ایک بار آپ کو (بہ عہد غیاث الدین تغلق) عدالت کے کٹہرے میں بلایا گیا کہ جواز سماع کو ثابت کریں۔ آپ نے صحاح و سنن کی چند احادیث پیش کیں۔ اس پر قاضی نے کہا آپ تو حنفی ہیں' امام ابو حنیفہ کا قول پیش کیجئے۔ اس پر آپ کو جلال آگیا اور فرمایا: اس قوم پر کیوں نہ خدا کا عذاب آئے جس کے سامنے میں حدیث پیش کرتا ہوں اور وہ ابو حنیفہ کا قول مانگتی ہے۔ (سیر الاولیاء)

حضرت سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں : "فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود۔" یعنی مجھے روحانی کشود اکثر تلاوت قرآن میں ہوا ہے یا سماع میں۔ آپ کے مسترشدین میں استاذ الاساتذہ ملا شمس الدین یحییٰ صاحب سماع تھے۔ ان کے متعلق شاعر نے کہا ہے۔

سألت العلم من احياك حقاً فقال العلم شمس الدين يحيىٰ

میں نے علم سے پوچھا: تجھے سچ مچ کس نے زندہ کیا؟
اس نے کہا: شمس الدین یحییٰ نے۔

ان ہی مسترشدین میں ملا فخر الدین زراوی حنفی (صاحب رسالہ اصل الاصول حافظ ہدایہ و اصول بزدوی) اور قاضی محی الدین کاشانی حنفی اور ملا حسام الدین ملتانی وغیرہ بھی ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی محافل میں عموماً" مزامیر نہ ہوتے تھے' لیکن مسترشدین میں بعض مزامیر بھی سنتے تھے' اور بعض صرف گانا سننے سے بھی احتیاط کرتے تھے۔ اسی دور کے ایک بہت بڑے حنفی فقیہ علامہ برہان الدین محمود بلخی بھی تھے جنھوں نے صاحب ہدایہ کو بھی دیکھا تھا اور ان کی دعاؤں سے مستفیض ہوئے تھے۔ یہ چنگ سنتے تھے جیسا کہ سیر الاولیاء میں ہے۔

سیر الاولیاء ہی میں مولانا علم الدین حنفی (نبیرہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی) اور سلطان غیاث الدین تغلق کی ایک گفتگو یوں نقل کی گئی ہے : (۴۲)

"تو در بغداد و شام و روم گشتہ مشائخ آں دیار سماع می شنوند یا نہ؟ و ایشاں را دریں کار کسے مانع شود یا نہ؟ مولانا علم الدین گفت در ہمہ شہرہا بزرگان و مشائخ سماع می شنوند و بعضے با دف و شبابہ' کسے ایشاں را مانع نمی شود۔
یعنی آپ نے تو بغداد' شام اور روم کی سیر کی ہے۔ ان جگہوں کے مشائخ سماع سنتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کو کوئی اس بات سے روکتا ہے یا نہیں؟

مولانا علم الدین نے کہا ان تمام شہروں میں بزرگان دین و مشائخ کرام سماع سنتے ہیں اور بعض دف اور شہنائی بھی سنتے ہیں اور کوئی بھی ان کو روکتا نہیں۔ (سیر الاولیاء ص ۳۵۰ ملخصا")

مولانا علم الدین نے سماع کے بارے میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام مقصدہ ہے۔

حضرات نقشبندیہ

حضرات نقشبندیہ کی غالب اکثریت سماع سے' خصوصا" مزامیر سے پرہیز کرتی ہے' لیکن کہیں کہیں ان میں بھی یہ ذوق پایا جاتا ہے۔ خواجہ عبیداللہ احرار نقشبندی حنفی کے ملفوظات کا ایک قلمی نسخہ خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف کے کتب خانے میں ہے جس کا ایک جملہ یوں ہے:

استماع مزامیر پیش اکابر ما تقدم خیلے معتبر بودہ است۔

گزشتہ بزرگوں میں مزامیر کا سننا خاصا معتبر مانا گیا ہے۔

رشحات صفحہ ۶۵ نیز لطائف اشرفی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی نے بھی دف اور نے کے ساتھ گانا سنا ہے اور نیز آپ کے اجل خلیفہ حضرت خواجہ مسافر خوارزمی بھی سنا کرتے تھے۔

مخدوم اشرف جہانگیر

حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی سماع کے بڑے رسیا تھے۔ "لطائف اشرفی" میں بڑے زوروں پر لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

حضرت قدوۃ کبرئ فرمودند حالتے کہ عارف را در سماع دست دہد و وقتیکہ سالک را در استماع نصیب گردد از صد چلہ حاصل نہ شود و از ریاضات شدیدہ واصل نہ بود۔

یعنی حضرت قدوۃ کبرئ فرماتے ہیں کہ عارف کو سماع میں جو حالت کیف

حاصل ہوتی ہے اور سالک کو سماع سننے میں جو ساعت نصیب ہوتی ہے وہ سو چلوں اور سخت ریاضتوں کے بعد بھی نہیں ملتی۔

نیز لطائف میں ہے کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ فرمودند کہ بعض از طائفہ بفرضیت سماع قائل اند کالداء للدواء و بالنغمات تظہر مخاطبات الاسرار و یتحرک جذبات الانوار فان السماع محرک القلوب۔ مانند مریض برائے دوا و بنغمہائے ظاہر می شود خطابہائے راز ہا و متحرک می شود کششہائے انوار۔ پس البتہ سماع حرکت دہندۂ دلہاست بسوئے دانندۂ غیبہا بے چارہ عاشق دست و پا بریدہ جرعہ از جام محبت چشیدہ خلعت حصول کشیدہ و بہ دولت حصول رسیدہ می گوید کہ صوفیہ از نفحات طیبات ارواح بقرب یار مقرب می گردو و از استماع نغمات زاکیات اشباح را حضوری میسری باشد و آں شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز می گوید کہ وصول حق در چیزہائے بسیار جستم بغیر از سماع نغمات و مناظرہ صور تہائے زیبا نیافتم۔ ما رایت شیا الا و رایت اللہ فیہ۔ ندیدیم چیزے را مگر ور حالیکہ دیدم خدا را یعنی صفت خدا را در امرکہ حبل متین ست محکم گرفتم

(ترجمہ) حضرت قدوۂ کبریٰ فرماتے ہیں کہ بعض گروہ تو فرضیت سماع کے قائل ہیں، جیسے بیماری کے لیے دوا۔ نغموں میں سے اسرار کا مخاطبہ ہوتا ہے اور انوار کے جذبات حرکت میں آتے ہیں، کیونکہ سماع دلوں میں عالم غیوب کی طرف (رغبت کی) تحریک پیدا کرتا ہے۔ (یہ فقیر) بے دست و پا عاشق جام محبت کا ایک گھونٹ پی کر جامہ عرفان پہن لیتا ہے اور معرفت کی دولت سے مالا مال ہو کر کہتا ہے کہ صوفیہ کی روحیں خوشبوؤں سے قرب الٰہی حاصل کرتی ہیں اور پاک نغموں سے خاکی جسموں کو حضوری میسر ہوتی ہے۔ شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو درازؒ تو فرماتے ہیں: میں نے بے شمار چیزوں میں وصول حق کو تلاش کیا لیکن یہ صرف دو چیزوں میں دیکھا۔ ایک نغموں کی شنید میں اور دوسرے روئے

زیبا کی وید میں۔ ویسے تو میں نے جس چیز کو بھی دیکھا اس میں خدا' یعنی صفات خدا' ہی نظر آئی۔ یہی حبل اللہ المتین ہے جسے میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔

امام ربّانی

حضرت امام ربانی اپنے ایک مکتوب (ص۸۵) میں لکھتے ہیں:

سماع و وجد جماعہ را نافع است کہ بتقلب احوال متصف اند... قسمے از منتہیاں اند باوجود استمرار وقت ایشاں را نیز نافع ست۔ و باوجود برودت میل عروج دارند۔ دریں صورت سماع ایشاں را سود مند است و حرارت بخش ہر زماں بود سماع ایشاں را عروج بمنازل قرب میسر شود۔

سماع ان لوگوں کے لیے مفید ہے جن کے احوال بدلتے رہتے ہیں... منتہیوں کی اس قسم کے لیے یہ بھی مفید ہے جن کے احوال اگرچہ یکساں رہتے ہوں اور باوجود سرد پڑنے کے وہ اپنے اندر ترقی کا میلان رکھتے ہوں۔ اس صورت میں بھی سماع ان کیلئے مفید اور حرارت بخش ہے۔ ہر زمانے میں ان کو سماع کی مدد سے قرب الٰہی کی منزلوں کی طرف بلند ہونے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں

مرزا مظہر جان جاناں کہتے ہیں:

السماع یورث الرقة و الرقة تجلب الرحمة فالنتیجة السماع یجلب الرحمة (ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں)

یعنی سماع رقت پیدا کرتا ہے اور رقت رحمت کو کھینچتی ہے۔
نتیجہ یہ نکلا کہ سماع رحمت کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

ان تمام بزرگوں کی سیرت پڑھنے سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی کہ یہ

حضرات صرف فقیر اور درویش ہی نہ تھے، کمال درجے کے مفسر، محدث اور فقیہ بھی تھے، اور ان کا مرتبہ علم و فضل اور زہد و اتقا کسی لحاظ سے ان فقہا سے جو غنا و مزامیر کی حرمت مطلقہ کے قائل ہیں، کم نہ تھا۔ اتباع خواہ فقہا کا کیا جائے یا ان فقرا کا، اگر اخلاص ہے تو دونوں قابل قدر ہیں۔

چند اور شبہات

میرے ایک عزیز دوست جواز غنا و مزامیر کے بعض پہلوؤں پر مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے۔ ان سے میں نے کہا: مجھے قرآن میں اس کی حرمت کی کوئی آیت نہیں ملی۔ احادیث میں حضورؐ کا غنا و دف سننا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ حرمت غنا کے متعلق جو چند احادیث ہیں وہ موضوع یا ضعیف ہیں۔ میرے لیے اس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ حضورؐ نے گانا سنا ہے اور دف پر سنا ہے۔ میرے دوست یہ سن کر کہنے لگے: یہ تو بالکل صحیح ہے کہ حضورؐ نے سنا ہے لیکن کیا حضورؐ نے اس کے لیے کوئی محفل بھی جمائی تھی؟ میں نے عرض کیا: اس کی کیا دلیل ہے کہ انفرادا" جو کام جائز ہو وہ اجتماعی طور پر حرام ہو جاتا ہے؟ نیز یہ حضورؐ نے کب فرمایا ہے کہ دیکھو اتنے آدمیوں میں تو تم سن سکتے ہو اور اتنی تعداد میں سنو گے تو ناجائز ہو گا، یا یہ کہ خود بخود ایک مجمع ہو جائے تو اس میں اس کا سننا روا ہے اور اگر مجمع میں کسی فرد کو بلا لیا جائے تو جائز نہیں ہو گا؟ علاوہ ازیں یہ تو آپ کو یاد ہی ہو گا کہ آپ حضرات نے پچھلے دنوں ایک "اسلامی مشاعرہ" منعقد فرمایا تھا۔ اخباروں اور اشتہاروں سے اس کا اعلان فرمایا تھا اور اس کے دعوت نامے جاری فرمائے تھے، اس فقیر کے نام بھی دعوت نامہ آیا تھا۔ اب سوال صرف اتنا ہے کہ کیا حضورؐ نے خود کبھی کوئی غزل یا نظم فرمائی تھی؟ نہیں۔ کیا کوئی مصرع دے کر دوسرے شعرا کو طبع آزمائی کی دعوت دی تھی؟ نہیں۔ کیا شعرا اور سامعین کو دعوت نامے ارسال

فرما کر کوئی بزم مشاعرہ جمائی تھی؟ نہیں۔ اس کے باوجود آپ کا بزم مشاعرہ جمانا جائز ہے' کیونکہ اس کے جواز کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حضورؐ نے دوسرے شعرا سے ان کا کلام سنا ہے۔ بس یہی صورت غنا و مزامیر کی بھی سمجھ لیجئے۔ اگر اس سے بھی تشفی نہ ہو تو ذرا یہ بھی سوچئے کہ کیا حضورؐ نے کوئی روزنامہ' ماہنامہ اور ہفت روزہ جاری فرمایا تھا؟ کیا حضورؐ تصنیف و تالیف فرمایا کرتے تھے؟ کیا حضورؐ نے اسلامی لٹریچر کا پلندہ جمع کرکے کتب فروشی کی کوئی دکان کھولی تھی؟ کیا حضورؐ نے کسی الیکشن میں کوئی حصہ لیا تھا؟ کیا حضورؐ نے جابجا جلسے کرکے لوگوں سے ووٹ مانگے تھے؟ ایسے ایسے بیسیوں کام ہیں جو آج کل ہم آپ سب ہی کرتے ہیں' حالانکہ حضورؐ نے ان کو کبھی نہیں کیا۔ زیادہ سے زیادہ بحث اگر ہو سکتی ہے تو صرف اس پر کہ کرنے والا جو کام کرتا ہے' خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی' اس کی نیت اور مقصد ٹھیک ہے یا نہیں۔ مگر یہ سوال کہ حضورؐ نے یہ کام محفل جما کر کیا تھا یا نہیں' کوئی وزنی سوال نہیں۔ اگر ایک اچھے مقصد کے لیے بزم مشاعرہ منعقد ہو سکتی ہے —— جس میں بہت سے شعرا اپنا کلام لازماً" گا کر پڑھتے ہوں —— تو چند دوسرے آدمیوں کو یکجا کرکے محفل گانا یا اچھے اشعار کے ساتھ گانا بھی اچھے مقاصد کا حامل ہو سکتا ہے۔

ایک قابل غور بات

شعر و شاعری کے متعلق صاف لفظوں میں ارشاد قرآن یوں ہے:

والشعراء یتبعھم الغٰون ○ الم تر انھم فی کل واد یھیمون ○ وانھم یقولون ما لا یفعلون ○ (۲۶: ۲۲۴ تا ۲۲۶)

شعرا کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ شعرا ہر میدان خیال میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں اس پر ان کا عمل نہیں ہوتا۔

پھر ارشاد ہے:

وما علمنہ الشعر وما ینبغی لہ (۳۶:۶۹)

ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی اور نہ یہ اس کے لیے زیبا ہے۔

پھر ارشاد ہے:

وما ھو بقول شاعر (۶۹:۴۱)

یعنی یہ شاعر کا کلام نہیں۔

قرآن کریم کے ان تمام انداز ہائے بیان سے شعر و شاعری کے متعلق اس کا رجحان معلوم کرنا کچھ دشوار نہیں۔ غنا اور مزامیر کے متعلق پورے قرآن میں اس قسم کی کوئی آیت موجود نہیں۔ جو آیات پیش کی جاتی ہیں' ان کی حقیقت ہم گذشتہ صفحات میں واضح کر چکے ہیں۔ اس کے باوجود مشاعرہ جائز اور غنا ناجائز! ہے نا یہ منطق غور طلب؟

واقعہ یہ ہے کہ جہاں شعر و شاعری کی مذمت کی گئی ہے (و الشعراء یتبعھم... الی ... لا یفعلون) وہیں یہ استثنا بھی ہے:

الا الذین آمنوا و عملوا الصلحت و ذکروا اللہ کثیرا و انتصروا من بعد ما ظلموا...

یعنی (اس عام مذمت سے) مستثنیٰ ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے' نیک عمل کیے' بکثرت یاد الہٰی کی اور ظلم سہنے کے بعد دفاعی کارروائی کی۔

پس جس طرح شعر و شاعری ہر حال میں قابل مذمت نہیں' بلکہ بعض مواقع پر محمود بھی ہو سکتی ہے' خواہ انفرادا" ہو یا اجتماعا" بالکل اسی طرح غنا و مزامیر بھی ..... خصوصا" جبکہ قرآن اس بارے میں خاموش ہے اور احادیث سے ثابت ہے ..... ہر حال میں یکساں حکم نہیں رکھتا' خواہ تنہائی میں ہو یا محفل

جما کر۔

ایک اور شبہ

ایک اور شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ غنا یا مزامیر کو سنت نبویؐ میں اور حضورؐ کی سیرت میں کوئی نمایاں حیثیت حاصل نہیں۔ اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ حضورؐ نے اس فن کی کوئی حوصلہ افزائی کی ہو۔ پوری سیرت نبویہؐ کے ایک گوشے میں کہیں غنا و دف نظر آ جاتے ہیں اس لیے اگر اس کا جواز ثابت بھی ہو تو اس کا مقام معمولی، سرسری اور ضمنی سا ہے۔ یہ شبہ غلط نہیں، لیکن اس کے کچھ اور پہلو بھی ہیں جن پر ضرور غور کرنا چاہیئے۔

کار نبوت

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ پیغمبر کیوں آتا ہے، اس کا مقصد کیا ہوتا ہے، وہ کون سا خاص کام ہے جو وہ کرتا ہے اور وہ کیا ڈیوٹی ہوتی ہے جو وہ انجام دیتا ہے؟ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں، بات یوں ہے کہ پیغمبر کسی خاص علم و فن کا ماہر بن کر نہیں آتا اور نہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو کسی نہ کسی علم و ہنر کا ایکسپرٹ بنائے۔ ایکسپرٹ یا خصوصی (Specialist) بننا خود افراد کا کام ہے۔ پیغمبر کسی کو پہلوانی اور کشتی کے داؤ پیچ نہیں سکھاتا، کسی کو جہاز رانی کے طریقے نہیں بتاتا، اکاؤنٹنٹ نہیں بناتا، سائنس کی تعلیم نہیں دیتا، ریسرچ سکالر نہیں تیار کرتا۔ نفسیات، لسانیات، نباتات، جغرافیہ، طب، سرجری، تاریخ، منطق، فلسفہ، ہائی جین، ریاضی، انجینئری، فلکیات، عمرانیات، معاشیات، شعر و ادب، تنقید، صحافت، موسمیات اور دوسرے بے شمار علوم و فنون کا نہ وہ ماہر ہوتا ہے اور نہ کسی کو ماہر بناتا ہے، یہ مہارت و خصوصیت حاصل کرنا خود افراد امت کا کام ہے۔ بلاشبہ پیغمبر زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اور ہر طرح کے علم و فن کے لیے بڑے قیمتی اور بنیادی نکات بتا دیتا ہے،

اشارے دیتا ہے' ایسے اشارے کہ صالح تعمیر کے لیے ان سے بہتر بنیاد نہیں مل سکتی۔ یہ سب کچھ صحیح ہے لیکن پیغمبر کو کسی فن کی تفصیلی مہارت نہ حاصل ہوتی ہے اور نہ دوسروں کو ماہر فن بنانا اس کا مشن ہے۔ پیغمبر کا اصلی کام صرف ایک ایسا مزاج (Attitude) پیدا کرنا ہے جسے اپنا لینے کے بعد سوسائٹی کے افراد کو جزئیات فن کی تعلیم دینے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ پیغمبر کا عطا کردہ مزاج افکار' گفتار اور کردار پر چھا جاتا ہے۔ فرد جدھر چاہے جائے' جس فن میں چاہے مہارت پیدا کرے' لیکن حدود سے متجاوز ہوتے وقت وہی مزاج اندر سے لگام کھینچ لیتا ہے۔ پیغمبر کی ساری توجہ دن رات کے ہر لمحے میں اسی مزاج' اسی رجحان اور اسی Attitude کو پیدا کرنے کی طرف لگی ہوتی ہے۔ امت کے ہر حرکت و سکون' ہر رفتار و گفتار' تمام افکار و کردار پر اس کی کڑی نگرانی رہتی ہے۔ اس خاص مزاج کے خلاف جہاں اسے کوئی بات نظر آتی ہے اس پر وہ فوراً نوٹس لیتا ہے۔ اسے اس خاص مزاج و رجحان کی تخلیق کی ایسی دھن اور لگن ہوتی ہے اور اس میں اس درجہ یکسوئی کے ساتھ انہماک ہوتا ہے کہ وہ فنون و علوم کی مہارت کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں پا سکتا۔ اس سے یہ توقع ہی بے معنی ہے کہ وہ فنون لطیفہ کی طرف ایسی ہی توجہ دے جیسی ایک ریسرچ سکالر یا سپیشلسٹ توجہ دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے لیڈروں اور مصلحین کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ کسی قوم یا ملک کے تمام جزئیات کی طرف توجہ تام نہیں دے سکتے' تو پیغمبر سے اس کی توقع کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ کیا آپ علامہ اقبال سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ جمناسٹک کے اصول لوگوں کو بتاتے ہوں گے؟ اور کیا آپ کا قائداعظم سے یہ توقع کرنا درست ہو گا کہ ان کو سرجری سے پوری واقفیت ہو گی اور ہسپتالوں میں جا کر اپنے ہاتھ سے چیر پھاڑ کرتے ہوں گے؟ پیغمبر اور اس کی سنت کو معلوم نہیں لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے اور اس سے عجیب و غریب توقعات کیوں وابستہ کر رکھی ہیں۔ پیغمبر کے اصلی و اعلیٰ

مشن کو سمجھنے کے بعد اس کے متعلق یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہ فن موسیقی کا ماہر کیوں نہ تھا اور اس نے اپنی امت میں بہت سے تان سین کیوں نہ پیدا کیے؟ اور اس سے یہ نتیجہ نکالنا بھی درست نہیں کہ چونکہ پیغمبر نے کوئی میوزک کالج نہیں کھولا اور خود اس میں عملی حصہ نہیں لیا لہٰذا یہ حرام و ناجائز ہے۔ اگر پیغمبر کی زندگی میں اس فن کی کوئی خاص حوصلہ افزائی کا پتہ نہیں چلتا یا غنا کا مقام بہت معمولی اور سرسری سا نظر آتا ہے تو یہ ایک بالکل قدرتی بات ہے۔ اس سے یہ نتیجہ پیدا کر لینا کہ فنی دلچسپی یا اس کی ترقی خلاف سنت ہے' کوئی لگتی ہوئی بات نہیں۔ اس طرح تو نہ فقط فنون لطیفہ بلکہ ان تمام علوم و فنون کی ترقی یا ان سے دلچسپی حرام قرار پائے گی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

ایک اور نکتہ

اس موقع پر ایک اور بات بھی ناقابل فراموش ہے' وہ یہ کہ حضورؐ کا دور تمدن انتہائی عربی سادگی کا دور تھا۔ علم حساب کا یہ عالم تھا کہ ہزار سے اوپر اعداد کے لیے ان کے لغت میں کوئی لفظ نہ تھا۔ سواری کے لیے کوئی پہیے دار گاڑی کا وجود نہ تھا۔ باربرداری اور سواری کے سارے کام اونٹ گھوڑے اور خچر سے چلتے تھے۔ آلات حرب نوکدار یا دھار دار ہتھیاروں سے آگے نہ بڑھے تھے۔ بڑی اہم چیزوں کا ریکارڈ بھی کسی رجسٹر کے بجائے صفحات ذہن پر محفوظ رہتا تھا۔ مکان' پوشاک' خوراک' سب میں انتہائی سادگی تھی۔ سیاسی زندگی میں نہ شعبوں کی باقاعدہ تقسیم تھی' نہ ان کے لیے الگ الگ محکمے اور عمارتیں تھیں۔ ساری مسلم آبادی کے لیے واحد مرکز حضورؐ کی ذات تھی۔ کوئی بیمار ہوتا تو حضورؐ کے پاس آتا۔ کوئی مقدمہ ہوتا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ سیاسی معاملہ ہوتا تو حضورؐ مرجع و ماب ہوتے۔ طہارت کا مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو حضورؐ کی طرف دوڑتا۔ غرض ہر معاملے میں ہر مسلمان کا تصور یہ تھا کہ

ع "بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"۔

لیکن بعد میں تمدن نے وسعت اختیار کی۔ مملکت پھیلنے لگی۔ محکمے الگ الگ ہونے لگے۔ ہر شعبہ زندگی کے اندر بہت سے شعبے پیدا ہو گئے۔ علوم و فنون ترقی کرنے لگے۔ علمی و فنی باریکیاں زیر بحث آنے لگیں۔ کوئی محدث ہوا، کوئی فقیہ، کوئی انساب کا عالم، کوئی فرائض کا ماہر۔ کوئی شاعر و ادیب بنا اور کوئی مفسر و خطیب۔ کوئی کمانڈر ہوا اور کوئی سیاسیات کا راز دان۔ کوئی فن قضا کا ماہر ہوا اور کوئی فن معماری کا استاذ۔ اگر اسی ریلے میں فن موسیقی نے ترقی کرکے ایک الگ حیثیت اختیار کر لی ہو تو اس پر تعجب کیوں اور حیرت کیسی؟ اسے صرف اس لیے کیوں نظر انداز کیا جائے کہ حضورؐ نے اگرچہ غنا مع دف سنا لیکن بذات خود اور براہ راست اس کی سرپرستی نہیں فرمائی؟ ہمارے موجودہ معیار کے مطابق کس علم و فن کی حضورؐ نے سرپرستی فرمائی؟ ہمارے لیے اپنے معیار کی سرپرستی ڈھونڈنے کے بجائے صرف اتنا ہی دیکھنا کافی ہے کہ حضورؐ نے کسی بات سے روکا نہیں، منع نہیں کیا، یا محض معمولی سی دلچسپی لی۔ اگر یہ صحیح ہے اور یقیناً صحیح ہے کہ حضورؐ نے گانا سنا اور دف پر سنا اور متعدد بار سنا اور بعض مواقع پر انصار کی رعایت سے حکم بھی فرمایا یا رائے دی تو اس کے متعلق جواز کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کچھ گفتگو ہو سکتی ہے تو فقط اس بات پر کہ کون سا مضمون، کون سی سوسائٹی، کون سا وقت اور کون سی جگہ ہے جس سے یہ مباح غیر مباح ہو جاتا ہے۔ ایک سمٹے ہوئے محدود تمدن میں اور ایک سدھے سادے کلچر میں غنا و مزامیر کا مقام اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا جتنا عہد نبوت میں نظر آتا ہے۔ پھر جب پیغمبرؐ اپنی ساری توجہ دوسری اعلیٰ اقدار کے قیام میں لگائے ہوئے ہو، تو ان چھوٹے چھوٹے فنون لطیفہ کی طرف وہ مشکل ہی سے رخ کر سکتا ہے۔ اس لیے اس کم توجہی کو عدم جواز کی دلیل بنانا کوئی معقول بات نہیں۔

ایک قابل غور سوال

ایک بڑا نازک اور اہم سوال یہاں سے یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا غنا و مزامیر کو قومی تعمیم دے کر Generalise کرنا مناسب ہے؟ یعنی کیا ہر شخص کو اس کی اجازت دی جا سکتی ہے جبکہ ہمارے پاس یہ جانچنے کا ایسا کوئی مقیاس نہیں کہ جو شخص گانا گا رہا ہو یا سن رہا ہو وہ اس کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ ہمارے پاس یہ پرکھنے کی کونسی کسوٹی ہے کہ گانے والا اس کے مفاسد کی زد میں نہیں آتا؟ غنا و مزامیر کی ہزار حلت و اباحت یا استحباب ثابت کیا جائے لیکن یہ مسلم ہے کہ لاھلہ حلال و لغیرھم حرام (اہل کے لیے جائز اور نااہل کے لیے حرام ہے) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل و نا اہل کی تمیز کیسے ہو۔ ہر عامی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھے اس سے روحانی فائدہ ہوتا ہے اور مجھ پر اس سے کوئی برا اثر مترتب نہیں ہوتا۔ پھر آپ اسے کس معیار کو سامنے رکھ کر روک سکیں گے؟ پھر اس کا مطلب تو یہی ہو گا کہ کسی شخص کو اس سے روکا نہ جا سکے گا۔ اس کے بعد اس کے جو نتائج فاسدہ ہو سکتے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں۔

سوال واقعی اہم ہے اور اس مشکل کا صد فی صد حل مشکل تر۔ اگر اسے ہر ایک کے لیے حرام قرار دیا جائے تو نہ فقط سنت کے خلاف ہو گا' بلکہ فطرت سے جنگ ہو گی۔ فنون لطیفہ اور ان کے مفید پہلوؤں کا خون ہو گا۔ اور اگر سب کے لیے حلال کر دیا جائے تو اس کے مفاسد عام اور قابو سے باہر ہو جائیں گے۔ لہٰذا کوئی ایسی راہ اعتدال نکالنی پڑے گی جس میں مفاسد کم سے کم اور مصالح زیادہ سے زیادہ ہوں۔ قانون کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے۔ ورنہ ایسا کوئی بھی قانون نہیں بن سکتا جس میں سراسر فوائد ہی فوائد ہوں اور خرابی کوئی نہ ہو۔ اس راہ اعتدال کو معلوم کرنے سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مفاسد دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو قانون کی گرفت میں آ

جائیں اور ان پر نوٹس لیا جا سکے۔ اور دوسری قسم ان مفاسد کی ہوتی ہے جو نہ تو قانونی گرفت میں آسکتے ہیں اور نہ ان پر کوئی دار و گیر ممکن ہے۔ ایسے مفاسد کا علاج اخلاقی تربیت کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ بہت سے شرعی احکام ایسے ہیں جن کے ایک حصے پر تو گرفت ہوتی ہے اور دوسرے حصے کو فیما بینہ و بین اللہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہی معنی ہیں و حسابہ علی اللہ کے۔ اگر بے عذر شخص رمضان میں علانیہ روزے خوری کرتا ہو تو حکومت اسلامیہ اپنی تعزیر کو حرکت میں لائے گی۔ لیکن اگر وہ تنہائی میں جا کر روزہ توڑ دے تو یہ معاملہ اس کے اور خدا کے درمیان ہے و حسابہ علی اللہ۔ قانون یہاں کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص بظاہر تمام ارکان نماز ادا کر رہا ہو' لیکن دل میں گالی بک رہا ہو تو قانون اسے بے نماز نہیں کہے گا۔ مگر اس کا اصلی معاملہ اللہ کے اور اس کے درمیان رہے گا۔ اسلام کے سارے احکام میں ظاہر و باطن کے یہ دونوں پہلو موجود ہیں جن میں ایک پر قانونی گرفت ہو سکتی ہے اور دوسرے پر نہیں ہو سکتی۔ پس قانون کے بس میں صرف اتنا بھر ہی ہے کہ غنا و مزامیر کے مفاسد جہاں ظاہری طور پر نظر آئیں وہاں غنا و مزامیر پر دار و گیر کرے اور اسے روک دے۔ لیکن جہاں کوئی مفسدہ گرفت میں نہ آسکے وہاں خاموشی اختیار کرکے صبر کرے اور اس کے معاملے کو اللہ کے سپرد کرے۔ اگر مفاسد محسوس تو ہوں لیکن قانونی طور پر قابل گرفت نہ ہوں تو ان کا علاج اخلاقی تربیت ہے' مواعظ حسنہ ہیں' قانونی دباؤ سے روک دینا نہیں۔ اگر قانون یہ دیکھ رہا ہے کہ ناچ' رنگ' شراب' کباب' فحش' بے حیائی وغیرہ کا اظہار ہو رہا ہے تو اسے قطعاً حرکت میں آنا چاہئے۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو اسے صرف اس لیے روک دینا صحیح نہیں کہ بعض لوگ اس سے ناجائز اور غلط مصرف بھی لیا کرتے ہیں۔ غلط مصرف تو آج ہر شے سے لیا جا رہا ہے۔ نماز سے ریاکاری کا مصرف لیا جا رہا ہے۔ حج سے بلیک مارکیٹ کا مصرف لیا جاتا ہے۔ داڑھی سے دھوکے کا کام لیا

جاتا ہے۔ پورے مذہب سے محض حصول اقتدار کا مصرف لیا جا رہا ہے۔ کس چیز سے غلط مصرف نہیں لیا جا رہا؟ تو کیا ان تمام چیزوں کو ختم کر دینا چاہئے؟ یہ تمام غلط قسم کے مصرف صرف اس وجہ سے لیے جاتے ہیں کہ پیغمبر کا عطا کردہ مزاج و رجحان سامنے نہیں ہوتا۔ وہ نبوی نگاہ اگر پیدا کی جائے تو خواہ نماز ہو یا غنا و مزامیر' کسی سے بھی غلط مصرف لینے کا سوال نہیں پیدا ہو گا۔

ہمارا اپنا رجحان

ہم نے اپنی نصف صد سالہ زندگی میں گانے بجانے کی جو محفلیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں یا قابل اعتماد ذرائع سے سنیں ان کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ہر ایک کے متعلق ہماری رائے جداگانہ ہے۔

ا۔ ایک محفل سماع وہ ہوتی ہے جو مجموعہ ہے فواحش کا۔ اس میں پیشہ ور عورتیں یا مرد گاتے اور ناچتے ہیں۔ مضامین بھی بیشتر فواحش انگیز ہوتے ہیں۔ شراب و کباب کے دور چلتے ہیں۔ ان کا مقصد ہیجان انگیزی' نمائش حسن و ادا اور اظہار فخر و غرور کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی حرمت کے متعلق تو دلائل پیش کرنا بھی اضاعت وقت ہے۔ بلاشبہ بعض بزرگوں کے واقعات ایسے بھی ملتے ہیں کہ انھوں نے ایسی محفلوں سے بھی کچھ روحانی فوائد حاصل کیے ہیں۔ لیکن یہ ان کی ذاتی صلاحیت کی دلیل ہیں اور ہزاروں میں ایک آدھ مثالیں ایسی بھی ملتی ہیں۔ اسے عمومی جواز کے فتوے سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ کو کئی مثالیں ایسی ملیں گی کہ ایک شخص نے خودکشی کی نیت سے کوئی زہریلی چیز کھا لی' لیکن مرنے کے بجائے اس کا کوئی پرانا مرض دور ہو گیا۔ ایسے واقعات صحیح ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ ہر شخص کو مرض کہنہ دور کرنے کے لیے زہر کھا لینا چاہئے۔ نادر واقعات کلیہ نہیں بن سکتے' بلکہ وہ اپنی نقیض کی کلیت کو

ثابت کرتے ہیں۔

۲۔ ایک محفل سماع وہ ہوتی ہے جس میں گانا بجانا تو ہوتا ہے لیکن یہ فواحش نہیں ہوتے۔ اس کا مقصد کسی خوشی مثلاً شادی یا فتح وغیرہ کا اظہار ہوتا ہے، یا اعلان ہوتا ہے۔ ایسے غنا و مزامیر کو ہم حرام نہیں کہہ سکتے، بلکہ غلط نہ ہوگا اگر اسے سنت اور مستحب قرار دیا جائے۔ اس کی دلیل میں وہ تمام احادیث پیش کی جا سکتی ہیں جن کو ہم گزشتہ صفحات میں درج کر آئے ہیں۔

۳۔ ایک سماع وہ ہوتا ہے جو انسان اپنی دلچسپی کے لیے سنتا ہے۔ اسے اس کا ذوق ہوتا ہے اور وہ راگ سے فنی طور پر یا محض خوش الحانی کے طور پر اس سے دلچسپی لیتا ہے۔ نہ وہ اس کا اعلان کرتا ہے نہ لوگوں کو دعوت نامے بھیجتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ چند ہم ذوقوں کو بھی اس لطف میں شریک کر لیتا ہے۔ ایسے سماع کے متعلق عدم جواز کی کوئی قوی دلیل ہمیں نہ مل سکی۔ بلکہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بہت سے صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین، مجتہدین، فقہا اور فقرا کے جو نظائر پیش کیے ہیں، وہ اس کے جواز کے پہلو کو ترجیح دیتے ہیں۔

۴۔ ایک سماع وہ ہے جو کسی دوسرے قیمتی مشغلے کو نقصان پہنچائے بغیر خالی وقت گزارنے یا تھکن دور کرنے کے لیے سنا جاتا ہے۔ اس کے عدم جواز کی بھی کوئی واضح دلیل ہمیں نہ مل سکی۔

۵۔ ایک وہ گانا بجانا ہے جو کسی اچھے مقصد مثلاً مرض کا علاج کرنے، جوش قتال پیدا کرنے، قساوت قلب کو دور کر کے لینت و نرمی پیدا کرنے یا حیوانات میں تیز رفتاری پیدا کرنے یا بچوں کو لوری دینے وغیرہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

۶۔ ایک گانا بجانا وہ ہوتا ہے جس میں راگ سے زیادہ مضمون غنا کا دخل

ہوتا ہے۔ اور خوش الحانی میں تاثیر مزید پیدا کرنے کے لیے ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح حسن و جمال اپنی ایک مستقل تاثیر رکھتا ہے۔ اور بناؤ سنگھار اس کو دو بالا کرنے کے لیے ایک ثانوی چیز ہوتا ہے۔ یہ گانے اہل اللہ سنتے رہے ہیں' اور اس سے وہ بڑی روحانی بالیدگی حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح کے گانے ان لوگوں نے سنے ہیں جن کے علم و فضل' زہد و تقویٰ اور دینی و روحانی خدمات کو الگ کر لیا جائے تو اسلامی تاریخ کا بیشتر حصہ ورق سادہ ہو جائے گا۔ ایسی محافل کو تو بعض فقہانے جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں' مستحب تک لکھا ہے۔

۷۔ بعض سامعین ایسے ہوتے ہیں کہ اہل علم و تقویٰ ہونے کے باوجود اگر وہ کسی بہتر سے بہتر محفل سماع میں اتفاق سے پھنس جائیں تو انھیں شدید دماغی کوفت اور روحانی اذیت ہوتی ہے' یا تو اس لیے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اسے مکروہ سمجھتے ہیں' یا اس لیے کہ انھیں نہ موسیقی و خوش الحانی سے کوئی مس ہوتا ہے' نہ شعری مضامین سے کوئی لطف حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ بھائی تھے' جو نہایت پرہیز گار' جزئیات فقہ حنفی کے بڑے ماہر' انسانیت و شرافت کا نمونہ تھے' لیکن ان کے ذوق کے متعلق ایک لطیفہ سن لیجیے۔ ان کے سامنے کسی نے امیر خسرو کا یہ شعر پڑھا

نجام دین اولیا کو کو سمجھاوے
میں تو جوں جوں مناؤں او تو روسل جاوے

(یعنی حضرت نظام الدین اولیا کو کون سمجھائے؟ میں جتنا مناتا جاتا ہوں وہ اسی قدر روٹھتے چلے جاتے ہیں)۔

یہ شعر سن کر انھوں نے فرمایا یہ بالکل گپ ہے' نہ کوئی روٹھا تھا اور نہ کسی نے منایا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسے "متقی" بزرگوں کو سماع میں کیا

لطف آ سکتا ہے؟ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص کو موسیقی اور شاعری کا ذوق لازماً" ہو؟ ایسے حضرات کو ہمارا مشورہ یہی ہے کہ انھیں کسی محفل سماع میں بھولے سے بھی شریک نہیں ہونا چاہیے۔ انھیں کوئی روحانی بالیدگی ہونے کی بجائے سخت روحانی کبیدگی ہو گی۔ ان کے لیے یہ سمجھنا بھی بہت دشوار ہے کہ سماع سے کوئی روحانی بالیدگی و فرحت کیونکر ہو سکتی ہے؟

۸۔ ایک بہت عام اور رائج الوقت محفل سماع وہ ہے جو عام طور پر خانقاہوں میں یا مزاروں پر ہوتی ہے۔ یہ خاص طور پر کسی بزرگ کی تاریخ وفات کے موقع پر ایصال ثواب و فاتحہ خوانی کے سلسلے میں ہوتی ہے۔ اس کے پروگرام پہلے سے تیار ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ باقاعدہ اہل حلقہ اور عوام و خواص کے نام دعوت نامے بھی جاری کیے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق کہا یہی جاتا ہے کہ فلاں بزرگ بھی یہاں قوالی کراتے تھے اور ہم بھی ان ہی کی تقلید میں —— یہ تقلید عموماً" جامد ہوتی ہے، شعوری نہیں ہوتی —— اس "رسم" کو جاری رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی روحانی بالیدگی ہوتی ہے یا نہیں، اور اگر ہوتی ہے تو کس نوعیت کی اور کس کس کو ہوتی ہے، اسے صاحب محفل ہی جانتے ہوں گے۔ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ یہ ایک مستقل اور لازمی تقریب کی حیثیت سے ہمیشہ پابندی سے منائی جاتی ہے۔ زبان سے تو وہ اسے مباح ہی کہتے ہیں مگر عملی پابندی فرائض کی طرح ہوتی ہے۔ اس میں عوام و خواص، متقین و فساق، عالم و جاہل کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی، بلکہ سب ہی بلا تکلف شریک ہوتے ہیں۔ کسی نا اہل کے لیے ممانعت نہیں ہوتی، بلکہ ایسی اشتہاری صورت پیدا کی جاتی ہے کہ ہر کس و ناکس شریک ہو۔ بہت سی جگہوں میں حال و قال اور وجد یا اس کی نقل بھی ہوتی ہے اور کوئی مرشد اپنے مریدوں کو توجہ دیتا ہے یا توجہ کی نقالی کرتا ہے۔ کس کا حال اور کس

کی توجہ کچھ اصلیت رکھتی ہے اور کس کی محض نقالی ہوتی ہے' اس کا حال صرف خدا ہی جان سکتا ہے۔ مریدین اور معتقدین کسی ممتاز شخص یا مرشد کے آگے نذریں پیش کرتے ہیں جو قوالوں کو دی جاتی ہیں۔ اس مجمع میں بعض لوگ واقعی گریہ و زاری کرتے ہیں اور بعض صرف گانا سن کر لطف لیتے ہیں۔ اور بعض فقط حال و قال کا تماشا دیکھتے ہیں۔ کسی شریک محفل کی کیا نیت ہوتی ہے' اسے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن قرائن یا نجی گفتگو سے کچھ نہ کچھ پتہ چل ہی جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے اس کے اصلی محرکات کیا ہیں' اس کی تعیین کیے بغیر میں صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ مجھ سے اس کے اندرونی محرکات پوشیدہ نہیں۔ عام طور پر اس کا بڑا مقصد اپنے اثر و اقتدار اور امتیاز و تقدس کا خاموش مظاہرہ ہوتا ہے۔ خدا کرے میرا خیال غلط ہو اور اگر سوئے ظن ہو تو اللہ تعالی مجھے معاف فرمائے اور میری اصلاح کرے (آمین)۔ ایسی محفلوں کے متعلق ہمارا فتوئ دو رخ رکھتا ہے۔ محدثانہ نقطہ نگاہ سے بلکہ بڑی حد تک فقیہانہ زاویہ نظر سے بھی یہ ناجائز نہیں ہوتا۔ لیکن خود صوفیانہ نقطہ نگاہ سے اس کی اباحت میں بڑی دشواریاں ہیں کیونکہ اس کے لیے جو شرائط متفق علیہ صوفیا نے بتائی ہیں ان کی پابندی ہمیں رائج الوقت قوالیوں میں کہیں نظر نہیں آتی۔

صوفیہ کی شرائط سماع

یہاں ہم اختصار کے ساتھ بعض مسلم صوفیائے کرام کی بیان کردہ شرائط کو لکھتے ہیں۔ ان کو بنظر غور ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ سید علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش اپنی معرکہ آرا کتاب کشف المحجوب کے آخری باب میں اباحت سماع کی مندرجہ ذیل شرائط لکھتے

ہیں:
سالک بلا ضرورت سماع نہ سنے۔
اور طویل وقفے کے بعد سنے یعنی اسے مستقل مشغلہ نہ بنائے۔
محفل سماع میں مرشد موجود ہو
عوام شریک نہ ہوں
قوال فاسق نہ ہوں
سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو
طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو
وجد آئے تو اسے بہ تکلف نہ روکے اور نہ بہ تکلف کیفیت وجد کو جذب کرے
وجد کے وقت کسی کی مساعدت کو نہ روکے اور نہ اس کی امید رکھے
قوال کے گانے کی خوبی و زشتی کا اظہار نہ کرے
محفل میں لڑکے نہ ہوں
محفل میں رقص ناجائز ہے۔ (آخر میں حضرت ممدوح نے سماع بالکل ترک کر دیا تھا)

۲۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا ارشاد "راحت القلوب" ص ۱۲ میں یوں ہے:
سماع ان ہی لوگوں کے لیے جائز ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ اگر ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں جب بھی انھیں کچھ خبر نہ ہو۔

۳۔ خواجہ نظام الدین اولیا نے سماع کے جواز کی جو شرائط بیان فرمائی ہیں وہ "فوائد الفواد" صفحہ ۹۵ و صفحہ ۲۴۶ میں یوں ہیں:
سنانے والا لڑکا (امرد) نہ ہو۔

گانے میں ہزلیات اور فحش مضامین نہ ہوں۔
سننے والا صرف اللہ کے لیے سنے۔
مزامیر نہ ہوں۔
عورتیں نہ ہوں۔

۴۔ خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے متعلق اخبار الاخیار صفحہ ۷۶ میں ہے:
آپ کسی قسم کے مزامیر کو سماع میں پسند نہ فرماتے تھے۔

۵۔ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے سماع کے متعلق مختلف اقوال یوں ہیں:
اگر سماع سننے سے دل صرف حق کی طرف مائل ہو تو حلال ہے۔ اگر مجاز کی طرف میلان پیدا ہو تو حرام ہے۔
اگر حق کی طرف زیادہ اور مجاز کی طرف کم مائل ہو تو مباح ہے۔
اگر اس کے برعکس ہو تو مکروہ ہے۔ (معدن المعانی صفحہ ۴۶۳)
سماع اہل حق کے لیے مستحب' اہل زہد کے لیے مباح اور اہل نفس کے لیے مکروہ ہے۔ (مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۶۷)۔
سماع طلب منفعت کے لیے مذموم اور طلب حقیقت کے لیے محمود ہے۔
(معدن المعانی صفحہ ۴۶۷)
محفل سماع کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں۔ مکان' اخوان اور زمان۔
مکان مشائخ کی جگہ ہو۔ پاکیزہ' کشادہ اور روشن ہو۔ اخوان یعنی شرکا درویش یا درویشوں کے دوست ہوں' اہل تمیز' صحبت یافتہ اور صاحب ریاضت ہوں۔ زمان' یعنی بوقت سماع دل تمام چیزوں سے خالی ہوں۔ آداب یہ ہیں کہ شرکا دو زانو بیٹھیں' سر کو آگے جھکائے رہیں' دائیں بائیں نہ دیکھیں۔ ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں۔ پیاس معلوم ہو تو

پانی نہ پئیں۔ باہم گفتگو نہ کریں۔ قوال کو داد نہ دیں۔ اشعار کو بہتر طریق پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں۔ دل کو خدا کی طرف مائل رکھیں۔ (مکتوبات سہ صدی صفحہ ۲۷۰)۔

یہ ہیں وہ شرائط جن کے بعد صوفیہ کے نزدیک سماع مباح ہوتا ہے۔ بہت سے صوفیا ایسے بھی ہیں جن سے کوئی شرط منقول نہیں۔ لیکن غالب توقع یہی ہے کہ وہ بھی ان میں سے اکثر شرائط کا لحاظ کرتے ہوں گے۔ بعض صوفیہ کا قول ہماری نظروں سے یہ بھی گذرا ہے کہ سماع باوضو ہو کر سننا چاہئے۔ اب رہا یہ کہ انھوں نے اس قسم کی کڑی شرطیں کیوں لگائی ہیں؟ اس پر اس وقت بحث مقصود نہیں۔ البتہ دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر دور کے صوفی نے اپنے احوال و ظروف اور اپنے عصری تقاضوں کے مطابق ہی یہ شرائط لگائی ہیں۔ اور یہ ان کا صحیح اجتہاد ہے اس لیے اس خلجان میں نہیں پڑنا چاہئے کہ یہ شرائط بعضوں کے ہاں کچھ' اور بعضوں کے نزدیک کچھ کیوں ہیں اور سب کے سب ایک ہی قسم کی شرائط پر متفق کیوں نہیں؟ یہ اختلافات اپنی شدت و خفت کے لحاظ سے بالکل ویسے ہی ہیں جیسے محدثین کی شرائط صحت حدیث کے متعلق مختلف ہیں۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سماع کے متعلق کتاب و سنت میں اس قسم کی تصریحات یا شرائط اگر نہیں پائی جاتیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفیہ نے کوئی غلط بات کہی۔ ہمارے خیال میں ان کا یہ فقہی اجتہاد بہت صحیح ہے اور اس کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ گانے بجانے کا غلط استعمال نہ ہو۔ اگر ہمارے دور میں بھی فقہائے درویش اپنے عصری تقاضوں کے متعلق دوسری معقول شرائط و پابندی لگا دیں تو ان کے حق بجانب ہونے میں کلام نہیں ہونا چاہئے۔

مذکورہ بالا صوفیائے کرام نے جو شرائط سماع پیش فرمائی ہیں ان کی پابندی آج کسی آستانے' کسی درگاہ' کسی خانقاہ میں ہماری بدقسمت آنکھوں کو نہیں

نظر آ سکی۔ اس لیے ان کے جواز میں صوفیہ کو آڑ بنانے کی بجائے محدثین کو آڑ بنانا کسی حد تک زیادہ بہتر ہے۔

ایک ضروری بات

سماع دراصل ایک اندرونی محرک (Stimulation) ہے۔ ہر وہ فطرت جو انسان کے اندر دبی ہوئی ہو' اسے یہ ابھار کر باہر نکال دیتا ہے۔ ایک شخص خارجی اسباب کی وجہ سے بظاہر بخیل یا بزدل ہوتا ہے لیکن اس کے تحت الشعور میں بخل یا بزدلی کی بجائے سخاوت و شجاعت ہوتی ہے۔ اگر ایسے شخص پر موسیقی اثر کرے تو اس کے تحت الشعور کی دبی ہوئی سخاوت و شجاعت خواہ عارضی طور پر سہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جو شخص بظاہر متقی اور بہ باطن فاسق ہو' موثر گانا سننے سے اس کی حیوانیت ابھرنے لگتی ہے۔ غرض یہ ایک ایسا محرک ہے جو عموماً" اصلی فطرت کو باہر لے آتا ہے۔ صوفیہ نے سماع کے لیے جو کڑی شرطیں رکھی ہیں' اس کی اصلی وجہ غالباً" یہی ہے کہ نیک فطرت لوگوں کی نیکی تو بہرحال اور ابھرے گی لیکن اگر کسی کے اندر حیوانیت کا غلبہ تحت الشعور میں موجود بھی ہو' تو اسے ان کا قائم کردہ مقدس ماحول دبا دے۔ موثر موسیقی حب مطلق (Absolute Love) کو ابھارتی ہے۔ اس جذبے کے ابھار کے وقت طبیب روحانی یا مرشد کامل صحیح موقعے کو بھانپ لیتا ہے اور لوہے کو گرم پاتے ہی اپنی ناقابل تشریح روحانی توجہ کو کام میں لا کر ابھرتے ہوئے جذبات پر ایسی چوٹ لگاتا ہے جو بعض اوقات زندگی کے دھارے کا رخ بدل دیتی ہے۔ ممکن ہے لوگ ہماری ان باتوں کو محض اوہام یا شاعری سمجھ کر ہنسیں' لیکن چونکہ یہ حقائق منطقی استدلال سے بالاتر ہیں' اس لیے ہم صرف اسی قدر عرض کر کے خاموش رہیں گے کہ ذاق من ذاق و وجد من وجد

؎ اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے (۴۳)

ایک دوسرا رخ

لیکن ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہر کس و ناکس اسی روحانی فیض کو بہانہ بنا کر گانے بجانے اور اچھل کود کو اپنا مستقل مشغلہ بنا لیتا ہے۔ آپ کچھ سمجھانا چاہیں تو وہ ان احادیث کو پیش کر دے گا جن سے حضورؐ کا گانا اور دف سننا ثابت ہے۔ گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک سنت نبویؐ ہے جس پر عمل کیا جا رہا ہے۔ اسے یہ کون بتائے کہ سنت حضورؐ کی پوری زندگی ہے' صرف گانا سننا نہیں۔ حضورؐ ساری عمر گانا ہی نہیں سنتے رہے' کچھ اور بھی کیا ہے۔ یہ سچ ہے حضورؐ کے سارے کام کرنا ایک انسان کے بس کی بات نہیں لیکن مجموعی طور پر اتنا تو دیکھا جا سکتا ہے کہ زندگی کے تمام اعمال و وظائف کا رخ صحیح سمت کی طرف ہے یا نہیں۔ پس ہماری آخری رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی پوری زندگی اعلیٰ مقاصد اور نبویؐ مشن کی طرف لگا رکھی ہے اور غنا و مزامیر اس کے مقاصد میں معین و مددگار ہے یا کم از کم حارج و مزاحم نہیں تو اس کے لیے اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہیں تو فیصلہ آپ خود کر لیجیے۔ ایسے ہر شخص کو آپ ہی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ کیا وہ اقامت دین کا کوئی اہم کام کر رہا ہے؟ کسی اعلیٰ قدر کے قیام میں کوئی نمایاں اور لگاتار حصہ لے رہا ہے؟ اور کیا وہ اعلیٰ مقاصد کے لیے کسی ایثار و قربانی کا عملی ثبوت دے رہا ہے؟ اپنی اور دوسروں کی ذہنی' فکری' علمی' عملی اور روحانی' اخلاقی اصلاح اور ارتقاء میں قابل ذکر خدمات انجام دے رہا ہے؟ غیراللہ کی غلامی سے باہر نکلنے اور دوسروں کو نکالنے کی دھن اور لگن رکھتا ہے؟ کیا حب جاہ و مال کو ترک کر چکا ہے؟ اگر ایسا کوئی کام بھی وہ کر رہا ہے اور موسیقی اس میں کوئی مزاحمت نہیں کرتی تو وہ شوق سے اس سے دلچسپی لے۔

اگر وہ کبھی اس میں اعتدال سے کچھ باہر بھی ہو گا تو اس کی دوسری قیمتی کارگزاریاں اس کی لغزشوں کو ڈھانپ لیں گی۔ لیکن اگر اس کی زندگی کا رخ ہی صحیح نہ ہو' اور وہ کسی قیمتی خدمت میں لگا ہوا نہ ہو' تو محض موسیقیانہ دلچسپی اس کی روحانیت میں کوئی قابل قدر اضافہ نہیں کر سکے گی اور اسے سنت نبویؐ کا اتباع یا بزرگان دین کی پیروی قرار دینا فریب نفس ہے۔ اس کی بجائے صاف لفظوں میں ایک جائز کھیل اور تفریح کہہ کر پہلوئے جواز تلاش کرنا زیادہ صحیح ہے۔ ہم اس کے قائل نہیں کہ اگر کسی دلچسپی یا کھیل کا ثبوت کتاب و سنت میں صریحاً" نہ ملے تو وہ لازماً" ناجائز ہی ہو۔ ہزاروں تفریحات ایسی ہیں جن سے نہ حضورؐ نے دلچسپی لی' نہ دوسرے قابل اتباع بزرگوں نے' اس کے باوجود ان کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

مزید مباحث

"اسلام اور موسیقی" ۱۹۵۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ اشاعت ہوتے ہی ہندوستان اور پاکستان میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ سنجیدہ علمی حلقوں نے بہت سراہا۔ مگر دوسری طرف اخباروں اور رسالوں میں قدامت پسند اہل تقشف نے شدید تنقیدیں فرمائیں۔ اعتراضات اور جوابات سے مسئلے کے بہت سے ایسے رخ سامنے آ گئے جو کتاب میں واضح نہ ہو سکے تھے۔ ہم ان تمام مضامین کو یہاں شامل کتاب کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم و تحقیق اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

موسیقی اور نواب صدیق حسن خاں

نواب صدیق حسن خاں عجیب جامع شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف پوری ریاست بھوپال کو حسن و خوبی سے چلا رہے تھے اور دوسری جانب علمی سرپرستی اور دینی خدمت کے لیے وقف تھے۔ ریاست کے نظم و نسق کے لیے بھی ان کا قلم چلتا تھا اور تصنیف و تالیف میں بھی۔ ایک طرف وہ انتہائی متشرع تھے اور دوسری جانب مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی نقشبندی کے مرید بھی تھے۔ صرف خود ہی مرید نہ تھے بلکہ اپنے دونوں صاحبزادوں ——— نواب سید نور الحسن خاں اور نواب سید علی حسن خاں ——— کو بھی مرید کرایا۔ علوم متداولہ میں شاید ہی کوئی ایسا علم و فن ہو گا جس میں انھوں نے کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو۔ کم و بیش ڈھائی سو تصانیف کے مصنف ہیں۔ پھر ایک طرف تو وہ اہل حدیث تھے مگر دوسری طرف وہ حنفی طریقہ نماز کو اقرب الی السنۃ کہتے تھے۔ ادھر وہ اہل حدیث تھے اور ادھر وہ موسیقی بلکہ آلات مطربہ کے جواز کے بھی قائل تھے۔ فوجی بینڈ ان کے ہاں خوب بجتا تھا۔ اس سلسلے میں ہم ان کی مشہور تالیف "ابجد العلوم" کے کچھ دلچسپ اقتباسات نقل کرتے ہیں جس سے ان کے رجحانات کا علم ہو سکتا ہے۔ یہ اقتباسات "اسلام اور موسیقی" میں موجود نہیں ہیں، اس لیے یہاں (اپنی تشریح کے ساتھ) انھیں درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ابجد العلوم جلد ۲ ص ۳۰۰ میں وہ علم آداب السماع و الوجد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

حرمه الامام ابو حنیفة و مالک و الشافعی و احمد وغیرهم من المشائخ المعتد بهم فی امور الدین، و الآثار فیه کثیرة، و من الصوفیة من اباحه، و لا باس به

فقد دلت السنة الصحيحة علی ذلک بشرط ان لا یودی
الی المنکر فی الشرع و قد حقق المقام الامام الهمام
شیخنا العلامة المجتهد محمد بن علی الشوکانی فی
کتابه نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار و هو المعتمد
و اما الصوفیه فتاولوا ان له مراتب و سماع صوت طیب
و هو اما موزون او غیره۔ ثم الموزون اما مفهوم او غیره
فهذه درجات۔ و الصوت الطیب لا حرمة فیه بل هو
حلال کصوت البلابل و نغمة العنادل و لا یتفاوت ذالک
بصدوره عن حیوان او حنجرة انسان۔ و الموزون من
حیث انه موزون غیر محرم اذ قد انشد الشعر بین یدی
النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلا یکون الحرمة فیه الا
بحسب مفهومه و ان کان محرماً فیحرم سواء کان
موزونا او غیر موزون و الا فلا یحرم و لذا ورد: الشعر
حسنه حسن و قبیحه قبیح۔ و اذا عرفت کون الشعر
مباحاً فاعلم ان الکلام الموزون و الصوت الطیب
یحرک القلب سروراً و انقباضاً و نشاطاً و غما و
ذلک مرکوز فی طبع الانسان حتی الصبیان فی المهد
بل فی طبع الحیوان ایضاً کما یحکی من میل الجمال
الی الاصوات الطیبة و الحداء و اذا کان کذالک لم یجز ان
یحکم مطلقا باباحته او حرمته۔ بل یختلف ذلک
باختلاف احوال القلب۔ قال ابو سلیمان السماع لا
یجعل فی القلب ما لیس منه بل یحرک ما هو فیه و
ذکر فی مدینة العلوم سبع مواضع الغناء لیس ذکرها

مراداً لنافی هذا الموضع۔

"امام ابو حنیفہؒ، مالکؒ، شافعیؒ اور احمدؒ بن حنبل نے اور ان کے علاوہ بعض دوسرے اہل علم نے بھی —— جن پر دینی معاملات میں اعتماد کیا جاتا ہے —— سماع کو حرام قرار دیا ہے، اس باب میں بکثرت روایتیں موجود ہیں۔ بعض صوفیہ نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اس میں کوئی مضائقہ ہے بھی نہیں کیونکہ اس کے جواز پر سنت صحیحہ دلالت کرتی ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ شرعی ممنوعات کی طرف نہ لے جائے۔ امام شوکانی نے اپنی نیل الاوطار میں اس موضوع پر بڑی محققانہ بحث کی ہے جو قابل اعتماد ہے۔ صوفیہ یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ سماع کے مختلف درجے ہیں۔ اچھی آواز کا سننا کئی طرح کا ہے۔ موزون اور غیر موزون۔ پھر موزون قابل فہم ہو یا ناقابل فہم۔ یہ مختلف شکلیں ہیں۔ اور اچھی آواز کے سننے میں کوئی حرمت نہیں۔ یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح بلبلوں کی آواز و نغمہ۔ یہ خوش آوازی خواہ کسی حیوان سے نکلے یا انسان کے گلے سے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ موزون بھی بحیثیت موزون کے کوئی حرام نہیں، کیونکہ آنحضرتؐ کے سامنے شعر پڑھے (گائے) گئے ہیں۔ لہٰذا اس میں اگر حرمت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اس کے مضمون کے لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ اگر مضمون ہی حرام ہے تو وہ خواہ موزون کلام ہو یا غیر موزون سب ہی حرام ہیں، ورنہ کوئی بھی حرام نہیں۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ "شعر ایک کلام ہے جو اچھا ہو تو اچھا ہے، برا ہو

تو برا ہے۔" جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ شعر مباح ہے تو اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ موزوں کلام اور خوش آوازی سے دل میں سرور' انقباض' خوشی اور غم سب ہی طرح کی کیفیت پیدا ہوتی ہے' اور یہ انسان بلکہ گود کے بچے بلکہ حیوان کی فطرت میں بھی داخل ہے' جیسا کہ مشہور ہے کہ اونٹ اچھی آواز اور حدی خوانی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو اس کے مطلقاً حلال یا حرام ہونے کا حکم لگا دینا جائز نہیں۔ دل کے مختلف احوال کے مطابق یہ حکم بھی مختلف ہو جائے گا۔ ابو سلیمان کہتے ہیں کہ "سماع دل کے اندر کوئی ایسی نئی چیز پیدا نہیں کرتا جو پہلے سے اس میں موجود نہ ہو' بلکہ دل میں جو کچھ موجود ہوتا ہے' یہ اسی کو ابھار دیتا ہے۔" ابو سلیمان نے اپنی کتاب "مدینۃ العلوم" میں گانے کے سات مواقع کا ذکر کیا ہے جن کو یہاں بیان کرنا مقصود نہیں۔"

نواب صاحب نے ائمہ اربعہ کے متعلق تو یہ لکھا ہے کہ یہ سب گانے کو حرام سمجھتے ہیں۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی تائید نہیں کرتا۔ ملاحظہ ہو:

امام مالکؒ:

"پرسیدہ شد امام مالک از سماع' پس گفت: دریافتم اہل علم را در بلاد خود منکر نیستند آں را و می شنید ازاں و گفت: منکر نشود آں را مگر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ الطبع۔ وہم چنیں نقل کردہ است از وے گروہ معتبر و حکایت کردہ است

اباحت را از وے امام قشیری و استاذ ابو منصور و قفال و غیر ایشاں۔ و آں چہ نقل کردہ شدہ است از امام مالک کہ گفت "نمی شنوند آں را مگر فاسقاں" محمول است بر غنائے کہ مقترن است بوے منکر جمعابین القول و الفعل ----
پرسیدند از وے (ابراہیم بن سعد) از احوال مالک'
پس گفت: خبر داوند مرا کہ دعوتے بود در بنی یربوع و باقوم دفوف و عودہا کہ تغنی ی کروند و لعب ی نمودند و بود مالک را دف مربع کہ می زد آں را و تغنی مے نمود ------"
(ترجمہ) امام مالک سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ "میں نے اپنے بلاد (حجاز) میں اہل علم سے دریافت کیا ہے وہ اس کے منکر نہیں۔" مالک نے یہ بھی کہا کہ "اس کا منکر تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو عامی' جاہل یا سخت دل عراقی ہو۔" بعض معتبر لوگوں نے ان سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ امام قشیری' استاذ ابو منصور اور قفال وغیرہم نے بھی امام مالک سے جواز ہی کو روایت کیا ہے۔ اور امام مالک کا جو یہ قول بیان کیا جاتا ہے کہ "گانا صرف فاسق ہی سنتے ہیں" وہ اس گانے پر محمول ہے جو ممنوعات شرعی سے وابستہ ہو۔ آپ کے قول و فعل کو یوں ہی یکجا کیا جا سکتا ہے۔ نیز ابراہیم بن سعد سے امام مالک کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ "مجھے تو یہ روایتیں پہنچی ہیں کہ بنی یربوع کی ایک دعوت میں آپ بھی شریک تھے۔ وہاں دفوں اور طنبوروں پر لوگ گا بجا کر دلچسپی لے رہے تھے۔ امام مالک کے پاس ایک چوکھٹی دف تھی جسے بجا

بجا کر آپ بھی گا رہے تھے۔ (یہ روایات صرف مدارج النبوۃ ہی میں نہیں بلکہ زبیدی کی شرح احیاء العلوم جلد ۴' ص ۴۵۷ میں بھی موجود ہے)۔

امام شافعیؒ

پھر شیخ عبدالحقؒ محدث امام شافعی کے متعلق لکھتے ہیں:

گفتہ است غزالی کہ تحریم غنا مذہب او (امام شافعیؒ) نیست و تتبع کردم چندیں از مصنفات وے را' ندیدم او را نصے بہ تحریم وے۔ و استاذ ابو منصور بغدادی گفتہ است کہ مذہب وے اباحت سماع است بقول و الحان چوں بشنود مرد از مرد یا از جاریہ خود یا از امراتے کہ حلال است نظر بہ وے یا بشنود در خانہ خود یا خانہ بعضے از صدقائے خود۔ و نشنود آں را درمیان راہ و مقترن نہ گردد سماع بہ چیزے از منکرات و ضائع نہ کند بہ سبب آں اوقات نماز را۔ و روایت کردہ است ابو منصور بغداوی از یونس بن عبدالاعلیٰ کہ شافعی استصحاب کرد مرا سوئے مجلسے کہ در وے قینہ بود و تغنی مے کرد۔ چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی! آیا خوش داری تو ایں را؟ گفتم نہ۔ گفت اگر راست می گوئی نیست ترا حس صحیح۔ یعنی خوش داشتن غنا علامت سلامت طبع و حس است و ناخوش داشتن نشان اعوجاج طبیعت و نقصان حس۔ و ازیں جا معلوم مے شود کہ دلیلے شرعی بہ حرمت و کراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش داشتن طبع آں را چہ فائدہ کردے؟ ----- و بالجملہ تحقیق صحیح شدہ است از

قول و فعل شافعی چیزے کہ صریح است در اباحت و نیست نص در تحریم۔

(ترجمہ) غزالی کہتے ہیں کہ "امام شافعیؒ کا مذہب حرمت غنا نہیں ہے۔" میں نے ان (شافعیؒ) کی بہتیری تصانیف میں جستجو کی لیکن حرمت غنا کے بارے میں کوئی نص نہ مل سکی۔ ابو منصور بغدادی کہتے ہیں کہ امام شافعی کا مذہب جواز سماع ہی ہے خواہ مرد، مرد سے سنے یا اپنی کنیز سے یا کسی ایسی عورت سے جسے دیکھنا جائز ہے اور خواہ اپنے گھر پر سنے یا کسی دوست کے گھر پر۔ ہاں راستے میں نہ سنے اور سننے میں منکرات شرعی کی آلودگی نہ ہو اور اس کی وجہ سے نماز کے اوقات ضائع نہ ہوں۔ ابو منصور بغدادی یونس بن عبدالاعلیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ ایک بار مجھے اپنے ساتھ ایسی محفل میں لے گئے جہاں کنیز گانا گا رہی تھی۔ وہ گانے سے فارغ ہوئی تو امام شافعی نے مجھ سے پوچھا کہ تمہیں یہ پسند آیا؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں حس لطیف موجود نہیں۔" دوسرے لفظوں میں گانے کو پسند کرنا سلامت طبع اور حس صحیح کی علامت ہے اور اسے ناپسند کرنا طبیعت کی کجی اور حس لطیف کی کمی کی نشانی ہے۔ یہیں سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ گانے کی حرمت یا کراہت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو گانے کا پسند کرنا بھی کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا؟ مختصر یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے قول و فعل سے جو صحیح تحقیق کی بات ثابت

ہوتی ہے' وہ یہ ہے کہ وہاں گانے کا جواز صراحت کے ساتھ موجود ہے اور حرمت کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔

یہ تحقیق صرف شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہی کی نہیں بلکہ خود امام غزالی بھی یہی لکھتے ہیں۔ چنانچہ احیاء العلوم ج ۲ ص ۱۹۴ میں فرماتے ہیں۔

قال یونس بن عبدالاعلیٰ سالت الشافعیؒ عن اباحۃ اھل المدینۃ السماع فقال الشافعی لا اعلم احدا من علماء الحجاز کرہ السماع۔

"یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ "میں نے امام شافعی سے دریافت کیا کہ اہل مدینہ کا گانا سننے کے جواز کے متعلق کیا خیال ہے؟" امام شافعی نے کہا کہ "مجھے علمائے حجاز میں کسی ایسے شخص کا علم نہیں جو سماع کو مکروہ سمجھتا ہو۔"

امام احمد بن حنبلؒ

پھر یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی اسی مدارج النبوۃ میں امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"اما امام احمد بن حنبلؒ صحیح شدہ است روایت کہ وے شنیدہ است غنا را نزد پسر خودش کہ نام وے صالح است۔ روایت است از ابو العباس فرغانی کہ می گفت: شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفتہ بودم کہ دوست می داشتم سماع و بود پدر من کہ ناخوش می داشت آں را پس وعدہ کردم ابن جنادہ را کہ باشد نزد من شبے۔ پس باشید نزد من تا دانستم کہ خواب کرد پدر من۔ پس شروع کرد ابن جنادہ در تغنی پس شنیدم آواز پائے را بر بام۔ پس

بر آمدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ می شنود غنا را و دامن در زیر بغل اوست و وے می خرامد بالائے بام گویا کہ رقص می کند۔ و مثل ایں قصہ از عبداللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است و ایں دلالت دارد بر اباحت سماع نزد وے رحمتہ اللہ علیہ و آنچہ منقول است مخالف ایں محمول است بر غنائے مذموم و مقترن بہ فحش و منکر۔ و روایت کردہ است از احمد کہ وے شنید قوالے را نزد پسرش صالح و انکار نہ کرد۔ پس گفت پسر وے: اے پدر آیا نہ بودی تو کہ انکار می کردی و مکروہ می داشتی تو آں را؟ گفت: بہ من چناں رسانیدہ اند کہ استعمال می کنند با وے منکر را۔

(ترجمہ) امام احمد بن حنبل کے متعلق صحیح روایت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے فرزند صالح نامی کے پاس گانا سنا ہے۔ ابو العباس فرغانی کہتے ہیں کہ میں نے صالح بن احمد بن حنبل کو یہ کہتے سنا ہے کہ: میں تو گانا سننے کو بہت مرغوب رکھتا تھا اور میرے والد کو یہ پسند نہ تھا۔ میں نے ابن جنادہ سے ایک بار وعدہ لیا کہ وہ ایک رات میرے پاس گزارے۔ مجھے جب یہ محسوس ہو گیا کہ میرے والد سو گئے ہیں تو ابن جنادہ نے گانا شروع کیا۔ میں نے کوٹھے پر پاؤں کی چاپ سنی اور میں چھت پر آگیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے والد گانا سن رہے ہیں اور بغل میں اپنے دامن کو دبائے ہوئے ادھر سے ادھر ٹہل رہے ہیں، گویا رقص کر رہے ہیں۔ ----- عبداللہ بن احمد بن حنبل سے بھی اسی قسم کی

روایت منقول ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد کے نزدیک گانا مباح ہے اور جو کچھ اس کے خلاف منقول ہے وہ ایسے گانے پر محمول ہے جو بے حیائی اور منکرات سے وابستہ ہو۔ امام احمد کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند صالح نامی کے پاس ایک قوال سے گانا سنا اور اس پر کوئی نکیر نہ کی۔ اس پر آپ کے صاحبزادے نے پوچھا کہ: ابا جان! کیا آپ وہی نہیں جسے اس سے انکار تھا اور جو اسے مکروہ سمجھتا تھا؟ آپ نے جواب دیا: بھئی مجھے جو اطلاعیں ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگ گانے کے ساتھ منکرات کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔"

امام اعظمؒ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کے متعلق صرف سرود ہمسایہ والا واقعہ یاد دلانا کافی ہے جس کو صاحب تذکرہ حمدونیہ نے، ابن قتیبہؒ نے، مطرزیؒ نے، اوفویؒ نے، رماویؒ نے اور بھی کئی ایک ثقات نے ذکر کیا ہے۔ رماوی (المعروف کندی) نے تو اسے منظوم بھی کیا ہے۔ یہاں صرف صاحب تذکرۂ حمدونیہ کا ایک جملہ سن لیجئے۔ ابن قتیبہؒ لکھتے ہیں:

حکی صاحب التذکرة الحمدونیة ان ابا حنیفة و سفیان الثوری سئلا عن الغناء فقالا لیس من الکبائر و لا من الصغائر۔

صاحب تذکرۂ حمدونیہ روایت کرتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ سے گانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ: نہ یہ کبیرہ گناہ ہے نہ صغیرہ

(یعنی سرے سے گناہ ہی نہیں)۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے نواب صاحب نے معلوم نہیں کس طرح یہ لکھا کہ ائمہ اربعہ نے سماع کو حرام قرار دیا ہے۔ خود نواب صاحب کا ذاتی میلان بھی جواز موسیقی کی طرف ہے اور وہ اس معاملے میں ابن حزم اور شوکانی وغیرہ کے ہم نوا ہیں جیسا کہ ہم کئی مواقع پر واضح کر چکے ہیں۔

امام شوکانیؒ

نواب صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں امام شوکانی کی نیل الاوطار کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہم نے یہ پوری عبارت لفظ بہ لفظ دیکھی ہے۔ فی الواقع بڑی جامع بحث کی ہے۔ اس میں شوکانی نے تمام مخالف و موافق روایات غنا و مزامیر کو یکجا کر دیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کی تمام روایتیں ناقابل قبول ہیں اور اس کے جواز کی روایتیں صحیح ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں ـــــــ اور شوکانی ہی نہیں بلکہ سارے اہل علم محدثین اور صوفیہ بھی کہتے ہیں ـــــــ کہ حرمت کی روایات صرف اس غنا کے لیے ہیں جو منکرات میں مبتلا کر دے یا فرائض سے غافل کر دے۔

ایک فروگذاشت

لیکن ہمارے نزدیک یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کا ذکر صرف موسیقی ہی کے سلسلے میں ضروری ہو' کیونکہ منکرات میں مبتلا کرنے والی ہر مباح شے کا یہی حال ہے۔ نیز ہر مباح جہاں اپنے بیرونی عوامل کی وجہ سے خلاف اولیٰ' مکروہ تنزیہی' مکروہ تحریمی اور حرام ہو سکتی ہے' وہاں مستحب' سنت' واجب اور فرض بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اگر غنا و مزامیر کے سلسلے میں یہ لکھا جائے کہ یہ فلاں وجوہ سے مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام ہو جاتے ہیں تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی ساتھ لکھ دیا جائے کہ فلاں عوامل سے مستحب' سنت' واجب اور فرض بھی ہو

جاتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کیوں اس پہلو کو اہل علم نمایاں نہیں فرماتے۔ بہرکیف امام شوکانی نے نیل الاوطار میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ لیکن اس سے بہت زیادہ جامع چیز وہ کتاب ہے جو شوکانی نے صرف اسی موضوع پر لکھی ہے اور اس کا نام ہے ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع۔ اس میں شوکانی، ابن حزم، ابن طاہر، مقدسی، ابن ابی الدنیا، ابن حمدان ازبلی، ذہبی، ابوبکر بن عربی، علاؤ الدین قونوی وغیرہم کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ حرمت غنا و مزامیر کے متعلق جتنی روائتیں ہیں وہ سب موضوع ہیں۔ اس کے باوجود معلوم نہیں کیونکہ انہی روایات کی پھر یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ یہ اس غنا و مزامیر کے متعلق ہیں جو منکرات سے وابستہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ روایات ہی موضوع ہیں تو قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ان کی تاویل و توجیہ کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ یہ عجیب موقف ہے کہ روایات موضوع بھی ہیں اور ان کے لیے صحیح مورد و محل بھی تلاش کیے جا رہے ہیں۔ رہا یہ اصول کہ اگر موسیقی سے منکرات وابستہ ہوں تو وہ ناجائز ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ اس کے لیے کسی موضوع روایت کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہیں اور پھر خاص طور پر موسیقی کے ذکر میں اس اصول کو گھسیٹنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ یہ اصول ہر مباح پر چسپاں ہو جاتا ہے، خواہ کوئی روایت اس کی تائید میں ہو یا نہ ہو۔ اور ایک مباح پر کیا موقوف ہے؟ کون سا مستحب، سنت اور واجب ہے جہاں یہ اصول چسپاں نہیں ہوتا؟ نفل روزہ رکھنا بہت ثواب ہے۔ لیکن اگر یہ روزہ رکھنے والا اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ نماز بھی نہیں ادا کر سکتا تو یہ اصول اس روزے پر بھی چسپاں ہو گا۔ یہ تو ایک کامن سنس (Common Sense) کی بات ہے۔ اسے ہر جگہ موسیقی پر خاص طور سے چسپاں کرنا، اور وہ بھی موضوع روایات کا سہارا لے کر، بے معنی اور بے ضرورت ہے۔ ہم اس پر ماہ نامہ ثقافت (فروری ۵۹ء) میں بھی مفصل بحث

کر چکے ہیں۔ اسے دیکھ لینا مفید ہو گا۔ اس کے علاوہ ثقافت (اگست ۵۸ء) میں یہ وضاحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ موسیقی پر حرام کا اطلاق کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار خدا کے سوا نہ رسول کو ہے نہ امت کو۔ رسول یا امیر صرف آرڈی ننس نافذ کر سکتا ہے' خواہ قصیر المیعاد ہو یا طویل المیعاد لیکن مستقلاً" کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کر سکتا۔

محرک محض یا محرک خیر

نواب صاحب نے آخر میں ایک حد تک صحیح فیصلہ دیا ہے کہ "جب صورت حال یہ ہے کہ سماع کے متعلق مطلقاً حرمت یا اباحت کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ قلبی احوال کے اختلاف سے یہ حکم بھی مختلف ہو جائے گا۔" پھر ابو سلیمانؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "سماع دل کے اندر کوئی ایسی نئی چیز نہیں پیدا کرتا جو پہلے سے اس میں موجود نہ ہو' بلکہ دل میں جو کچھ پہلے سے موجود ہوتا ہے' یہ اسی کو ابھار دیتا ہے۔" یعنی یہ ایک محرک ہے جو اندر کی نیک یا بد صلاحیتوں کو باہر لے آتا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلوارویؒ نے یوں لکھا ہے:

> "اے عزیز بعض غذا و دوا مستحیل بہ خلط غالب ہوتی ہے یعنی معدے اور جگر میں جو خلط غالب ہوتی ہے' صحیح ہو یا فاسد' یہ اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ یہی حال سماع کا ہے کہ دل و دماغ میں جو خیالات ہوتے ہیں انہی کو یہ تیز کر دیتا ہے۔ پس جب تک دل و دماغ آلائش ظلماتی سے پاک نہ ہوں اور ان میں اصلی محبت کی تخم ریزی نہ ہو' لا یجوز السماع حقاً" (سماع واقعی جائز نہیں)۔ کم علم "مشائخ" چاہے جو سمجھیں' مگر ہمارے ہاں رقاصی و ہاؤ ہو لا یعبابہ

ہے۔ مقصود کچھ اور ہے۔ (شمس المعارف مکتوب بنام
مولوی اسمٰعیل صاحب مدرس مشن سکول سیالکوٹ)

بات صحیح ہے لیکن بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہوتا ہے' جیسا کہ کرد علی القدیم و الحدیث کے ص ۲۱۳ میں لکھتے ہیں۔

فیھا قد یجسر الجبان فی ساحۃ الوغی و یکرم
الشحیح و یرق الکثیف و یلین القاسی و یقوی
الضعیف و یعدل الظالم و یعطف اللئیم۔

بعض اوقات اس (موسیقی) سے بزدل میدان جنگ میں شیر
دل بن جاتا ہے' بخیل سخی ہو جاتا ہے' کثیف میں لطافت اور
سخت دل میں نرم دلی پیدا ہو جاتی ہے' کمزور قوی اور ظالم
عادل بن جاتا ہے' اور کمینہ شریف ہو جاتا ہے۔

اس مضمون کی تائید شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے مضمون سے بھی ہوتی ہے جو اپنی لمعات میں لکھتے ہیں:

"نفس ناطقہ میں لطیف کیفیت پیدا کرنے کے لیے کند ذہن
اور جامد طبیعت والے کو گانا سننے کی ضرورت ہے ... اس
ضمن میں اس شخص کے لیے رباب اور طنبورے کی موسیقی
بھی مفید ہے ... اگر کند ذہن اور جامد طبیعت رکھنے والا اس
سے مستفید ہوتا رہے تو وقتاً فوقتاً اس کے نفس ناطقہ میں
خاص قسم کی کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے ... اور اس طرح کند
ذہن آدمی کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔" ترجمہ لمعات از پروفیسر
سرور ص ۱۶۸)

اسی طرح افلاطون نے' ابن سینا نے اور کرد علی نے موسیقی کو بہت سے روحانی اور جسمانی امراض کا علاج بتایا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے "اسلام اور

موسیقی" ص۱۲۹ تا ۱۳۱)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیقی محرک محض ہی نہیں، بلکہ عموماً" محرک خیر بھی ہے۔ محرک خیر سے ہماری مراد یہ ہے کہ اگر سامع میں بہ ظاہر شر ہو تو سماع اسے خیر سے بدل دیتا ہے۔ ابجد العلوم کی اگلی عبارت سے آپ کو معلوم ہو گا کہ خود نواب صاحبؒ بھی اسے محرک محض نہیں بلکہ محرک خیر تسلیم کرتے ہیں جس سے روحانی بلندیاں حاصل ہوتی ہیں۔

نواب صاحبؒ آگے چل کر علم الموسیقی کے عنوان کے تحت ص۶۶۸ و ۶۶۹ میں لکھتے ہیں:

و من الکتب المصنفۃ فیہ کتاب الفارابی و ھو اشھرھا و احسنھا و کذالک کتاب الموسیقی من ابواب الشفا لابن سینا و لصفی الدین عبدالمومن مختصر لطیف و لثابت بن قرۃ تصنیف نافع و لابی الوفاء الجوزجانی مختصر نافع فی فن الایقاع۔ و الکتب فی ھذا الفن کثیرۃ .... و قد اتفق الجمھور علی ان واضع ھذا الفن اولاً فیثا غورث من تلامذۃ سلیمان علیہ السلام .... الٰی ان انتھت النوبۃ الٰی ارسطاطالیس فتفکر ارسطو فوضع الارغنون .... و کان غرضھم من استخراج قواعد ھذا الفن تانیس الارواح و النفوس الناطقۃ الٰی عالم القدس لا مجرد اللھو و الطرب فان النفس قد یظھر فیھا باستماع بواسطۃ حسن التالیف و تناسب النغمات بسط فتذکر مصاحبۃ النفوس العالیۃ و مجاورۃ العالم العلوی و تسمع ھذہ النداء۔

ارجعی ایتھا النفس الغریقۃ فی الاجسام المدلھمۃ فی فجور الطبع الٰی العقول الروحانیۃ و الذخائر

النورانیة و الاماکن القدسیة فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ و من رجال ھذا الفن من صار له ید طولیٰ کعبد المومن فان له فیه شریفة، و خواجه عبدالقادر بن غیبی الحافظ المراغی له فیه کتب عدیدة و قد اطال ابن خلدون فی بیان صناعة الغناء فمن شاء فلیرجع الیه فانه بحث نفیس۔

(ترجمہ) فن موسیقی میں جو تصنیفات ہیں ان میں ایک تو فارابی کی کتاب ہے جو سب سے زیادہ مشہور اور سب سے بہتر ہے۔ اور ایسی ہی عمدہ کتاب "الموسیقی" ہے جو بو علی سینا کی کتاب الشفا کا ایک حصہ ہے۔ صفی الدین عبدالمومن کی بھی ایک مختصر اور لطیف تصنیف ہے۔ ایک منفعت بخش تصنیف ثابت بن قرہ کی بھی ہے اور ایک نفع بخش کتاب ابو الوفا بوزجانی (۴۴) کی بھی ہے جو تال کے فن میں ہے اور اس فن موسیقی میں تو بے شمار تصانیف اور بھی ہیں ... جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اس فن کو فیثا غورث نے وضع کیا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک شاگرد تھا.... اور پھر ارسطاطالیس پر یہ فن ختم ہوا۔ پھر ارسطو نے غور و فکر کرکے ارگن باجا ایجاد کیا ... فن موسیقی کے قواعد مرتب کرنے سے ان لوگوں کا مقصد محض کھیل تماشا نہ تھا بلکہ ان کی غرض یہ تھی کہ روح اور نفس ناطقہ کو عالم قدس سے مانوس کیا جائے کیونکہ عمدہ ربط (آواز کے اتار چڑھاؤ کے تسلسل) اور نغموں کے تناسب کے ذریعے نفس میں انبساط پیدا ہوتا ہے اور وہ نفوس عالیہ

کی ہم نشینی اور عالم علوی کا قرب محسوس کرتا ہے' اور یہ
آواز سنتا ہے کہ "اے نفس جو طبیعی فجور رکھنے والے مادی
جسم میں ڈوبا ہوا ہے' ذرا روحانی عقلوں اور نورانی ذخیروں
کی طرف بھی پرواز کر اور ان مقامات قدسیہ کی طرف متوجہ
ہو جو خدائے ملیک و مقتدر کے پاس سچائی کے ٹھکانے میں
موجود ہیں۔" اس فن کے بعض ماہروں کو ید طولیٰ حاصل
تھا' مثلاً عبدالمومن کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ خواجہ
عبدالقادر بن غیبی' حافظ مراغی کی اس فن میں کئی کتابیں ہیں'
اور ابن خلدون نے تو موسیقی پر بڑی طویل بحث کی ہے جو
بڑی نفیس ہے۔ چاہو تو اسے دیکھ لو۔"

نواب صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بڑی جلیل القدر ہستیاں فن موسیقی کی ماہر گزری ہیں' اور اکثر نے بڑی اعلیٰ تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ "اسلام اور موسیقی" میں ہم نے اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ (ص ۱۲۱ تا ۱۲۸ دیکھئے)

ایک فروگزاشت

معلوم نہیں نواب صاحب نے حضرت سلیمانؑ کے ایک شاگرد فیثاغورث کو اس فن کا موجد کیسے مان لیا حالانکہ اس سے پہلے سیدنا داؤدؑ میں یہ فن پوری طرح موجود تھا۔ زبور میں تو ہر جگہ وضاحت سے لکھا ہے کہ فلاں راگ میں اور فلاں ساز پر پڑھو۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے "اسلام اور موسیقی" ص ۳۵ تا ۳۸) معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات غیر تحقیق شدہ باتوں کے متعلق بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ اس پر جمہور کا اتفاق ہے' حالانکہ حقیقت بالکل اس کے خلاف ہوتی ہے۔ یا پھر یہ مان لینا چاہیئے کہ بعض اوقات غلط باتوں پر بھی جمہور کا

اتفاق ہو جاتا ہے۔ فیثا غورث کو فن موسیقی کا اول واضع کہنے میں بھی اسی قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ اور ہم تو اپنے دور میں یہ تماشا بھی دیکھ چکے ہیں، بعض حضرات نے بڑی بے تکلفی سے ارشاد فرمایا کہ: "گانے کے حرام ہونے پر اجماع امت ہے۔" حالانکہ واقعہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اجماع امت اس کی حلت، جواز اور اباحت پر رہا ہے، ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لیکن پروپیگنڈا یہ ہے کہ اللہ نے، رسولؐ نے اور جمہور امت کے اجماع نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

قرآن میں موسیقی کا ذکر

جس وقت میں "اسلام اور موسیقی" لکھ رہا تھا اس وقت کئی بار قرآن پاک کی تلاوت اس نیت سے کی کہ کوئی آیت ایسی مل جائے جس میں اگر صراحتہ" نہیں تو کنایتہ" ہی سہی حرمت غنا کا کوئی حکم موجود ہو۔ میری تلاش منفی قسم کی تھی' کیونکہ عام طور پر یہ سنا کرتا تھا کہ گانا بجانا ناجائز ہے۔ میری زندگی میں یہ تضاد بھی رہا ہے کہ بچپنے سے ہمیشہ قوالی اور دوسرے گانوں سے بغایت دلچسپی لیتا رہا ہوں' جہاں کوئی نئی دھن' نیا لہجہ' اور نئے طرز کی کوئی چیز سنی اور اس کی نقالی شروع کر دی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں بیمار پڑا' اور مجھ بے ماں کے بچے کی بیماری سے سارا گھر پریشان ہو گیا۔ لیکن چند ہی دنوں میں میرے گھر کی بزرگ عورتوں نے فتویٰ لگا دیا کہ بس اب یہ رو بہ صحت ہے۔ ان بزرگ عورتوں کے پاس میرے روبہ صحت ہونے کی ایک ہی علامت تھی اور وہ یہ تھی کہ اب یہ بچہ آہستہ آہستہ گانے لگا ہے۔

اس پورے شغف کے باوجود مذہب کا بڑا گہرا نقش میرے دل پر ابھرا رہا اور اس غنائی دلچسپی کے باوجود گانے بجانے میں ایک کراہت و حرمت محسوس کرتا رہا' یا کم از کم خلاف تقویٰ سمجھتا رہا۔ اس تضاد کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جہاں ایک طرف بہت سے بزرگوں کو گانا سنتے دیکھتا تھا وہیں بہت سے بزرگوں کو

اس سے کامل اجتناب کرتے بھی دیکھتا۔ خود میرے گھر کا یہ حال تھا کہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا شاہ سلیمانؒ) خوب قوالی سنتے تھے اور میرے ماموں جان حضرت مولانا شاہ عین الحقؒ اس سے کامل اجتناب فرماتے تھے۔ میرے دل پر آج تک ان دونوں کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کا ایسا سکہ بیٹھا ہوا ہے کہ غالباً مرتے دم تک اسے دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکوں گا۔ یہ سن لیجئے کہ مولانا شاہ عین الحق اپنی خاندانی خانقاہ کی گدی چھوڑ کر "وہابی" یا اہل حدیث ہو گئے تھے لیکن چونکہ میرے والد ماجد کے پیر و مرشد کے صاحبزادے بھی تھے' اس لیے وہ ماموں جان کی دست بوسی کرتے تھے' حالانکہ ماموں ان سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ جب وہ ہوتے میرے والد نماز کا امام ان ہی کو بناتے تھے۔ میں بچپنے میں یہ سب باتیں دیکھا کرتا تھا کہ ایک گانا سننے والا اسے امام بنا رہا ہے جو گانا بجانا جائز ہی نہیں سمجھتا اور اس سے سن میں چھوٹا بھی ہے۔ اس کا اثر میرے لاشعور پر یہی پڑ سکتا تھا کہ گانے بجانے سے احتراز کرنے والا زیادہ متقی ہوتا ہے' ورنہ وہ کیوں امامت کرتا جبکہ وہ سن میں بھی چھوٹا ہے۔

اس کے بعد ایک تضاد اور بھی میرے سامنے آیا جس نے مدتوں مجھے پیچیدگی میں مبتلا رکھا۔ مولانا شاہ عین الحق ہو تو گئے تھے اہل حدیث مگر نتیجتہ" وہ اہل حدیث حضرات کے بہت بڑے "پیر" بن گئے۔ نواب سید صدیق حسن خاں اور میاں نذیر حسین مونگیری ثم دہلوی کے بعد شاید اتنا بڑا معزز کوئی اہل حدیث نہ ہوا ہوگا۔ یہ خود میاں صاحب کے شاگرد بھی تھے۔ اس اہل حدیثیت کے باوجود ان میں ایک تضاد بھی دیکھا کرتا تھا۔ میرے یہ ماموں جان قوالی کو ناجائز سمجھنے کے باوجود گراموفون خوب سنا کرتے تھے اور اسے جائز بتاتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ غنا و مزامیر نہیں بلکہ صرف اس کی نقل ہے' جو مقید کر لی گئی ہے اور جو فتویٰ اصل پر ہو وہ نقل پر نہیں ہو گا۔ اگر ریکارڈ میں نماز بھر لی جائے تو اس کے پیچھے اقتدا جائز نہیں ہو گی۔ کیونکہ اصل نماز اور اس کی

مقید شکل نقل کا حکم الگ الگ ہے۔ (موصوف کا یہ استدلال مزاحی انداز لیے ہوئے تھا۔ شرعی استدلال کیا تھا؟ مجھے اس کا علم نہیں)۔

یہ تضاد میرے لیے اور بھی عجیب تھا۔ غرض میں ہمیشہ ایک کشمکش میں مبتلا رہا۔ فطری ذوق گانے بجانے کی طرف مائل کرتا تھا اور مذہبی خیال کبھی اس کی طرف لے جاتا اور کبھی اسے خلافِ تقویٰ بتاتا۔ غرض اسی "کشمکش" میں گزریں مری زندگی کی راتیں کہ:

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

کسی نے خوب کہا ہے:

خال او فتویٰ دہد از کعبہ در بت خانہ شو
زلف او دعویٰ کند گر عاقلی دیوانہ شو

اس "خال" اور اس "زلف" کا لطف وہی لے سکتا ہے جس نے ان دونوں بزرگوں کو دیکھا ہو۔

یہ کشمکش مدتوں جاری رہی تا آنکہ میں ندوۃ العلما سے فارغ ہو کر آ گیا۔ مگر اس سند فراغ کے باوجود "غنا و مزامیر" کے بارے میں یہی کشمکش رہی کہ:

از مدرسہ بہ کعبہ روم یا بہ میکدہ
اے خضر رہ بگو کہ طریق صواب چیست

پھر ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۷ء تک کپور تھلہ کی شاہی مسجد کا امام و خطیب رہا۔ مگر اس دوران میں بھی اس کشمکش سے باہر نہ نکل سکا۔ پاکستان آنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک اسی الجھن میں رہا۔ اور یہی مسلسل کشمکش تھی جس کی وجہ سے میں نے قرآن کریم کو اسی منفیانہ نگاہ سے دیکھا۔ یعنی یہ گویا پہلے سے طے تھا کہ قرآن میں اس کے جواز کا کوئی اشارہ تو ہو گا ہی نہیں۔ لہٰذا اگر ہو گا تو

عدم جواز ہی ہو گا۔ لہٰذا اسی کی تلاش کرتا رہا کہ وہ کون کون سی آیات ہو سکتی ہیں جن میں غنا و موسیقی کے ناجائز ہونے کا ذکر ہو۔ جن آیات سے بعض اہل علم نے اس کا عدم جواز نکالا ہے' وہ میں نے "اسلام اور موسیقی" میں درج کر دی ہیں۔ لیکن ایمان کی بات یہ کہ ان اہل علم کے استدلال سے مجھے بالکل تسکین نہ ہو سکی' اور اس کی وجوہ میں نے کتاب مذکور میں لکھ دی ہیں۔

"اسلام اور موسیقی" میں بھی میرا جو کچھ رجحان ہے وہ خود میری ذہنی کشمکش کا آئینہ دار ہے۔ اس میں دراصل ہم نے مختلف رائیں جمع کر دی ہیں' جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اس باب میں تین مسلک ہیں:

۱۔ فقہا عام طور پر اسے مطلقاً حرام بتاتے ہیں۔

۲۔ محدثین عام طور پر مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔

۳۔ صوفیہ عام طور پر جواز کے قائل ہیں لیکن سخت شرائط کے ساتھ۔

میں نے کتاب میں یہ تینوں مسلک پیش کر کے فیصلہ قارئین پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنی صوابدید اور اپنے ذوق کے مطابق جس مسلک کو چاہیں پسند کر لیں۔ میری ذہنی کشمکش ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے روزنامہ "امروز" لاہور مورخہ ۶ فروری ۱۹۵۸ء لکھتا ہے کہ:

> "اس قیمتی جائزے کے بعد (مصنف نے) اپنی رائے محفوظ رکھی ہے۔ ہماری رائے میں اس کتاب کی یہ کمی دراصل اس کی خامی ہے۔ مصنف خود ایک متبحر عالم دین ہیں۔ وہ بڑی آسانی سے اسلام میں موسیقی کے مقام پر اپنا فیصلہ صادر کر سکتے تھے۔"

فیصلہ تو میں دے چکا ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس میں بھی کشمکش کی جھلک موجود ہے۔ اور اسی کشمکش کی وجہ سے قرآن کو جب دیکھا تو اسی منفیانہ نقطہ نظر سے دیکھا کہ اس میں عدم جواز کا پہلو کہاں کہاں ہے۔

لیکن چند دن ہوئے اپنے ایک محترم دوست کی بدولت ایک مثبت تجسس بھی پیدا ہوا، یعنی یہ خیال آیا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن میں موسیقی و نغمات کا کوئی ذکر ہی نہیں، دراں حالے کہ وہ زندگی کے بے شمار جمالیاتی گوشوں کا ذکر کرتا ہے۔ زمین سے آسمان تک، مجردات سے محسوسات تک، جواہر سے حیوانات بلکہ انسان تک اور پھر دنیا سے آخرت تک کے بے شمار جمالیات کا تذکرہ کرتا ہے۔ مگر نغمہ و سرود کا کہیں ذکر تک نہیں کرتا۔ جنت اور جنتی زندگی کی تمام نعمتوں اور جمالیاتی پہلوؤں کو طرح طرح کے نئے نئے انداز سے بیان کرتا ہے اور موسیقی و غنا کی طرف توجہ بھی نہیں کرتا۔ کیا حسن سماع انسانی فطرت سے اس قدر دور ہے کہ اس کا ذکر تک نہ آئے؟

لیکن دو آیتوں نے میری الجھن دور کر دی۔ پہلی آیت یہ ہے:

ادخلوا الجنة انتم و ازواجکم تحبرون (۴۳:۷۰)

تم اور تمہارے جوڑے جنت میں جاؤ جہاں تمہیں نغمے سنائے جائیں گے۔

دوسری آیت جو اسی مضمون کی ہے، یہ ہے:

فاما الذین آمنوا و عملوا الصلحت فھم فی روضة یحبرون (۳۰:۱۵)

جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کیے، وہ چمن میں نغمے سن رہے ہوں گے۔

"حبرہ" کے معنی "سرور" کے بھی ہیں اور ہمیں اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ عام مترجمین یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ وہاں مسرور ہوں گے، مگن ہوں گے۔ لیکن امام شریف مرتضیٰ حسینی زبیدی تاج العروس جلد ۳ ص ۱۱۸ میں ایک اور معنی لکھتے ہیں:

الحبرة بالفتح السماع فی الجنة و به فسر الزجاج الآیة

وقال ایضاً" الحبرة فی اللغة کل نغمة حسنة محسنة۔
حبرہ (حا کے زبر سے) سے مراد بہشتی نغمہ ہے اور زجاج
نے آیت (مذکورۂ بالا) کی یہی تفسیر کی ہے اور کہا ہے کہ
حبرہ لغت میں ہر اچھے گانے کو کہتے ہیں۔"

زجاج لغت اور نحو کے اسی طرح امام ہیں جس طرح راغب اصفہانی (صاحب مفردات)۔ اگر راغب کی رائے بطور سند پیش کی جا سکتی ہے تو زجاج کا قول بھی اسی طرح سند کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

البستان عربی کا سب سے آخری مستند لغت ہے جس کے مولف شیخ عبداللہ البستانی اللبنانی ہیں۔ یہ حبرہ کے معنی لکھتے ہیں:

.... وکل نغمة حسنة محسنة .... والسماع للانغام فی الجنة۔
"یعنی ہر عمدہ گانا.... اور (خاص طور پر) جنت میں گانوں کا سننا۔"

پھر ہمارے دوست مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذ ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء اپنی "مصباح اللغات" میں حبرہ کے معنی یوں لکھتے ہیں:

خوشی، نعمت، ہر عمدہ راگ۔ یہی المنجد میں بھی ہے، یعنی کل نغمة حسنة (ہر اچھا گانا)۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں بڑی اور ناقابل انکار تفسیر حدیث ابو موسیٰ اشعری ہے جس میں یہ ہے کہ حضورؐ نے ان کی قرآن خوانی سن کر فرمایا کہ:

لقد لو تیت مزماراً من مزامیر آل داود۔
تمہیں تو لحن داؤدی عطا ہوا ہے۔

یہ سن کر ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضورؐ میری قرآن خوانی کو سن رہے ہیں تو:

لحبرته لک تحبیرا (رواہ مسلم و النسائی عن ابی موسیٰ)

میں اور زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔

تحبیر کے معنی بحار الانوار میں یوں لکھے ہیں :

یرید تحسین الصوت و تحزینه۔

اس سے مراد خوش آوازی اور سوز و درد ہے۔

مزمارا من مزامیر آل داؤد کی تفسیر یہ ہے:

ماکان یترنم به من الاناشید و الادعیة۔

حضرت داؤد جو اشعار یا دعائیں ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

مزمار کی اس تفسیر کو تحبیر کی تفسیر کے ساتھ ملا کر دیکھئے تو حبرہ کے معنی خوش آوازی' خوش الحانی' ترنم اور نغمے ہی کے ہوں گے۔ اس لیے زجاج کی تفسیر کو محض مہمل سمجھ کر نظر انداز کر دینا قرین انصاف نہ ہو گا۔ ہمیں دوسری تفسیروں کو (جس میں تحبرون و یحبرون کے معنی سرور یا نعمت کے بتائے گئے ہیں) غلط ٹھہرانے کا حق نہیں' لیکن جس طرح زجاج کی تفسیر کو چھوڑ دینا کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح دوسری تفسیروں کو نظرانداز کرکے زجاج کی تفسیر قبول کرلینا بھی کوئی معصیت نہیں' اور کیوں ہو جبکہ "نغمہ و سرود" بھی دنیا میں ہمیشہ سے "نعمت و سرور" کا جزو رہا ہے۔

اگر قرآن صاف لفظوں میں نغمہ و غنا کا ذکر نہیں کرتا تو اس سے اس کے نعمت و سرور ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ بے شمار دنیوی اور اخروی نعمتوں کا قرآن نے ذکر کیا ہے لیکن پھولوں کے چمن اور تختہ ہائے گل کا صاف لفظوں میں کسی جگہ ذکر نہیں۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پھولوں کی کیاری کوئی نعمت الٰہی نہیں؟ فی روضة میں اگر رنگ برنگ کے پھولوں کو بھی داخل مانا جائے تو تحبرون میں نغمہ و سرود کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہ صاف لفظوں میں دعویٰ کر دینا چاہئے کہ جنت میں اور تو ساری نعمتیں ہوں گی

لیکن جنت نگاہ پھول نہیں ہوں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ جنت میں وہ سب کچھ ہو گا جو یہاں مرغوب ہو سکتا ہے۔

ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون۔
تمہارا دل جو کچھ خواہش کرے گا اور تم جو کچھ مانگو گے' وہ وہاں ہو گا۔

وہاں جس طرح بہشت نگاہ' خلد زباں اور دوسری جنتیں ہوں گی' اور کانوں کی بھی جنت ہو گی اور وہ نغمہ و سرود ہی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یحبرون کی زجاجی تفسیر بالکل قرین قیاس' مطابق عقل اور تقاضائے فطرت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک فیصد سے بھی کم کور ذوق اور خشک زاہدوں کی خاطر خدا ننانوے فیصد سے زائد جنتیوں کو نغمہ و سرود کے ناقابل انکار لطف و نعمت سے محروم کر دے۔

موسیقی کی حلت و حرمت

ہم نے سابق مضمون میں لکھا تھا کہ قرآن میں بھی موسیقی کا ذکر بہ سلسلہ نعمائے جنت موجود ہے اور اس سے ہم نے یہ نتیجہ بھی نکالا تھا کہ چونکہ جو نعمتیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔ اس لیے اگر بہشتی نغموں میں موسیقی بھی ہے تو اسے یہاں بھی حلال ہونا چاہیے۔ ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ اس مضمون کا اتنا زیادہ اثر لیا جائے گا' اور چار چار جرائد اس پر سختی سے نوٹس لیں گے۔ سب سے پہلے "ایشیا" لاہور مورخہ ۱۵ مئی ۱۹۵۸ء نے میرا پورا مضمون شائع کیا اور اس پر ایک نوٹ لکھا۔ پھر مئی کے ماہنامہ "الارشاد" کراچی نے ایک نوٹ سپرد قلم فرمایا۔ اور مئی کے ماہنامہ "رحیق" لاہور نے بھی خامہ فرسائی کی۔ اور "صدق جدید" لکھنؤ مورخہ ۲۳ و ۳۰ مئی میں مولانا مجیب اللہ ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کا ایک تنقیدی مراسلہ شائع ہوا۔

موخر الذکر ندوی عزیز نے ایک علمی انداز اختیار کیا ہے جس سے مجھے مسرت ہوئی۔ لیکن باقی حضرات نے صرف استہزاء و طنز سے دلائل کا کام لینے کی کوشش کی ہے' اس لیے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ان کا کیا جواب دوں؟ تنقید کا انداز یہ ہونا چاہیے کہ .... فلاں استدلال غلط ہے اور اس بنا پر غلط ہے۔ فلاں نتیجہ صحیح نہیں نکالا گیا ہے اور اس کی یہ دلیل ہے۔ فلاں حوالہ

درست نہیں اور صحیح یوں ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کسی نے یہ طرز اختیار نہیں کیا۔ ہر ایک کا انداز یہ ہے کہ .... تم نے ناچ گانے کو جائز قرار دے دیا۔ کل فحشاء و منکر کو بھی جائز کر دو گے۔ تمہارا ادارہ قائم ہی اس لیے ہوا ہے کہ مغرب زدہ لوگوں کے رجحانات کی تائید میں اباحیت کا دروازہ کھول دے۔ تم بچپنے سے کسی نفسیاتی بیماری میں مبتلا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان "پرزور دلائل" کا تو میرے پاس جواب نہیں۔ اس لیے اندازِ گفتگو میں سب سے پہلے اپنی شکست فاش یا شاندار پسپائی کا اعتراف کیے لیتا ہوں۔

ہاں ان تمام تنقیدات میں ایک چیز مشترک نظر آتی ہے جس نے ایک نئے مبحث کا دروازہ کھول دیا ہے' یعنی ان چاروں حضرات نے صاف لفظوں میں یا اشارۃً" موسیقی اور آلات موسیقی کو حرام قرار دیا ہے اور حرام ہی فرض کرکے گفتگو کا آغاز فرمایا ہے۔ اس حق تحریم کے غلط استعمال میں ہم ان حضرات کا قصور نہیں سمجھتے کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے شروع ہی سے ایک خاص شکل دے دی گئی ہے۔ اور کسی نے یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ ان حقائق کو بھی اجاگر کرے جو تہ بہ تہ دبیز پردوں میں روپوش ہو گئے ہیں۔ عرصہ دراز سے متقشف قسم کے مولویوں نے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ گانا بجانا حرام ہے اور الغناء اشد من الزنا لیکن انہوں نے کبھی یہ تکلیف گوارا نہ کی کہ آخر اس دعوے کی کوئی دلیل بھی ہے یا یوں ہی کوا کان لے اڑا ہے۔

ہمیں اس مبحث پر قلم اٹھانے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ ہمارے نزدیک ایک حلال کو حرام قرار دینا بھی اتنا بڑا جرم ہے جتنا بڑا جرم حرام کو حلال بنانا ہے۔ خنزیر کو حلال کہنے والے اور بکری کو حرام بتانے والے میں ہمارے نزدیک کوئی فرق نہیں۔

تحلیل و تحریم کا حق

اس لیے کہ حلال یا حرام کا قانون دینے کا حق ہمارے نزدیک خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی سن لیجئے کہ "ایشیا" جس جماعت کا ترجمان ہے اس جماعت کے تمام لٹریچر کی اساس اسی نکتے پر ہے کہ تحلیل و تحریم کا حق خدا کے سوا کسی کو نہیں۔

یاایھاالذین آمنوالا تحرموا مااحل اللہ لکم (۵:۸۷)

اے مومنو! اللہ نے جو طیبات تمہارے لیے حلال کیے ہیں انہیں حرام نہ کرو۔

رسولؐ کی حیثیت بھی صرف اس قدر ہے کہ:

(الف) صرف خدا کے حرام کردہ کو حرام اور اس کے حلال کردہ کو حلال بتائے۔

حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:

ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم....

میں بعض حرام چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں۔

یہ اختیار حضرت مسیحؑ کو خود نہ تھا بلکہ وحی نے جن بعض چیزوں کو پہلے حرام کیا تھا ان کو حضرت مسیحؑ نے اب وحی سے ہی حلال کیا۔

(ب) رسول کسی مصلحت سے کسی چیز کو اپنے اوپر خود حرام کر سکتا ہے۔ لیکن صرف وہیں جہاں خدا کا کوئی واضح قانون موجود نہ ہو....

الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ من قبل ان تنزل التوراۃ.....

حضرت یعقوب نے اونٹ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' لیکن

یہ تورات کے قانون حلال و حرام کے نزول سے پہلے کی

بات ہے۔

واضح قانون حلت موجود ہونے کے بعد رسول کو بھی یہ اجازت نہیں کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دے۔ حضورؐ نے شہد (یا ماریہ قبطیہؓ) کو اپنے اوپر حرام فرمایا تو خدا کی طرف سے باز پرس ہوئی کہ :

لم تحرم ما احل اللہ لک؟

جسے خدا نے تیرے لیے حلال کیا ہے اسے تو حرام کیوں کرتا

ہے؟

(ج) خدائی قانون جہاں خاموش ہو وہاں رسول کو یہ پورا حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے اصولی قانون کے تحت کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے.....

و یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبئث...

رسول ان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا

ہے۔

ظاہر ہے کہ طیبات کی حلت اور خبائث کی حرمت خدا کی طرف سے ایک اصولی کلیہ ہے اور خود خدا نے بھی اسی اصول کے مطابق نام لے لے کر بعض چیزوں کو حلال یا حرام کیا ہے۔ لیکن جہاں قرآن خاموش ہے وہاں رسول اپنی بصیرت سے کسی شے کو خبائث میں داخل کرکے حرام' یا طیبات میں شمار کرکے حلال کر سکتا ہے۔ اسے اس کا پورا پورا حق حاصل ہے اور ساری امت سے زیادہ وہی اس کا حق دار ہے۔

عارضی اور دائمی حرمت و حلت

۱۔ رسول کی تحلیل و تحریم عارضی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً بنی عبد قیس پر حضورؐ نے شراب کے بعض برتنوں کا استعمال حرام کیا۔ یہ حکم عارضی تھا

اور مصلحت ختم ہونے کے بعد اس کی حلت پھر لوٹ آئی۔ یا زیارت قبور کی حرمت عارضی تھی جو اپنی اصلی حلت پر لوٹ آئی۔

۲۔ رسول کی یہ تحریم دائمی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضورؐ نے ایک عورت اور اس کی سگی بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کی ممانعت فرمائی۔ یہ حرمت ابدی (۴۵) ہی سمجھنی چاہئے۔ عارضی اور دائمی تحلیل و تحریم قرائن سے سمجھی جاسکتی ہے۔

۳۔ رسول کی بعض تحلیل و تحریم ایسی بھی ہو سکتی ہیں جن کے متعلق یہ تشریح واضح نہ ہو کہ یہ ابدی ہے یا دائمی مثلاً ریشم اور سونے کے استعمال کی ممانعت یا بعض اقسام بیع کی حلت و حرمت۔

ان تمام قسموں کے متعلق یہ گنجائش بہرحال موجود رہے گی کہ :

(الف) جس روایت میں کسی چیز کی حلت و حرمت بیان کی گئی ہے وہ ازروئے درایت و روایت صحیح بھی ہے یا نہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی دور میں اسی روایت کی صحت مشتبہ ثابت ہو اور حکم بدل جائے۔

(ب) یہ امکان بھی ہر وقت موجود ہے کہ ایک روایت بالکل صحیح مان لی جائے لیکن اس کی حلت و حرمت کے حکم کو کسی ایسی مصلحت پر مبنی قرار دیا جائے جو کسی دوسرے دور میں موجود نہ رہے۔

(ج) یہ امکان بھی بہر نوع موجود ہے کہ ایک صحیح روایت کی حلت و حرمت کو کسی دور میں ابدی مان لیا گیا ہو اور دوسرے دور میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ عارضی حلت و حرمت تھی، یا اس کے برعکس۔

میرے ایک محترم دوست نے اس سلسلے میں ایک قابل غور نکتہ یہ بھی

بیان کیا کہ رسول جب اپنی بصیرت سے عارضی یا دائمی حلت و حرمت کا حکم دے تو اس کا انداز یہ ہو گا کہ خبائث کی حرمت میں شدت پیدا کرے گا اور طیبات کی حلت میں اور سہولت دے گا۔ اس کا انداز یہ نہیں ہو گا کہ خبائث کا شائبہ رکھنے والی چیز میں تسہیل سے یا طیبات سے قرب رکھنے والی شے میں تشدد سے کام لے۔ یعنی نہ وہ اباحیت کا دروازہ کھولتا ہے نہ تقشف و تشدد پیدا کرتا ہے۔

غرض خدا کی اور رسول کی تحریم و تحلیل میں بڑا فرق ہے۔ خدا کے قانون تحلیل و تحریم میں کوئی تبدیلی پیدا کرنے کا کسی کو حتیٰ کہ رسولؐ کو بھی اختیار نہیں۔ وہ ابدی، دائمی، غیر متغیر و غیر متبدل ہے۔ لیکن خدا کے عمومی اصول تحریم و تحلیل کی روشنی میں رسول جو تحلیل و تحریم کرتا ہے اس کا ابدی ہونا ضروری نہیں۔ اگر اللہ اور رسول دونوں کی تحریم و تحلیل ابدی ہوں تو پھر دونوں میں کچھ فرق نہیں رہتا۔

ایک ضروری آیت

سورۂ توبہ میں ہے:

ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ....

بعض اہل کتاب اس چیز کو حرام قرار نہیں دیتے جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دی ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ تحریم و تحلیل کے اختیار میں اللہ اور اس کا رسول دونوں برابر ہیں۔ اس سے بڑا اور کوئی شرک نہیں ہو سکتا۔ جب عدی بن حاتم نے حضورؐ سے یہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے جاہلیت میں کبھی اپنے احبار و رہبان کو اپنا رب نہیں بنایا۔ پھر یہ اللہ نے کیا فرمایا ہے کہ:

اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا" من دون اللہ و المسیح

ابن مریم۔

یہ اپنے احبار و رہبان کو اور مسیح بن مریم کو خدا کے مقابلے
میں رب بناتے ہیں۔

تو حضورؐ نے جواب دیا کہ ان احبار و رہبان کے حلال کردہ کو حلال اور ان کے حرام کردہ کو حرام تسلیم کر لینا ہی ان کو رب بنانا ہے۔ (۴۶) اس حدیث کا مطلب ہی یہ ہے کہ تحریم و تحلیل صرف خدا کا حق ہے۔ رسول اسی تحلیل و تحریم کو پیش کرتا ہے اور اپنی بصیرت و اجتہاد سے صرف ان ہی چیزوں کو حلال یا حرام کرتا ہے جن کے متعلق وحی خاموش ہو اور وہ اس کی نگاہ میں وحی کے دیئے ہوئے کسی اصول یا کلیے کے اندر آتی ہوں' یا وقتی طور پر کوئی مصلحت یا حکمت اس کا تقاضا کرتی ہو۔ (۴۷) آیت بالا میں حضرت مسیح بن مریم کا بھی ذکر ہے' یعنی تحلیل و تحریم کے معاملے میں وہ بھی خدا کے سامنے بے بس ہیں۔ اس لیے آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم (میں بعض ان چیزوں کو تمہارے لیے حلال کرنے آیا ہوں جو تم پر حرام کر دی گئی تھیں) تو اس کا یہ قطعاً" مطلب نہیں کہ خدا کی حرام کردہ شے کو حضرت مسیح نے اپنی طرف سے حلال کر دیا تھا' بلکہ گزشتہ شریعت میں جو بعض چیزیں حرام تھیں ان کو خدا ہی کے حکم سے حضرت مسیحؑ نے حلال کیا تھا نہ کہ اپنی طرف سے۔ کسی پیغمبر کو اس کا اختیار حاصل نہیں اور کسی پیغمبر کے لیے اس کا حق تسلیم کرنا اسے رب بنانے کے مترادف ہے اور یہ شرک ہے۔

حلال و طیب

یہاں آگے چلنے سے پہلے چند ضروری نکتے پیش نظر رکھنے چاہئیں:

۱۔ قرآن نے جن چیزوں کو جائز کیا ان کے لیے "حلال طیب" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ حلال تو وہ چیز ہے جو قانوناً" حلال ہو۔ لیکن ہر حلال کا

استعمال ضروری نہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہر شخص ہر حلال کو ضرور استعمال کرے۔ استعمال وہی حلال چیز کی جاتی ہے جو اپنے آپ کو اچھی لگے، اسی کو طیب کہتے ہیں۔ مرغی کا انڈا حلال ہے، لیکن بعض لوگوں کو پسند نہیں، یا پسند تو ہوتا ہے لیکن نقصان کرتا ہے۔ اس لیے وہ پرہیز کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اسے حلال نہ سمجھے تو وہ مجرم ہوگا۔ لیکن اگر طیب نہ سمجھے تو یہ کوئی شرعی جرم نہیں۔

۲۔ دوسری چیز، یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ حلال و حرام کا تعلق صرف کھانے پینے کی چیزوں سے نہیں ہے۔ افکار، گفتار اور کردار سب ہی اس سے متعلق ہیں۔ قرآن میں ہے:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث۔

رمضان کی راتوں میں تمہارے لیے "رفث" حلال ہے۔

ظاہر ہے کہ رفث کوئی کھانے پینے کی چیز نہیں۔ اس کا تعلق گفتار و کردار سے ہے۔

۳۔ امت کا اگر اجماع نہیں تو غالب ترین اکثریت اس چیز کی قائل رہی ہے کہ کسی چیز کی حلت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کی حلت کا صاف لفظوں میں ذکر ہو، بلکہ بفحوائے اصل الاشیاء اباحۃ کسی چیز کی حلت کے لیے صرف اسی قدر کافی ہے کہ اس کی حرمت پر کوئی نص نہ ہو۔

۴۔ جب معاملہ تحریم و تحلیل کا پیش آئے تو سب سے پہلے قرآن کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ اصل میں نص وہی ہے۔ باقی رہیں احادیث یعنی رسول کی طرف سے تحریم و تحلیل تو ہم اس کی حدود کا اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

فقہ میں حرام

اب ذرا ایک نظر اس پر بھی ڈال لیجئے کہ حرام کسے کہتے ہیں؟ اس سے

آپ بڑی آسانی کے ساتھ فیصلہ کر سکیں گے کہ موسیقی یا غنا یا آلات غنا حرام ہیں یا حلال۔ علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار جلد ا ص ۶۷ میں لکھتے ہیں:

الادلة السمعية اربعة: الاول قطعي الثبوت و الدلالة كنصوص القرآن المفسرة و المحكمة و السنة المتواترة التي مفهومها قطعي۔ الثاني قطعي الثبوت و ظني الدلالة كا لآيات المؤولة الثالث عكسه كاخبار الاحاد التي مفهومها قطعي۔ الرابع ظنيهما كالاخبار الاحاد التي مفهومها ظني۔ فبا لاول يثبت الفرض و الحرام و بالثاني و الثالث الواجب و كراهة التحريم و بالرابع السنة و المستحب۔

"ادلہ سمعیہ چار ہیں۔ پہلی وہ دلیل (یا ماخذ) ہے جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہے، جیسے قرآن کی مفسر یا محکم نصوص اور وہ متواتر سنت جو اپنے مفہوم میں قطعی ہیں۔ دوسری وہ دلیل جو ثبوت میں قطعی ہے لیکن دلالت میں ظنی ہے مثلاً مئوول آیات۔ تیسری دلیل اس (دوسری) کے برعکس ہے جیسے وہ احاد روایات جن کا صرف مفہوم قطعی ہے (اور ثبوت ظنی ہے)۔ اور چوتھی وہ دلیل ہے جو ثبوت اور مفہوم دونوں لحاظ سے ظنی ہے۔ پہلی قسم کی دلیل سے فرض اور (اس کے مقابلے میں) حرام ثابت ہوتا ہے۔ دوسری اور تیسری قسم سے واجب اور (اس کے مقابلے میں) کراہت تحریمی ثابت ہوتی ہے۔ اور چوتھی سے سنت اور مستحب۔"

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی چیز کے فرض یا حرام ہونے

کے لیے صریح نص کی ضرورت ہے۔ نص بھی ایسی جو مفسر ہو یعنی اس میں کسی مجاز یا تاویل کا کوئی احتمال نہ ہو' یا محکم ہو جس میں نسخ و تبدیل کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ پھر اس نص کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے ثبوت میں اتنی قطعی ہو کہ ظن کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو' اور وہ صرف دو ہی چیزیں ہو سکتی ہیں: قرآن یا متواتر حدیث۔ یہ بھی معلوم ہے کہ متواتر حدیثوں کی تعداد اتنی ہے کہ صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گن لیجئے۔ (واضح رہے کہ شامی نے صرف احناف کی ترجمانی کی ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے ذرا مختلف ہیں۔)

خدارا انصاف

اب ذرا ان لوگوں سے' جو موسیقی کو حرام بلکہ اس سے بھی آگے حرام مطلق قرار دیتے ہیں' دریافت کیجئے کہ موسیقی کی حرمت کے متعلق قرآن کی کوئی نص موجود ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کے جواب میں قیامت تک وہ کوئی آیت نہ پیش کر سکیں گے۔

اس کے بعد پوچھئے کہ کوئی متواتر حدیث اس کی حرمت میں موجود ہے؟ اس کا جواب تو وہ قیامت کے بعد بھی نہ لا سکیں گے۔

پھر سوال یہ ہے کہ بے کار اور ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ یا تو موسیقی کی حرمت پر کوئی نص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ پیش کریں' یا اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے —— اور یقیناً نہیں کر سکیں گے —— تو چھٹکارے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ علی الاعلان فتوائے تحریم سے توبہ کریں۔

تنزل

اب لازماً" حرام کہنے والوں کو اپنی سطح سے نیچے اتر کر بات کرنی پڑے گی اور یہ معذرت پیش کرنی ہو گی کہ بعض اوقات مکروہ تحریمی کو بھی حرام کہہ دیا

کرتے ہیں۔ چلیے ہم اس عذر کو قبول کر لیتے ہیں۔

اب یہ مکروہ تحریمی کیسے ثابت ہو گا؟ اوپر کی عبارت سے واضح ہے کہ یہ کراہت تحریمی دو طرح ثابت ہو سکتی ہے۔ یا تو وہ قطعی الثبوت مگر ظنی الدلالتہ ہو جیسے مؤول آیات یا اس کے برعکس ہو یعنی ظنی الثبوت مگر قطعی الدلالتہ ہو جیسے وہ اخبار احاد جس کا مفہوم قطعی ہے اور ثبوت ظنی۔ (یہ مکروہ تحریمی واجب کے مقابلے میں ہوتا ہے)۔

آیات قرآنی تو بہرحال قطعی ہیں لیکن بعض لفظ مؤول ہوتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ اس کے کئی معانی ہوتے ہیں اور مجتہد ان میں سے کسی ایک معنی کی تعیین ظن غالب سے کر لیتا ہے۔ اس مجتہد کے مقلدین کے لیے اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ لیکن یہ احتمال ہر وقت رہتا ہے کہ شاید یہ غلط ہو اور صحیح وہ تاویل ہو جو دوسرا مجتہد کر رہا ہے۔ یعنی یہ واجب العمل ہونے کے باوجود ظنی ہوتا ہے۔ اور اعتقادی یا علمی لحاظ سے غیر قطعی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے منکر کی تکفیر درست نہیں ہو گی۔ ملا جیون کی نور الانوار میں یہ ساری بحثیں ملیں گی۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوئی مؤول آیت بھی قرآن میں نہیں جس سے موسیقی و غنا کی کراہت تحریمی ثابت ہو۔

اب رہے اخبار احاد تو بسم اللہ آیئے فیصلہ یہیں آسانی سے ہو جائے گا۔ وہ اس طرح کہ آپ کراہت موسیقی و غنا کے متعلق وہ تمام روایتیں پیش فرمائیں جو قطعی الدلالۃ ہوں اور ہم اس کے جواب میں وہ تمام روایتیں پیش کرتے ہیں جن سے نہ فقط جواز بلکہ اس کا سنت اور مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن آپ حضرات خواہ مخواہ یہ تکلیف کیوں گوارا فرمائیں۔ آپ جتنی روایات بھی غنا کی کراہت تحریمی کے بارے میں پیش کریں گے' ان میں سے ہر روایت ہمارے پیش نظر ہے۔ آپ کا وقت بچانے کے لیے ہم صرف ان لوگوں

کی آرا پیش کیے دیتے ہیں جنہوں نے روایات کی تحقیق میں اپنی عمریں کھپا دی ہیں اور یقیناً ہم جیسے بے علم ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

آپ کو یہ سن کر شاید افسوس ہو گا کہ امام شوکانی نے ایک خاص رسالہ اسی موضوع پر لکھا ہے۔ مضمون اس کتاب کے نام ہی سے واضح ہے۔ اس کا نام ہے ابطال دعوی الاجماع علی تحریم مطلق السماع۔ اس میں وہ ابن حزم کی رائے یوں لکھتے ہیں:

قال بن حزم انه لا یصح فی الباب حدیث ابدا" و کل ما فیه فموضوع۔

اور ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق تو ایک بھی صحیح حدیث قطعاً" موجود نہیں۔ اس بارے میں جو کچھ بھی ہے سب موضوع ہے۔

ذرا اسی کتاب کا صفحہ ۴۰۔۴۱ بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں لکھتے ہیں:

و الاحادیث المرویة من هذا الجنس فی هذا الباب فی غایة الکثرة و قد جمع العلماء مصنفات کابن حزم و ابن طاهر و ابن ابی الدنیا و ابن حمدان لزیلی و الذهبی وغیرهم و اکثر الاحادیث فی النهی عن آلات الملاهی۔ و قد اجاب المجوزون للغناء عن هذه الاحادیث فقال الاوفوی فی الامتاع: و ضعف هذه الاحادیث الواردة فی هذا الباب جماعة من الظاهریة و المالکیة و الحنابلة و الشافعیة و لم تحتج بها الائمة الاربعة و لا دلود و لا سفیان و هم رؤس المجتهدین و اصحاب المذاهب المتبعة۔ و قد ذکر ابوبکر بن العربی فی کتاب احکام الاحادیث فی ذلک و ضعفها و قال لم

يصح في التحريم شئي يعني من جميع الاحاديث الولردة في تحريم الغناء و الآ لات اللهوية ۔ و هكذا قال ابن طاهر انه لم يصح فيها حرف واحد ۔ و قال علاؤ الدين القونوي في شرح التعرف ۔ قال ابو محمد بن حزم لا يصح في هذا الباب شئي۔ و لو ورد لكنا اول قائل به و كل ما ورد فيه فموضوع ثم حلف على ذلك

....

(ترجمہ) حرمت سماع و مزامیر کے متعلق بے شمار روایات مروی ہیں جن کو بعض علماء مثلاً ابن حزم' ابن طاہر' ابن ابی الدنیا' ابن حمدان ازبلی اور ذہبی وغیرہم نے اپنی تصنیفات میں یک جا کیا ہے۔ ان میں زیادہ تر وہ احادیث ہیں جو آلات لہو کی ممانعت سے متعلق ہیں۔ ان ساری احادیث کا جواب ان علماء نے دیا ہے جو غنا کو جائز بتاتے ہیں۔ چنانچہ کمال الدین اوفوی اپنی الامتاع میں کہتے ہیں کہ ظاہریہ' مالکیہ' حنابلہ اور شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان تمام احادیث کو ضعیف بتایا ہے جو حرمت غنا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں اور ان احادیث کو نہ ائمہ اربعہ نے حجت مانا ہے اور نہ داؤد ظاہری نے اور نہ سفیان ثوری نے' حالانکہ یہ سب سرخیل مجتہدین ہیں۔ اور ان کے مذاہب کے بے شمار پیرو موجود ہیں۔ ابوبکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان احادیث کا ذکر کرکے ان کو ضعیف بتایا ہے۔ ابوبکر بن عربی کہتے ہیں کہ غنا اور آلات لہو (مزامیر) کی حرمت کے متعلق جتنی بھی

حدیثیں آئی ہیں ان میں سے ایک بھی تو صحیح نہیں۔ اور ابن طاہر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ایسی احادیث کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔ علاؤ الدین قونوی اپنی شرح تعرف میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث بھی صحیح نہیں۔ اگر کوئی صحیح حدیث ہوتی تو سب سے پہلے اسے ہم مانتے۔ لیکن صورت حال یہ ہے اس بارے میں جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ پھر ابن حزم نے اس بات پر قسم بھی کھائی ہے۔"

آپ نے ملاحظہ فرمالیا نا؟ اس میں روایات تحریم کے متعلق فقط شوکانی یا ابن حزم ہی کی رائے نہیں بلکہ داؤد ظاہری' سفیان ثوری' ابوبکر بن العربی' ابن طاہر' علاؤ الدین قونوی وغیرہم کے علاوہ بے شمار ظاہریہ' مالکیہ' حنابلہ اور شافعیہ کی رائیں بھی معلوم ہو گئیں۔

ذرا اور نیچے اتریئے۔ نواب سید صدیق حسن خاں' علامہ ابو القاسم اور علامہ فاکہانی کی رائے بھی سنئے۔ اپنی کتاب دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں فرماتے ہیں:

و مفتی مغرب علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی السنوخی المالکی در شرح رسالہ ابی زید گفتہ: قال الفاکھانی لم اعلم فی کتاب اللہ و لا فی سنۃ رسولہ حدیثا صحیحا" صریحا" فی تحریم الملا ھی۔ و انما ھی ظواھر و عمومات یتانس بھا لا ادلۃ قطعیۃ۔

مغرب کے مفتی علامہ ابو القاسم عیسیٰ بن ناجی سنوخی مالکی ابو زید کے رسالے کی شرح میں (فاکہانی کا قول) یوں نقل کرتے ہیں کہ: فاکہانی کہتے ہیں کہ مجھے "ملاہی" (گانے

بجانے) کی حرمت کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی نص ملی،
نہ سنت رسول میں کوئی صحیح و صریح حدیث نظر آئی....."

ذرا سید جمال الدین محدث حنفی (تلمیذ امام جزری) اپنے رسالہ جواز سماع (قلمی) میں جو رائے دیتے ہیں وہ بھی سن لیجئے:

و اما الاخبار التی تمسک بها بعض الفقهاء مثل "استماع الملاهی حرام و الجلوس علیها فسق و التلذ ذ بها کفر" و مثل "ما من رجل یسمع الملاهی الا بعث علی منکبیه (۴۸) الخ" و غیرهما قال النووی: لا یصح فی باب حرمة الغناء شئی منها۔ و الامام السخاوی ذکر فی المقاصد الحسنة فی الاحادیث المشهورة علی الالسنة: ما تمسک به فی باب حرمة الغناء بعض الفقهاء لا یصح و لا یوجد لها اصل۔ و ذکر الشیخ ابن حجر العسقلانی: ما تمسک به بعض المتاخرین فی حرمة الغناء غیر مثبت لا اصل له اذ لو صح فی بابه حدیث لتمسک به المجتهدون و لم یثبت فی باب حرمة الغناء من الاحادیث صحاحها و حسانها و ضعافها و الذی تمسکوا بها غیر مثبت لو موضوعة لا یتمسک بها فی الاحکام۔ و لم یتمسک بها ابو حنیفة و الشافعی و لا مالک و لا احمد بن حنبل و لا غیر هم من اصحاب المذاهب المتبوعة و انما یوجد تلک الاحادیث فی کلام من تاخر من اتباع ائمة المذاهب و اتباع اتباعهم من الذین لا یعتمد علیهم فی معرفة الصحة و السقم بل قال ابن العربی رحمة الله بعد ما اورد

تلک الاحادیث : انه لم یصح فی التحریم شئی و التی تمسک بها الفقهاء کلها موضوعة۔ و کذا قال ابن طاهر۔ بل قال بعض الشافعیه : حدیث التحریم لا یوجد الا فی کتاب المنکرین (انتھی مختصراً")

چند احادیث ایسی ہیں جن سے فقہا حرمت سماع کی دلیل لاتے ہیں۔ مثلاً استماع الملاھی الخ (گانا باجا سننا حرام ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے) یا مثلاً ما من رجل الخ وغیرہ تو ان کے متعلق نووی لکھتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق اس قسم کی کوئی روایت بھی صحیح نہیں۔ امام سخاوی نے بھی اپنی مقاصد حسنہ میں ان احادیث کے متعلق جو زباں زد عوام ہیں' فرماتے ہیں کہ : بعض فقہاء نے حرمت غنا کی جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ ان کی کوئی اصلیت ہی نہیں۔ اور ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں کہ : حرمت غنا کے متعلق جن احادیث سے بعض متاخرین استدلال کرتے ہیں وہ نہ ثابت ہیں اور نہ ان کی کوئی اصل ہے' کیونکہ اگر ایسی کوئی حدیث بھی صحیح ہوتی تو مجتہدین کرام بھی اس کو دلیل قرار دیتے۔ صحیح' حسن تو کیا ضعیف حدیثیں بھی ایسی نہیں جن سے حرمت غنا ثابت ہو۔ جن حدیثوں سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں وہ ثابت نہیں' وہ سب موضوع ہیں جن سے احکام میں دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ ایسی حدیثوں کو نہ ابو حنیفہ نے لیا نہ شافعی نے' نہ مالک نے قبول کیا نہ احمد بن حنبل نے' بلکہ جن دوسرے مذاہب کی پیروی ہوتی ہے ان کے ائمہ نے

بھی ایسی روایتوں سے تمسک نہیں کیا۔ ایسی حدیثیں صرف ان لوگوں کے ہاں پائی جاتی ہیں جو ائمہ مذاہب سے بہت متاخر ہیں بلکہ ان کے پیروؤں کے بھی پیرو ہیں اور ان پر احادیث کے صحت و سقم کے بارے میں کوئی اعتماد نہیں کیا جاتا۔ ابوبکر ابن العربی ایسی تمام احادیث کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ : تحریم غنا کے بارے میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے اور جن احادیث سے فقہا تمسک کرتے ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن طاہر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں، بلکہ بعض شافعیہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ حرمت غنا کی حدیثیں صرف منکرین ہی کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

کچھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے بھی سنئے :

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد ۴ ص ۶۹ میں فرماتے ہیں:

کلام دریں مقام درازست در محل ہائے دیگر ہم بطریق فقہا و محدثین و ہم بر طریق مشائخ طریقت سخن کردہ ایم۔ محدثین می گویند ہیچ حدیثے در تحریم غنا صحیح نہ شدہ است و مشائخ می گویند آنچہ در مقام نہی واقع شدہ مراد بداں مقرون بہ لہو و لعب است و فقہا وریں باب تشدید بلیغ دارند۔ واللہ اعلم!

(ترجمہ) اس جگہ گفتگو بڑی لمبی ہے جو ہم دوسرے مقامات پر نقل کر چکے ہیں، یعنی فقہا اور محدثین کے نقطہ نگاہ سے بھی اور مشائخ طریقت کے زاویہ نظر سے بھی۔ محدثین تو کہتے ہیں کہ حرمت غنا کے متعلق ایک صحیح حدیث بھی موجود نہیں، اور مشائخ کہتے ہیں کہ جہاں اس کی ممانعت

آئی بھی ہے تو اس سے مراد وہی غنا ہے جو لہو و لعب سے وابستہ ہو۔ فقہا نے اس مسئلے میں سخت تشدد سے کام لیا ہے۔

پھر مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں فرماتے ہیں:

"و بالجملہ دریں جا سہ طریقہ است۔ یکے مذہب فقہا است و ایشاں انکار می کنند اشد انکار' و سلوک می کنند مسلک تعصب و عناد' و الحاق می کنند فعل آں را بذنوب و کبائر و اعتقاد آں را بکفر و زندقہ و الحاد و ایں افراط است و خروج است از طریقہ اعتدال و انصاف ...."

"دوم طریقہ محدثین است و ایشاں می گویند کہ ثابت شدہ در تحریم آں حدیث صحیح و نص صریح' بلکہ ہرچہ وارد شدہ دریں باب از احادیث یا موضوع است یا مطعون ...."

"سوم طریقہ سادۂ صوفیہ و مذہب ایشاں دریں باب مختلف و افعال منجذب آمدہ ...."

(ترجمہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں تین مسلک ہیں۔ ایک تو فقہا کا مسلک ہے جو (سماع غنا و مزامیر کے) سخت منکر ہیں اور اس بارے میں تعصب اور عناد کا انداز رکھتے ہیں' بلکہ اس فعل کو کبیرہ گناہ اور اس کے جواز کے عقیدے کو کفر' زندقہ اور الحاد سمجھتے ہیں۔ فقہا کا یہ طرز عمل زیادتی ہے اور اعتدال و انصاف کے مسلک سے باہر ہے......

دوسرا مسلک محدثین کا ہے جو کہتے ہیں کہ تحریم غنا کے متعلق کوئی صحیح حدیث یا صریح نص موجود نہیں اور جو

کچھ ہے بھی وہ یا موضوع ہے یا ضعیف....

تیسرا مسلک صوفیہ کرام کا ہے۔ ان کا مسلک اس بارے میں مختلف ہے اور عمل بھی باہم متخالف....."

ان ہی شیخ عبدالحق دہلوی نے مسئلہ سماع پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام ہے: قرع الاسماع فی بیان احوال القوم و اقوالھم فی السماع۔ یہ کتاب فرنگی محل لکھنؤ اور نیز کاکوری کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس کا ملخص خانقاہ سلیمانیہ (پھلواری شریف) کے کتب خانے میں بھی ہے۔ اس میں وہ حرمت غنا کی تمام روایتوں کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

وما ناکہ مراد ازیں اخبار و آثار و امثال آں غنائے خواہد بود کہ فعل و استماع آں بطریق لہو و لعب و داعیہ نفسانیت و شہوت حرام در درجہ بطالت باشد تطبیقاً بین الدلائل و حفظاً للطرفین و محدثین را در احادیث مذکورہ دریں باب سخن ہم است، و ایشاں می گویند کہ ہیچ حدیثے صحیح دریں باب وارد نہ شدہ است۔ و اعتماد دریں باب بر قول ایشان ست۔

ایسی تمام احادیث و آثار اور روایتوں سے مراد اسی غنا کی حرمت ہوگی جس کا گانا یا سننا لہو و لعب کے طریقے پر انسان کو نفسانیت اور خواہش حرام کی طرف لے جائے۔ دونوں طرف کے دلائل کا احترام کرتے ہوئے یہی تطبیق ہو سکتی ہے۔ اور محدثین کو ان احادیث کی صحت ہی میں کلام ہے جو حرمت غنا کے بارے میں اوپر بیان ہوئی ہیں۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث وارد ہی نہیں ہوئی ہے، اور اس باب میں ان کا یہی قول معتبر ہے۔

کچھ امام غزالی کی زبانی بھی سن کر قصے کو ختم کیجئے:

اعلم ان قول القائل "السماع حرام" معناه ان الله يعاقب عليه و هذا امر لا يعرف بمجرد العقل بل بالسمع و معرفة الشرعيات محصورة فی النص و القياس علی المنصوص و اعنی بالنص ما اظهره صلعم بقوله او فعله و بالقياس المعنی المفهوم من الفاظه و افعاله۔ و ان لم يكن فيه نص و لم يستقم فيه قياس علی منصوص بطل القول بتحريم و بقی فعلا لا حرج فيه كسائر المباحات ۔ و لا يدل علی تحريم السماع نص و لا قياس۔ (انتهی ملخصاً) احياء العلوم۔

واضح رہے کہ سماع کو حرام کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس پر معاقبہ فرمائے گا۔ لیکن یہ فتوئ محض عقل سے نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس کا تعلق سمع (نقل) سے ہے۔ شرعی احکام یا تو منصوص ہوتے ہیں یا نص پر قیاس ہوتا ہے۔ نص سے مراد وہ چیز ہے جسے حضور صلعم کا قول یا فعل واضح کر دے اور قیاس کا مطلب وہ شے ہے جو حضور صلعم کے فعل یا قول سے مفہوم ہوتا ہو۔ پس اگر سماع کے متعلق نہ کوئی نص ہو اور نہ کسی نص پر کوئی صحیح قیاس ہو تو سماع کے حرام ہونے کا دعوئ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اس صورت میں دوسرے مباحات کی طرح ایک ایسا مباح رہ جاتا ہے۔ جس میں کوئی مضائقہ نہ ہو اور سماع کے حرام ہونے پر نہ تو کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی قیاس۔

ان چند اقتباسات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تحریم غنا کی جتنی

روایتیں ہیں، خواہ وہ کسی کتاب میں ہوں، سب کی سب مہمل، لغو، موضوع یا غایت درجے کی ضعیف ہیں۔ کم از کم محدثین کا تو اس پر اجماع ہے۔ رہے فقہا تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں لکل فن رجال۔ فقہا کا یہ میدان ہی نہیں اور نہ ہی ان کی نقل کردہ احادیث پر کبھی اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں رطب دیابس سب چلتے ہیں۔ یہ ناخوشگوار بحث ہم از خود یہاں نہیں چھیڑنا چاہتے۔ جسے شوق ہو وہ چھیڑے۔ انشاء اللہ ہم خود تمام مذاہب کے اجلہ فقہا کا مسلک بھی عرض کر دیں گے۔ نمونے کے طور پر ہم نے ایسی چند احادیث پر اپنی کتاب "اسلام اور موسیقی" میں بحث کی ہے۔ اسے دیکھ لیجئے۔ پھر

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اگست کے ثقافت میں اس کی پہلی قسط شائع ہو چکی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ تحلیل و تحریم صرف خدا کا حق ہے۔ رسول تک کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

۲۔ کسی چیز کی حرمت (بمقابلہ فرض) ثابت ہونے کے لیے (حنفی اصول کے مطابق) یہ ضروری ہے کہ وہ ناقابل تاویل اور ناقابل نسخ آیت قرآنی سے صراحتہً ثابت ہو یا پھر کوئی متواتر حدیث ہو جو اپنے مفہوم میں بھی قطعی ہو۔

۳۔ غنا و موسیقی کے لیے ایسی کوئی آیت یا حدیث آج تک دریافت نہیں ہو سکی۔ اس لیے اپنی طرف سے اسے حرام کہنا اپنی ربوبیت کا اعلان کرنا ہے۔ اس صورت میں توبہ واجب ہے۔

۴۔ جو چند احادیث موسیقی یا آلات موسیقی کی حرمت میں وارد ہوئی ہیں وہ بہ اجماع محدثین سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں اور ان کا ایک

حرف بھی صحیح نہیں، اس لیے اسے مکروہ تحریمی تو درکنار مکروہ تنزیہی بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اب اس کی دوسری قسط ملاحظہ ہو۔ اس کے مباحث یہ ہیں:

۱۔ جو چیزیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔
۲۔ اگر وہ یہاں حرام کر دی گئی ہیں تو یہ حرمت دائمی نہیں بلکہ بربنائے مصالح ہے اور وقتی ہے۔
۳۔ تفسیر حبرہ بمعنی نغمات بہشت بالکل صحیح ہے۔
۴۔ لفظ حبرہ (یحبرون) کی تحقیق
۵۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔

خمرِ جنّت

ایک اور تماشا ملاحظہ ہو۔ مولانا لکھتے ہیں کہ شراب جنت میں حلال اور دنیا میں حرام ہے۔ مگر دونوں شرابوں میں تمیز نہیں پیدا فرمائی جس سے ایک بڑا مغالطہ پیدا ہو گیا ہے۔ خمر نص قطعی سے حرام ہے لیکن وہ جنت میں جائز ہے بنص قرآنی، خمر از روئے قرآن رجس من عمل الشیطان (عمل شیطانی کی ایک پلیدی) ہے اور اس کے نقصانات کے متعلق ارشاد قرآنی ہے کہ و اثمھما اکبر من نفعھما (اس کا گناہ نفع سے زیادہ ہے) نیز ارشاد ہے کہ و یرید الشیطان ان یوقع بینکم العدلوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسر (شیطان خمر و قمار کے ذریعے تم میں عداوت و بغض ڈالنا چاہتا ہے)۔

اب یہاں ذرا غور و فکر سے کام لے کر بتائیے کہ:

کیا جنت میں یہی شراب جائز ہو گی؟ وہ جنت کیا ہوئی جہاں شیطانی رجس، اثم اور باہمی عداوت اور بغض ہو اور ان سب کو پیدا کرنے والی مے وہاں جائز ہو جائے؟ ایک معمولی عقل والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ بادہ نوشی قطعاً

جنت میں بھی حرام ہی رہے گی۔ وہاں جو انھر من خمر لذۃ للشربین ہوں گی ان میں نہ رجس ہے نہ اثم ہے' نہ باہمی بغض و عناد' نہ نشہ اور مخامرت عقل' بلکہ لا یصدعون عنہا و لا ینزفون : نہ درد سر ہو گا نہ نشے والی بکواس۔ لا لغو فیہا و لا تاثیم : نہ فحش گوئی ہو گی نہ گناہ کی باتیں۔ غرض رجس شیطانی کا کوئی شائبہ نہ ہو گا۔ جنت میں یہی بادۂ گلگوں جائز ہے نہ کہ موجودہ شراب۔ اگر ان اعلیٰ اوصاف کا خمر یہاں دنیا میں تیار ہو سکے تو اس کے جواز میں شک کرنا ہی حماقت ہے۔ ایسی مے ملے تو میں بڑے بڑے فقیہوں کو قبر سے بیدار کر کے پلاؤں۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جنت میں وہی شراب جائز ہے جو یہاں بھی جائز ہے اور جو یہاں حرام ہے وہ وہاں بھی قطعاً" حرام بلکہ اشد حرام ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے یہ مسئلہ کہاں سے نکال لیا کہ بہت سی چیزیں حرام ہیں اور جنت میں جائز ہیں' یعنی جنت ایک ایسی جگہ کا نام ہے جہاں حرام چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور خدا نے ان ہی چیزوں کو یہاں حرام کیا ہے جن کو بہشت میں خاص طور پر حلال کرنا مقصود تھا' یعنی جنت جیسا مقعد صدق ایک ایسی گھٹیا قسم کی سوسائٹی ہے جہاں بدمعاشیاں جائز اور حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔ نعوذ باللہ !

خمر کی علّتِ حرمت

خمر صرف نشے اور مخامرت عقل کی وجہ سے حرام ہے۔ کل ما اسکر فھو حرام۔ اگر یہ خاصیت سلب ہو جائے تو وہی خمر عین حلال ہو جاتا ہے۔ ذرا ملا جیون سے دریافت کیجئے جو فرماتے ہیں کہ : "خمر" (انگوری شراب) نص قطعی سے حرام ہے۔ اور مستوجب حد ہے۔ لہٰذا اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے۔ خواہ نشہ ہو یا نہ ہو لیکن .....

وغیرھا لا یحرم و لا یستوجب الحد مالم یسکر۔

انگوری شراب کے علاوہ اور جتنی شرابیں ہیں وہ جب تک نشہ نہ پیدا کریں اس

وقت تک نہ وہ حرام ہیں اور نہ سزاوار حد (تعزیر) (نور الانوار صفحہ۹۹)

مجھ سے نہیں ملا جیون سے دریافت کیجئے کہ ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام والی حدیث کیوں نہ ان کے سامنے آئی؟

یہی صورت ریشم اور سونے کی ہے جسے یہاں حرام اور جنت میں حلال بتایا جاتا ہے۔

سونے اور ریشم کی حرمت

ریشم اور سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو حضورؐ دو انگل ریشم کی اور سونے کے دانت اور سونے کی ناک کی اجازت کیوں دیتے؟

یہ قلیل و کثیر کی باتیں ہیں۔ آگے بڑھیئے اور نظر اٹھا کر دیکھیے کہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کا طلائی کنگن ڈالا جا رہا ہے۔ یہ حضورؐ کی پیش گوئی تھی۔ اگر سونا ایسا ہی حرام ہوتا تو یہ کون سی قابل فخربات تھی جس کی حضورؐ نے خوشخبری دی؟ کیا حضورؐ کا یہ مقصد تھا کہ سراقہ تجھے مبارک ہو تجھ سے عنقریب ایک بڑا حرام کام ہونے والا ہے؟ پھر صحابہ میں زید بن حارث' زید بن ارقم' براء' انس اور عبداللہ بن یزید تو مستقلاً" سونے کی انگوٹھیاں پہنا کرتے تھے۔ (طبرانی عن حمید بن عبداللہ) اور حضرت براء کو تو خود حضورؐ نے سونے کی انگوٹھی دی اور فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول جو تمہیں پہنائے اسے پہنے رہو۔ (احمد و موصلی عن محمد بن مالک) پھر عبداللہ بن عمرؓ اپنے غلام کو سونے کی ہنسلی پہناتے تھے اور ابو ہریرہ ریشم کے رومال سے تھوک صاف کرتے تھے۔

کس نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ سونا اور ریشم یہاں حرام اور جنت میں حلال ہے؟ اگر یہ دونوں چیزیں حرام ہوتیں تو خمر کے ساتھ اس کا ذکر کر دینا قرآن نازل کرنے والے کے لیے کیا مشکل تھا؟

معاشی عدل

بات صاف ہے کہ ریشم اور سونے کی حرمت ابدی حرمت نہیں۔ یہ معاشی انصاف کا تقاضا ہے اور اس وقت تک اسے ناجائز ہی سمجھنا چاہیے جب تک ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو یہ چیزیں یکساں سہولت کے ساتھ نصیب نہ ہوں۔ ایک وقت اجتماعی حیثیت سے قوم پر ایسا بھی آ سکتا ہے کہ اس کے ایک فرد کے لیے پیٹ بھر کھانا بھی ناجائز ہو' اور پھر دوسرا وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ تمام افراد لباس زریں زیب تن کر کے خدا کا شکر ادا کریں۔

معاشی مساوات کا مطلب

جناب مدیر الارشاد نے دریافت فرمایا ہے کہ اگر معاشی عدل کے تقاضوں سے سونا حرام کیا گیا تھا تو عورتوں کے لیے کیوں جائز رکھا گیا؟ انہیں شاید یہ معلوم نہیں کہ ایک وقت ایسا بھی آ سکتا ہے جب بعض یا کل عورتوں کے لیے بھی سونے کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے۔ معاشی مساوات کے یہ معنی تو نہیں کہ ہر حال میں اور ہر حیثیت سے مرد و زن کو یکساں کر دیا جائے۔ اگر کوئی کہے کہ اپنی تمام اولاد کو ایک نظر سے دیکھو اور مساوات برتو' تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ اگر اپنے جوان لڑکے کو پلاؤ کھلا رہے ہو تو شیر خوار بچے کو بھی وہی کھلاؤ۔ عدم مساوات تو جب ہوتی کہ بعض مردوں کے لیے حضورؐ اسے جائز اور بعض عورتوں کے لیے ناجائز کرتے۔

احوال و ظروف کا فرق

ہم دیکھتے ہیں کہ ہند بنت ہبیرہ کے ہاتھ میں حضورؐ نے موٹی موٹی سونے کی انگشتریاں دیکھیں تو ان کے ہاتھ پر ضرب لگانے لگے۔ ہند جناب فاطمہ بنت رسولؐ اللہ کے پاس اس کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت فاطمہ نے اپنی گردن سے سونے کی زنجیر اتار کر ہاتھ میں رکھ لی۔ اتنے میں حضورؐ تشریف لائے اور ہاتھ میں وہ طلائی زنجیر دیکھ کر فرمایا:

یا فاطمة یغرک ان یقول الناس ابنة رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) و فی یدھا سلسلة من نار۔

اے فاطمہ کیا تجھے یہ پسند ہے کہ لوگ کہیں کہ رسول اللہ کی بیٹی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے؟

اس کے بعد حضرت فاطمہ نے اس کو فروخت کر کے ایک غلام خریدا اور اسے آزاد کر دیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا:

الحمد للہ الذی انجی فاطمة من النار؟

اس خدا کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے رہائی دی۔

(رواہ النسائی عن ثوبان)

اس حدیث کو غور سے پڑھیے۔ وہی سونا ہے جو عورتوں کے لیے حلال ہے لیکن ایک موقع ایسا بھی آیا کہ ہند بنت ہبیرہ کے ہاتھ پر سونے کی انگشتری دیکھ کر ضربیں لگائی گئیں اور فاطمہ کی طلائی زنجیر کو آگ کی زنجیر قرار دیا گیا۔

پھر دوسرا دور آیا کہ مردوں کے لیے جو سونا حرام تھا اسی کی انگشتریاں' ہنسلیاں اور کنگن جائز ہو گئے۔ یہ سب کچھ مختلف احوال و ظروف' جداگانہ عصری تقاضے اور الگ الگ مصالح و اجتہادات ہیں۔

یہی ریشم جو عورتوں کے لیے جائز ہے' عبداللہ بن زبیر کی نگاہ میں عورتوں کے لیے بھی جائز نہ تھا۔ وہ فرماتے ہیں:

لا تلبسوا نساء کم الحریر فانی سمعت عمر یقول: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا تلبسوا الحریر فانہ من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الاخرة (شیخین و ترمذی و نسائی عن ابن زبیر)

اپنی عورتوں کو ریشم نہ پہناؤ کیونکہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ حدیث نبوی بیان کرتے سنا ہے کہ: ریشم نہ پہنا کرو کیونکہ

جو یہاں ریشم پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔

ان تمام باتوں پر غور فرمائیے اور پھر سوچئے کہ کیا بات یہی ہے کہ کچھ چیزیں یہاں حرام اور جنت میں حلال ہو جائیں گی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی ریشم وہی سونا حرام ہے جو انفرادی ہو۔ اور جنت میں یہ سب کچھ اس لیے حلال ہے کہ اجتماعی ہے۔ ولباسھم فیھا حریر ۔ ان سب کا لباس ریشمی ہو گا نہ یہ کہ بعض کو ریشم ملے گا اور بعض کو کھدر بھی نصیب نہ ہو..... یحلون فیھا من اساور من ذھب..... ان سب کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو گا کہ کوئی تو ریشمی عبا اور سونے کے کنگن پہنے حوروں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہو اور کسی کو چاندی کی انگشتری بھی نصیب نہ ہو۔ حوروں کا ذکر آگیا ہے تو ایک بات اور بھی سن لیجئے:

چار بیویوں کی حد بندی

صدق جدید کے مراسلہ نگار نے ایک اور چیز کا بھی مزے لے لے کر ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں جائز نہیں لیکن جنت میں اس کی پابندی نہیں ہوگی ـــــ مولانا کے ذہن میں وہی فی کس ستر حوریں رقص کر رہی ہیں۔ نہیں تو یہ رقص و سرود تو ایسی حرام چیز ہے جو جنت میں بھی ان کے نزدیک جائز نہیں۔ یہ ماننے کے باوجود کہ یہاں کی بعض حرام چیزیں جنت میں جائز ہیں' غنا سے ان کو اتنا زیادہ عناد ہے کہ اسے جنت میں بھی جائز ماننے کو تیار نہیں' ورنہ یحبرون والی آیت میں حبرہ کے معنی نغمہ و سرود لینے میں اتنی ہچکچاہٹ کیوں ہوتی؟

مقالہ نگار کے نزدیک دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں کرسکتے اور جنت میں اس کی کوئی پابندی نہیں۔ موصوف نے قرآن سے یا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا کہ وہاں بے شمار بیویاں (حوریں) ہر فرد کے حصے میں

آئیں گی۔ بہرحال ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہاں ان کو خاص طور پر ستر حوریں ملیں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ دنیا میں چار سے زیادہ بیویاں حرام ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا تو اسلامی معاشرے کا کام ہے کہ کس دور میں کسے کتنی بیویاں رکھنے کی اجازت دے۔ اسلامی معاشرہ کسی کے لیے آٹھ' کسی کے لیے چار' کسی کے لیے صرف ایک کی اجازت دے سکتا ہے اور وہ چاہے تو کسی کو ایک سے بھی روک دے۔ ہمیں علم ہے مقالہ نگار اور وہ تمام حضرات جو ستر حوروں کے انتظار میں بیٹھے ہیں' ہمارے اس بیان پر سخت برہم ہوں گے۔ سو گزارش ہے کہ اپنا یہ غصہ ہم پر نہیں بلکہ امام شوکانی پر اتاریے جو لکھتے ہیں:

کیف یصح اجماع خالفته الظاہریة و ابن الصباغ و العمرانی و القاسم بن ابراھیم نجم آل الرسول و جماعة من الشیعة و ثلة من محققی المتاخرین و خالفه ایضاً القرآن الکریم لما بیناه و خالفه ایضاً فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم... واما حدیث امرہ صلی اللہ علیہ وسلم الغیلان لما اسلم و تحته عشر نسوة بان یختار منهن لربعاً و یفارق سائرھن کما اخرجه الترمذی و ابن حبان فھو ولن کان له طرق فقد قال ابن عبدالبر کلھا معلولة واعله غیرہ من الحفاظ بعلل اخری۔

(یہ پوری عبارت شوکانی کی وبل الغمام سے نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتاب ظفر اللاضی بمایجب فی القضاء علی القاضی ص ۱۴۲ میں نقل فرمائی ہے)۔

(چار بیویوں سے زیادہ کی حرمت پر) اجماع امت کا دعوی کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ فرقہ ظاہریہ' ابن صباغ'

عمرانی، قاسم بن ابراہیم نجم آل الرسول نیز شیعوں کی ایک جماعت اور متاخرین کی ایک محقق جماعت، یہ سب کے سب اس کے خلاف ہیں۔ (یعنی کوئی بھی ان میں چار کی تحدید کا قائل نہیں) نیز یہ خود قرآن کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، نیز خود فعل نبوی کے بھی خلاف ہے .... رہی ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان کی وہ حدیث جس میں حضورؐ نے غیلان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی دس بیویوں میں سے کسی چار کو رکھ کر باقی کو چھوڑ دیں تو اگرچہ اس کی کئی اسناد ہیں لیکن ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ سب معلول ہیں اور دوسرے حفاظ محدثین نے اس کی دوسری علتیں بھی بیان کی ہیں۔"

اسی کتاب کے صفحہ ۴ کے حاشئے پر نواب صاحب امام شوکانی کی ایک اور کتاب سیل الجرار سے یہ عبارت نقل فرماتے ہیں:

"اما الاستدلال علی تحریم الخامسة و عدم جواز زیادة علی اربع بقول عزوجل: مثنٰی و ثلٰث و ربٰع فغیر صحیح کما اوضحنه فی شرحی لامنتقی۔

قرآن کے الفاظ مثنٰی و ثلٰث و ربٰع سے یہ استدلال کرنا کہ پانچویں بیوی حرام ہے یا چار سے زیادہ بیویاں کرنا ناجائز ہے، صحیح نہیں۔ میں شرح منتقی میں بھی اس کی وضاحت کر چکا ہوں۔"

نواب صاحب شوکانی کے استدلال سے اتنے متاثر ہوئے کہ قرآن سے انہیں بھی چار سے زیادہ بیویوں کی حرمت ثابت ہوتی نظر نہ آئی لیکن دل یہ بھی نہ چاہتا تھا کہ چار سے زیادہ جائز قرار پائیں۔ لہٰذا اس کی راہ یوں نکالی:

فالاولٰی ان یستدل علی تحریم الزیادۃ علی الاربع بالسنۃ لا بالقرآن (فتح البیان جلد ۲ ص ۱۶۸)۔

زیادہ مناسب یہی ہے کہ چار سے زیادہ کی حرمت کا استدلال سنت سے کیا جائے نہ کہ قرآن سے۔

لیکن بات پھر بھی نہ بنی۔ شوکانی تو صاف لکھ رہے ہیں کہ و خالفہ ایضاً فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی یہ تو خود حضورؐ کی فعلی سنت کے خلاف ہے۔ رہی قولی حدیث جیسے حدیث غیلان وغیرہ تو اس کے متعلق ابن عبدالبر کہہ چکے ہیں کہ معلولۃ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چار سے زیادہ بیویاں کرنے کی حرمت نہ قرآن سے ثابت ہے' نہ حدیث سے' نہ اجماع امت سے۔ جس کھونٹے پر یہ حضرات ناچ رہے تھے وہ جڑ سے اکھڑ کر ختم ہو گیا۔ لہٰذا یہ استدلال بھی اب بے معنی ہو گیا کہ چار کی تحدید صرف دنیا میں تھی اور جنت میں نہیں۔ ہمارے "مولاناؤں" کو مبارک ہو کہ امام شوکانی نے ان کے لیے دنیا ہی کو جنت بنا دیا ہے۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ خفگی مجھ پر نہ فرمایئے گا۔ اگر غصہ آئے تو امام شوکانی پر اتاریئے۔ وہی تو ظالم امام ہے جس نے حرمت غنا کی ساری روایتوں کو بالکل موضوع قرار دیا ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ لہٰذا اس پر دوہرا غصہ اتاریئے لیکن مجھے الگ رکھ کر۔

جواز غنا پر اجماع

ذرا یہ طرفہ تماشا ملاحظہ ہو کہ جس چیز (چار سے زیادہ بیویاں کرنے) پر سرے سے کوئی اجماع امت نہیں وہ بھی ان مولاناؤں کے نزدیک قطعاً" حرام ہے اور جس چیز (سماع غنا) کی حلت پر اجماع امت ہے وہ بھی ان کے نزدیک قطعاً" حرام ہے۔ حلت غنا پر اجماع کا دعویٰ میں نہیں کر رہا ہوں۔ لہٰذا اس

معاملے میں بھی اگر غصہ اتارنا ہو تو شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسیؒ پر اتاریئے جو اپنی کتاب فرح الاسماع (مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ صفحہ ۱۲ تا ۱۶) میں لکھتے ہیں:

من له اتساع علی ذوق و مشرب و رقة قلب ادرک معنی السماع و من حرم ذلک فهو حمار و لا یعقلها الا العالمون۔ و من الادلة التی ذکروها الاجماع علی تحلیل السماع مطلقا قالوا و ذلک لانه اشتهر من فعل عبد الله بن جعفر الهاشمی و عبد الله بن زبیر و غیرهما و انتشر ذلک فی الصحابة فی خلافة علی و زمن معاویة و لم ینکر ذلک و لو کان محرما" لا نکره علی فاعله و هذا هو الاجماع السکوتی۔

جس کے اندر ذوق سلیم، وسیع المشربی اور درد دل ہو وہی سماع سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، اور جو اسے حرام کہتا ہے وہ گدھا ہے۔ اس کو اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی مطلق حلت پر اجماع امت ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن زبیر کے عمل سے واضح ہے اور یہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے عہد میں صحابہ کو عام طور پر معلوم تھا اور کسی نے بھی اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ اگر یہ حرام ہوتا تو اس پر قطعاً" نکیر ہوتی، لہذا اسے "سکوتی اجماع" تصور کرنا چاہئے۔

فرمایئے، اجماع حلت پر ہوا یا حرمت پر؟ اور حرام کہنے والے اپنے متعلق وہی لقب پسند فرمائیں گے جو شیخ طیونسی نے تجویز کیا ہے؟ اجماع امت یا اجماع صحابہ کی ایک دلیل اور آگے بھی مذکور ہے۔ اسے بھی دیکھ لیجئے۔

آگ کی سزا

پھر محترم مراسلہ نگار صدق کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ یہاں دنیا میں جانوروں تک کو آگ کی سزا دینے سے منع کیا گیا ہے اور وہاں انسانوں کو آگ میں جلایا جائے گا۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ ہم نے کہا تو یہ تھا جو چیزیں جنت میں حلال ہوں گی وہ یہاں بھی حلال ہی ہیں۔ اس کا جواب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں -- (گویا جنت میں) -- انسانوں کو بھی آگ میں جلایا جائے گا۔ اگر واقعی مقالہ نگار کا یہی مطلب ہے تو ایسی جنت ان ہی کو مبارک ہو۔ تعصب اور غلو میں ایسی بے ربط باتیں نکل جایا کرتی ہیں جو قابل معافی ہیں۔ پھر ایک عجیب قسم کی بے ربطی ملاحظہ ہو۔ ہم گفتگو کر رہے ہیں انسانوں کی اور جواب دیا جا رہا ہے خدا کے متعلق۔ مولانا یا تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھئے یہاں ہمارے لیے کسی جاندار کو آگ میں جلانا حرام ہے اور قیامت میں ہمارے لیے انسانوں کو آگ میں جھونکنا بالکل حلال ہو گا۔ یا پھر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ خدا کے لیے یہاں آگ میں جلانا حرام ہے اور وہاں حلال ہو جائے گا۔ مثال دیتے وقت آخر کچھ تو عقل پر زور دینا چاہئے -- اور ذرا یہ بھی فرمایئے کہ سیدنا علیؓ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جنھوں نے نصیریوں کو زندہ آگ میں جلوا دیا تھا؟ اور اس حدیث کے متعلق کیا ارشاد ہے کہ خلاف وضع فطری عمل کرنے والے کو آگ میں جلا دو؟

اور بالکل یہی انداز محترم مدیر صدق جدید نے اپنے محاکمانہ نوٹ میں اختیار فرمایا ہے کہ دیکھئے وہاں نہ نماز پنج گانہ ہو گی نہ استقبال قبلہ' نہ وضو اور نہ روزۂ رمضان ہو گا -- یعنی وہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ سب باتیں یہاں حلال اور وہاں حرام ہیں یا یہاں حرام اور وہاں حلال ہیں۔ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اگر مقصود یہ جتانا ہے کہ یہاں کی دنیا اور وہاں کی دنیا الگ الگ قسم کی ہے تو ہم نے کبھی نہ اس سے انکار کیا ہے نہ ایسا کوئی ارادہ ہے۔ گفتگو تو صرف یہ ہے کہ کیا یہاں کا حرام وہاں حلال اور یہاں کا حلال وہاں کا حرام ہو جاتا ہے؟ اس کے

جواب میں جتنی مثالیں دی گئی ہیں وہ سب کی سب بے جوڑ ہیں جس کی تشریح اوپر گذر چکی ہے۔

تفسیر زجاج

ہم نے لکھا تھا کہ تاج العروس میں تحبرون کی تفسیر زجاج سے نغمہ بہشت نقل کی ہے۔ اس کے جواب میں مراسلہ نگار صدق نے اپنا سارا زور اس پر صرف کر دیا ہے کہ لسان العرب میں چونکہ زجاج کی تفسیر میں لفظ قِیل آ گیا ہے لہٰذا دنیا کے سارے لغات میں بھی اگر اس لفظ کے معنی نغمہ و سرود لکھے ہوں تو خواہ وہاں قِیل لکھا ہو یا نہ لکھا ہو وہاں قِیل ماننا پڑے گا۔ تفسیروں میں جہاں یہ لکھا ہو کہ و قِیل نسخت وہاں مولانا فوراً اس آیت کو منسوخ مان لیں گے۔ لیکن اگر لغت میں قِیل لکھا ہو تو قِیل و قال شروع فرما دیتے ہیں۔ مولانا کو یہ علم ہو گا کہ قِیل ہر جگہ تمریض کے لیے نہیں آتا۔ لغت میں عموماً یہ لفظ قال بعض اللغویین کے معنی میں آتا ہے۔ لغت لکھنے والے کو نام یاد نہیں رہتا یا وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تو قِیل لکھ دیتا ہے لیکن یہ بھی ویسا ہی مستند ہوتا ہے جیسا قال۔ دیکھا صرف یہ جاتا ہے کہ یہ قال اور قِیل لکھنے والا خود مستند ہے یا نہیں۔ اگر وہ مستند ہے تو اس کا قِیل بھی مستند ہے۔ قرآن میں کم از کم پچاس جگہ قِیل آیا ہے اور ہر جگہ اس کا وہی وزن ہے جو قال کا ہے۔ قِیل یانوح .... قِیل یا ارض .... قِیل اد خلُوا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں آپ اسے بھی صیغہ تمریض نہ قرار دے دیں۔

اچھا فرض کیجئے گیارہویں صدی کے شریف مرتضیٰ حسینی آٹھویں صدی کے ابن منظور سے زیادہ مستند ہیں اور انہوں نے حبرہ کی یہ تفسیر زجاج کی زبانی قِیل فرما کر نقل کی ہے تو سوال یہ ہے کہ اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ حبرہ کے معنی نغمہ و سرود کے نہیں ہیں؟ ہم نے آخر دوسرے لغات کا بھی تو

حوالہ دیا ہے' ان کے لغوی معنی میں تو قِیل نہیں لکھا ہے۔

(ا)

ایک مزید حوالہ منتہی الارب کا بھی لے لیجئے۔ وہ اس کے معنی لکھتے ہیں:

"زردی دنداں و نعمت و سرود بہشت و نغمہ نیکو و مبالغہ در چیزے خوب و شادی و نشاط و فراخی عیش"۔

البستان' المنجد اور اقرب الموارد کے حوالے ہم پہلے دے چکے ہیں۔ ان میں سے ایک نے بھی قِیل نہیں لکھا ہے۔ اہل لغت جب کسی معنی کو ضعیف سمجھتے ہیں تو اسے ھذا شاذ' غیر فضیح' مرجوح' ضعیف وغیرہ لکھ کر وضاحت کر دیتے ہیں۔ اگر ابن منظور نے زجاج کا قول قِیل کہہ کر نقل کیا ہے تو اس کا تعلق فقط تفسیر آیت سے ہے۔ لفظ حبرہ کے لغوی معانی سے ذرا بھی اس قِیل کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ معانی اپنی جگہ اسی طرح قائم ہیں اور قائم رہیں گے۔ اس پر اس قِیل کا مطلقاً کوئی اثر نہیں پڑتا۔

تحقیق حبرہ

ہم نے حبرہ کے معنی متعدد لغات کے حوالے سے اچھے گانے لکھے ہیں اور حدیث لحبرتہ لک تحبیرا[۱] کو بھی اس کی سند میں پیش کیا ہے۔ مراسلہ نگار صدق نے بھی یہاں آواز میں حسن اور گداز پیدا کرنے کے معنی کو تسلیم کیا ہے۔ صاحب لسان سے اس کے معنی "کل ما حسن من خط او کلام او شعر او غیر ذلک" نقل کیے ہیں یعنی ہر تحریر' کلام یا شعر یا "دوسری چیز" جس میں حسن پایا جائے۔ یہ سب کچھ تسلیم کرنے کے بعد ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ گانے میں بھی کوئی حسن ہو سکتا ہے۔ اللہ رے غنا سے عناد۔ اس کے بعد

کی تحقیق انیق سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ تحسین صوت اور گانے میں بڑا فرق ہے، یعنی شاید یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شعر خوش الحانی سے پڑھے تو وہ صرف تحسین صوت یا خوش آوازی ہے اور اگر شعر پڑھتے وقت گدھے کی طرح رینکنا شروع کر دے تو اسے غنا کہتے ہیں۔ خوش آوازی تو جائز ہے جو حضورؐ کو پسند تھی، اور جہاں بد آوازی پیدا ہوئی اور وہ غنا ہو گیا۔ لہٰذا حضورؐ نے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں۔

منتہی الارب میں الغنا کے معنی یہ لکھے ہیں:

"آواز خوش کہ طرب انگیزد و سرود"

مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ آواز خوش اور چیز ہے اور غنا دوسری چیز۔

مولانا کی یہ جرات بھی قابل داد ہے کہ ہم حبرہ کی تفسیر احادیث سے پیش کر رہے ہیں اور وہ اس کے مقابلے میں آدھی حدیث لیتے ہیں اور آدھا لغت۔ لحبرته لک تحبیرا[۶] کی تفسیر اس سے متصل الفاظ سے کیجئے۔ حضورؐ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا تھا کہ "لقد اوتیت مزمارا[۶] من مزامیر آل داود"؛ تمہیں تو مزمار داؤد کا ایک حصہ عطا ہوا ہے۔ اسی کے جواب میں ابو موسیٰ نے عرض کیا: "لو علمت لحبرته لک تحبیرا[۶]" اگر مجھے علم ہوتا تو میں اور تحبیر کے ساتھ پڑھتا۔ ظاہر ہے کہ یہ تحبیر کسی طرح مزمور و مزمار داؤد سے الگ نہیں کی جا سکتی۔ مزمار اور مزمور کی تحقیق "اسلام اور موسیقی" میں ملاحظہ فرمایئے۔ یہاں صرف اتنا سن لیجئے کہ علامہ عینی محدث حنفی فرماتے ہیں:

عن عبید بن عمیر قال کان لداود علیہ السلام معرفۃ یتغنی علیہا ویبکی ویبکی۔ (ج۹ ص۳۲۹)

حضرت داؤد کے پاس باجا بھی تھا جس پر گاتے تھے۔ خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے۔

اور بالکل یہی الفاظ فتح الباری جلد ۹ ص ۶۳ میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھے ہیں۔

نیز امام شوکانی اپنے رسالہ سماع میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق عبداللہ بن عمر سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں:

ان داود یاخذ المعزفة فیضرب بها و یقرا علیها۔

حضرت داؤد باجا بجا کر اس پر (زبور) پڑھا کرتے تھے۔

ہم اس نفسی کیفیت اور ذہنی اذیت کے لیے معافی چاہتے ہیں جو مولانا اور ان کے ہم مشربوں کو یہ روایتیں سن کر ہو رہی ہو گی' کیونکہ نہ تو وہ ان روائتوں سے انکار کی جرات کر سکتے ہیں اور نہ ان کا دل یہ گوارا کرتا ہے کہ غنا اور مزامیر جیسی "حرام چیزوں" کا انتساب ایک جلیل القدر پیغمبر کی طرف ہو۔ ہم نے تو یہ روایتیں صرف اس لیے لکھی ہیں کہ "مزمارا من مزامیر آل داود" کا مطلب آئینے کی طرح سامنے آ جائے اور اسی آئینے میں "لحبرته لک تحبیرا" کی تصویر و تفسیر بھی نظر آ جائے۔ اس سے صرف اسی قدر استفادہ مقصود ہے کہ مولانا کی یہ تحقیق انیق بھی نکھر کے سامنے آ جائے کہ خوش آوازی اور غنا میں بڑا فرق ہے -- حلال و حرام کا فرق -- ہے۔

مولانا کے خیال میں ہم نے حبرہ کے معنی نغمات بہشت لے کر اتنا بڑا ناقابل معافی جرم کیا ہے جو ان کے بقول "کھلی ہوئی تحریف قرآن" ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کے نزدیک انبیائے کرام جھوٹ بول سکتے ہیں۔ رسول اللہ کعب بن اشرف اور ابو رافع کو دھوکے سے بغیر جنگ کے قتل کرا سکتے ہیں۔ رسول خدا پر جادو چل سکتا ہے' اور اتنا ہی نہیں بلکہ خود خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے اور دوسرے خاتم النبیین بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ تمام باتیں العیاذ باللہ ان کے نزدیک ممکن نہیں بلکہ جائز ہیں۔ لیکن گانا اتنا زیادہ حرام اور قریب بہ کفرو شرک ہے کہ نہ یہاں جائز ہے نہ جنت میں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک

محترم دوست نے تو اپنے رسائل و مسائل میں استمنا بالید، وطی فی الدبر، اور متعہ تک کے جواز کی راہیں تلاش کر لی ہیں اور اب ماشاء اللہ جھوٹ کو بھی مصلحت ۔۔ الیکشن ۔۔ کے لیے کتاب و سنت سے واجب ثابت فرما دیا ہے لیکن جہاں غنا کا لفظ آ گیا، سارا اسلام خطرے میں پڑ گیا۔ غنا سے عناد کی آخر کوئی حد بھی ہونی چاہیے۔ محض اپنے ذوق اور ذاتی خیالات کو حلت و حرمت کی اساس قرار دینا ایک ایسی دینی منطق ہے جس کے فہم سے فی الواقع ہم قاصر ہیں۔

(۲)

نہ من تنہا....

حبرہ کے معنی نغمہ اور خصوصاً "نغمہ بہشت لینے کا جرم تنہا ہم ہی نے نہیں کیا، کچھ اور حضرات بھی اس "گناہ" کے مرتکب ہوئے ہیں۔

کچھ دن ہوئے ہم نے کراچی میں ایک قلمی کتاب جلاء الصدی فی سیرۃ امام الہدی دیکھی ہے جو حضرت سید احمد الکبیر الرفاعی کے حالات میں لکھی گئی۔ اس کے مولف شیخ تقی الدین عبدالرحمٰن بن عبدالمحسن الواسطی ہیں۔ کتاب ۱۱۵۲ھ میں لکھی گئی ہے۔ سید احمد کبیر شافعی المذہب ہیں۔ سلسلہ رفاعیہ کے سرخیل ہیں۔ ۵۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۷۸ھ میں وفات ہوئی۔ ان کا سلسلہ رفاعیہ نہ فقط ہند و پاکستان میں بلکہ مصر، عراق، اردن، عدن، شام اور انڈونیشیا وغیرہ میں پھیلا ہوا ہے۔ کتاب میں سماع پر بھی ایک باب ہے جہاں سید احمد کبیرؒ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

ثم قال ای سادہ اخبر العزیز سبحانہ عن السماع فی الکتاب المجید لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ تعالی فھم فی روضۃ یحبرون قیل یسمعون السماع۔

و قال ابن عباس رضی الله عنه فی تفسیر هذه الآیة اذا
کان یوم القیمة و دخل اصحاب الجنة الجنة و اصحاب
النار النار امر الله منادیا" ینادی یا داود ارق علی
کرسیک و اسمع الناس ----- و قال مجاهد فی
روضة یحبرون ان السماع من الحور العین بالاصوات
(۴۹) الشهیة و الالحان (۵۰) الطیبة یقلن : نحن
الخالدات فلا نموت ابداً" ۔ الخ
(ترجمہ) اس کے بعد سید احمد کبیر رفاعی نے فرمایا کہ میرے
محترمو! اللہ نے بھی اپنی کتاب مجید میں اپنے نبی کو سماع کی
خبر دی ہے اور وہ یہ آیت ہے فھم فی روضة یحبرون۔
اس کے معنی یہ بھی بتائے گئے ہیں کہ اہل جنت وہاں گانے
سنیں گے۔ عبداللہ بن عباس اس آیت کی تفسیر میں بیان
فرماتے ہیں کہ جب بروز حشر جنتی جنت میں اور دوزخی
دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ ایک منادی کے
ذریعے حضرت داؤد کو حکم دے گا کہ اپنے تخت پر بیٹھ کر گانا
سناؤ ------

نیز مجاہد نے یحبرون کے یہ معنی کیے ہیں کہ کشادہ چشم حوریں مرغوب (ہیجان انگیز) آوازوں اور عمدہ لہجوں کے ساتھ گانے سنائیں گی۔ وہ گانا یہ ہو گا نحن الخالدات الخ۔

(۳)

سرخیل سلسلہ سہروردیہ حضرت ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی کی کتاب

مراد المریدین کی شرح (قلمی) ملا علی قاری نے لکھی ہے۔ اس کے صفحہ ۴۴۶ میں لکھتے ہیں:

فھم فی روضة یحبرون ای یستمعون من الحور العین
باصوات شھیة نحن الخالدات الخ۔
یعنی فھم فی روضة یحبرون کے معنی یہ ہیں کہ اہل بہشت
حور عین سے ہیجان انگیز آوازوں میں نحن الخالدات الخ۔
سنیں گے۔

افسوس یہ ہے کہ اس میں حوالے درج نہیں کہ ابن عباس اور مجاہد کی یہ تفسیریں کہاں ہیں؟ اس لیے ہم اس کی صحت کی ضمانت نہیں دے سکتے۔ مجاہد سے دوسری تفسیر ینعمون منقول ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مجاہد سے دونوں ہی تفسیریں منقول ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

لیکن اگر ابن عباس اور مجاہد کا یہ قول ثابت نہ بھی ہو تو اتنا تو بہرحال ثابت ہے کہ حضرت سید احمد کبیر رفاعی بھی اس آیت کے معنی بہشتی نعمتوں ہی کے لیتے ہیں۔ ہماری جرات تو نہیں ہو سکتی لیکن آپ کا دل چاہے تو شوق سے ان کے اور شیخ سہروردی یا ملا علی قاری کے متعلق بھی کھلی تحریف قرآن کا اعلان فرما دیجئے۔ بات یہی ختم نہیں ہوتی' حضرت سید احمد کبیر رفاعی تو اسی کتاب میں یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

السماع داعیة الی الحق و ھو من جملة القربات
سماع داعی الی الحق اور تقرب الی اللہ کا ایک ذریعہ ہے۔

(۴)

یہ لیجئے ایک کھلی ہوئی تحریف قرآن کرنے والا اور بھی پیدا ہو گیا۔ تفسیر

ابن کثیر جلد ۳ ص ۴۲۸ ملاحظہ ہو۔

قال مجاهد و قتادہ ینعمون و قال یحیی بن ابی کثیر
یعنی سماع الغناء۔
مجاہد و قتادہ یحبرون کے معنی ینعمون کے بتاتے ہیں اور
یحیٰی ابن ابی کثیر نے اس کے معنی گانا سننے کے بتائے ہیں۔

مولانا کو افسوس ہو رہا ہو گا کہ اور بھی "محرفین قرآن" پیدا ہوتے جا رہے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ یہاں قِیل بھی نہیں۔

(۵)

تفسیر مواہب الرحمان میں ہے:
... مسرور ہوں گے ف یعنی نعمت میں خوش حال ہوں گے۔
یہ قول مجاہد و قتادہ ہے۔ یحیٰی بن ابی کثیر نے کہا ہے کہ وہاں
حقیقی غنا سے مسرور ہوں گے۔ (غالباً "کوئی پہلو بچانے کے
لیے "حقیقی" کا لفظ زیادہ کر دیا ہے)۔

(۶)

یہ لیجئے مراسلہ نگار صدق کی اپنی اصطلاح میں ایک "محرف قرآن" اور بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ صاحب کشاف (زمخشری) یحبرون کی تفسیر مختلف لوگوں سے یوں نقل فرماتے ہیں:

عن مجاهد رضی الله عنه : یکرمون ۔ و عن قتادة:
ینعمون۔ و عن ابن کیسان: یحلون۔ و عن ابی بکر بن

عیاش: التیجان علی رؤسھم۔ وعن وکیع: السماع فی الجنۃ۔

یعنی مجاہد سے یحبرون کے معنی یہ منقول ہیں کہ اہل جنت کا اعزاز کیا جائے گا۔ قتادہ اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ ان کو نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔ ابن کیسان کہتے ہیں کہ انہیں زیوروں سے آراستہ کیا جائے گا۔ ابوبکر بن عیاش کا کہنا ہے کہ ان کے سروں پر تاج رکھے جائیں گے اور وکیع کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنت کے نغمے ہیں۔

اس کے بعد صاحب کشاف نے دو مجروح روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک ابو درداء سے اور دوسری ابراہیم سے مروی ہے کہ جنت میں عورتوں کے گانے بھی ہوں گے اور گھنگرو بھی بجیں گے۔

پھر حاشئے پر بغیر کسی جرح کے ایک اور روایت مجاہد سے یوں درج ہے:

روی اسحاق فی مسندہ من روایۃ مجاھد قیل لابی ھریرۃ "ھل فی الجنۃ سماع؟" قال نعم....

یعنی اسحاق اپنی مسند میں مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا جنت میں سماع بھی ہو گا؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں ہو گا... (جنت کے سیم و زر کے درخت میں زبرجد اور یاقوت کے پھل آپس میں ٹکرا کر حسین ترین نغمے پیدا کریں گے)۔

اسی سلسلے میں حضرت علیؓ سے بھی ترمذی میں ایک مرفوع روایت یوں ہے:

ان فی الجنۃ لمجتمعا للحور العین یرفعن باصوات لم تسمع الخلائق بمثلھا یقلن: نحن الخالدات فلا نبید

....

حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں ایسا اجتماع ہو گا جس میں
حوریں بلند آواز سے یہ گائیں گی نحن الخالدات --- الخ
ایسی آواز دنیا نے کبھی نہ سنی ہو گی۔

بالکل اسی مضمون کی روایت مجاہد کی زبانی ہم اوپر جلاء الصدی کے حوالے سے بھی نقل کر چکے ہیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت مجاہد کی ان روایتوں سے واضح ہے کہ جنت میں نغمے ہوں گے۔ اور جب جنت میں نغمے ہوں گے تو مجاہد' یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع سے یحبرون کی جو تفسیر منقول ہے یعنی "جنتی نغمات" (مع مزامیر) اسے محض لسان العرب کے ایک عدو قِیل سے غلط ٹھہرانا بجائے خود ہی غلط ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یحبرون کی تفسیر غنائے جنت کرنے میں ہم منفرد نہیں بلکہ مجاہد' ابن عباس' یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع وغیرہ کے علاوہ سید احمد کبیر' شیخ ابو النجیب سہروردی اور ملا علی قاری سب ہی نے یہ تفسیر کی ہے۔ اور مرقومہ بالا روایات سے بھی اس تفسیر کی تائید ہوتی ہے۔

محترم مراسلہ نگار صدق نے مولانا اشرف علی' مولانا محمود حسن' مولانا نذیر احمد کے ترجمے دیئے ہیں کہ ----- آؤ بھگت ہو گی' عزت کی جائے گی' خاطر داریاں ہو رہی ہوں گی ----- اکرام کیا جائے گا۔

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ ہم نے مضمون ----- "قرآن میں ذکر موسیقی" میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہم دوسرے ترجموں کو غلط نہیں کہتے۔ حبرہ کے معنی میں یہ سب معانی داخل ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ آپ ہمارے بتائے ہوئے معنی کو کس بنیاد پر غلط کہنے کا حق رکھتے ہیں اور یہ وحی کب نازل ہوئی ہے کہ جو ترجمے مذکورہ بالا مفسرین کر چکے ہیں' ان کے علاوہ ہر ترجمہ غلط ہے؟ آپ جس زور سے ان مفسرین کے ترجمے پیش کر رہے ہیں' اسی

زور سے دوسرے ترجمے پیش کرنے میں کیا ہچکچاہٹ ہے؟ اگر ابھی تک کسی نے وہ ترجمہ نہیں کیا ہے جو ہم کر رہے ہیں تو بسم اللہ اب کر لیجئے۔ ہم ان مفسرین و مترجمین کے مقابلے میں اپنی حقیر ذات کو پیش کرنا سوئے ادب سمجھتے ہیں لیکن مجاہد' یحییٰ بن ابی کثیر اور وکیع وغیرہ کی تفسیر کے سامنے اپنے پیش کردہ مترجمین کو پیش کرنا آپ بھی ویسا ہی سوئے ادب سمجھئے۔

علاوہ ازیں جو ترجمے آپ نے نقل کیے ہیں' کیا ان سے ہمارے ترجمے میں تناقض پیدا ہوتا ہے؟ کیا "نغمے" جنت کے اکرام یا خاطرداری یا آؤ بھگت یا مسرت کے خلاف ہیں؟ استقبالی گیت ہمیشہ سے اکرام اور آؤ بھگت ہی میں شمار ہوتے ہیں۔ خود حضور اکرمؐ کا استقبال مدینہ منورہ میں گیت ہی سے کیا گیا تھا۔

طلع البدر علینا الخ

نحن جوار من نبی نجار الخ

محمد عبد صالح

اور محض گیت نہ تھے بلکہ دو چیزیں اور بھی تھیں' دف اور رقص۔ عورتیں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں اور حبشی رقص کر رہے تھے۔

عجیب استدلال

مولانا نے بڑی تلاش کے بعد ایک حدیث دریافت کی ہے کہ: اذا سمع الغناء وضع اصابعه فی اذنیه (ابو داؤد) یعنی حضورؐ جب گانے کی آواز سنتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے۔ اس کا مفصل جواب تو آپ کو آگے ملے گا کہ حضورؐ نے بار بار گانا اور وہ بھی اس وقت کے مزامیر یعنی دف پر سنا ہے اور حکم دے کر دوسروں کو سنوایا ہے۔ یہ تمام تفصیلات اور صحاح و سنن کی قطعی الدلالت روایات آگے آئیں گی' اور مولانا کی اس کاوش بلیغ کا جواب وہیں خود بخود مل جائے گا۔ اس وقت تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر فی الواقع یہ

حدیث آپ کے نزدیک قابل قبول ہے تو آپ بھی صرف اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیا کریں۔ لیکن دوسروں کو گانے سے یا گانا سننے سے روکنے کا۔۔ اور وہ بھی حرام بتا کر روکنے کا۔۔ آپ کو کیا حق حاصل ہے جبکہ حضورؐ نے ایسا نہیں کیا؟

تغنی فی القرآن

اس روایت سے محترم مراسلہ نگار صدق نے یہ نتیجہ نکالا کہ تحسین صوت تو حضورؐ کو مرغوب تھی اور اسی لیے جناب ابو موسیٰ اشعری کی تلاوت قرآن حضورؐ کو بہت پسند تھی۔ رہا غنا یا تغنی تو وہ اس قدر حرام ہے کہ جہاں کانوں میں یہ تغنی آئی اور حضورؐ نے کان بند کر لیے۔ لیکن انہیں یہ سن کر افسوس ہو گا کہ اشعار تو اشعار ہیں خود قرآن میں بھی تغنی سے مفر نہیں۔ صحاح و سنن کی یہ روایت تو نظروں سے گذری ہو گی کہ:

> لیس منا من لم یتغن بالقرآن یجھر بہ (رواہ الشیخان و ابو داؤد و النسائی عن ابی ہریرہ)۔
>
> جو قرآن کو باآواز بلند پڑھتا ہوا تغنی نہ کرے' وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ مولانا حسن غنا سے بھاگ کر کانوں میں انگلیاں ڈلوا رہے تھے۔ اب وہی امت محمدیہ سے خارج ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ کریں تو کیا کریں؟ غنا اور تغنی حرام۔ مگر قرآن میں یہی اتنا ضروری ہے کہ قبول نہ کریں تو امت محمدیہ سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ بہرکیف عرض یہ کرنا تھا کہ جس انداز خوش الحانی کو ابو موسیٰ تحبیر سے تعبیر کر رہے ہیں اسی کو حضورؐ تغنی بالقرآن فرما رہے ہیں۔ مگر مولانا کا ارشاد ہے کہ نہیں تحبیر اور چیز ہے اور تغنی اور شئے ہے۔ پہلی چیز حلال طیب ہے اور دوسری حرام

مطلق۔ یہ تحقیق انیق فی الواقع بہت دلچسپ ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ تغنی بالاشعار اور تغنی بالقرآن میں فرق ہے اور یہ فرق عہد نبوت سے آج تک قائم ہے اور آئندہ بھی قائم رہے گا۔ لیکن تغنی بہرحال موجود ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے لیے تھوڑا ذوق سلیم درکار ہے اور اسی سے اکثر منکرین سماع محروم ہوتے ہیں۔ ضرورت ہو گی تو اسے بھی عرض کر دیا جائے گا۔

مولویوں کی یہ بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آ سکی کہ جب موذن بھیرویں میں اذان کہتا ہے تو یہ جھوم جاتے ہیں اور جب اسی لہجے میں کوئی شعر پڑھا جا رہا ہو تو فوراً فتوائے حرمت صادر فرما دیتے ہیں اور اس میں اتنی شدت برتنے لگتے ہیں کہ دنیا تو دنیا ہے جنت میں بھی اسے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ جنت میں مے خواری تو فرمائیں گے لیکن غنا ان کے ہاں اتنا زیادہ حرام ہے کہ جنت کی بادہ نوشی کی صف میں بھی اسے رکھنے پر راضی نہیں۔

اجماع صحابہ اور امر نبوی

مراسلہ نگار صدق نے بڑی مشکلوں سے ابو داؤد میں سے ایک روایت ڈھونڈی تو یہ کہ "حضورؐ جب گانا سنتے تو کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے تھے۔" ہم حلت غنا کی تمام روایات تو "اسلام اور موسیقی" میں لکھ چکے ہیں' اس وقت صرف ایک نبوی جملے کی طرف توجہ دلانا ہے۔ صحاح و سنن کی ایک روایت کا خلاصہ یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک لڑکی کی شادی کر کے اس کے انصاری شوہر کے گھر رخصت کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ :

(۱) ما کان معکم من لھو فان الانصار یعجبھم اللھو۔

(بخاری عن عائشہؓ)۔

تمہارے ساتھ کوئی لہو (گانا بجانا) نہ تھا؟ انصار کو تو لہو بہت

مرغوب ہے۔

(۲) ارسلتم معها من یغنی ----- ان الانصار غزل فلو بعثتم معها من یقول اتیناکم الخ۔ (ابن ماجہ عن ابن عباس)۔
کسی گانے والے کو اس کے ساتھ نہ کر دیا؟ ----- انصار کو عورتوں کے گانے سے بڑی دلچسپی ہے۔ کاش اس کے ساتھ کوئی فلاں گیت گاتا جاتا۔ (یعنی اتیناکم اتیناکم ----- الخ)۔

(۳) یا عائشة الا تغنین فان هذا الحی من الانصار یحبون الغناء۔ (ابن حبان عن عائشہؓ)۔
عائشہ! تم نے گانے کا کوئی بندوست نہ کیا؟ یہ قبیلہ انصار تو گانے بہت پسند کرتا ہے۔

(۴) فارسلت معها بغناء فان الانصار یحبونه ----- فادر کیها یا زینب! (امراة کانت تغنی بالمدینة) (جواز السماع والمزامیر للمقدسی عن عائشہؓ)۔
کوئی گانے والا اس کے ساتھ نہ کر دیا۔ انصار کو تو گانا بہت پسند ہے۔ اے زینب! (مدینے کی ایک مغنیہ) جلدی جا کر دلہن کے ساتھ ہو جا۔

(۵) هل بعثتم معها ضاربة تضرب بالدف و تغنی؟
تم نے اس کے ساتھ کوئی مغنیہ نہ کر دی جو ذرا گاتی بجاتی جاتی؟ (طبرانی فی الاوسط عن عائشہؓ)۔

اگر اسے متعدد واقعات تسلیم کر لیا جائے تو ہمیں کوئی عذر نہیں۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ یہ ایک ہی واقعے کی مختلف تعبیریں ہیں۔ ان سب روایتوں سے

جو حقائق واضح ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

الف۔ انصار کو گانے بجانے سے (خواہ عورتوں کا گانا ہو) یا "لہو" سے بڑی دلچسپی تھی۔

ب۔ اس علم کے باوجود گانا نہ ہونے پر خاموشی اختیار نہیں فرمائی بلکہ تقاضا فرمایا کہ اس دلہن کے ساتھ کسی مغنی یا مغنیہ کو کیوں نہ بھیج دیا؟

د۔ یہ تقاضا صرف اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ اباحت و جواز کی حد سے گذر کر "ضروری" کے کسی مرتبے پر ہو۔ ورنہ خاموشی سے کیا چیز مانع ہو سکتی تھی؟

ھ۔ اگر غنا میں عدم جواز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو ہوتے ہوئے غنا کو حضور روک دیتے، نہ یہ کہ نہ ہونے کی صورت میں ہونے کا تقاضا فرماتے۔

و۔ یہاں صرف غنا کا ذکر نہیں، مزامیر (دف) کا بھی ذکر ہے۔

ز۔ مہاجرین کے بعد انصار ہی کا درجہ ہے اور ان کے بے شمار فضائل ہیں۔ اس پورے گروہ انصار کا ایک چیز کو پسند کرنا اور حضورؐ کا اس پسند کو (تقاضے سے) باقی رکھنا عہد نبوت کا ایک ایسا اجماع صحابہ ہے جس کے خلاف کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

ح۔ حضورؐ نے صرف سوال ہی پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ ایک مغنیہ (زینب) کو حکم دیا کہ جلدی جا کر دلہن کے ساتھ مل جا یعنی گاتی بجاتی ہوئی اسے سسرال تک پہنچا دے۔

ط۔ حضورؐ کو مدینے کی اس مغنیہ کے علمی ذوق کا پورا علم تھا۔ اس کے باوجود حضورؐ نے اسے اس سے روکا نہیں بلکہ اس موقعے پر اسے اپنے فن سے کام لینے کا حکم دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر امر لازماً وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ صیغہ امر نہیں ہوتا اور وہاں وجوب کی شکل ہوتی ہے اور

بعض مقامات پر امر ہونے کے باوجود وجوب نہیں ہوتا۔ لیکن اس زیر بحث موقعے پر تو تمام قرائن اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ گانا بجانا صرف اباحت کے اندر بند نہیں بلکہ مستحب و سنت سے گذر کر وجوب میں قدم رکھ چکا ہے۔ اگر ہم تعمیم کو سکیڑ سکیڑ کر بے انتہا تنگ بھی کر دیں تو یہ تسلیم کیے بغیر چارۂ کار نہیں کہ:

۱۔ اگر موقع شادی بیاہ (یا کسی اور خوشی) کا ہو۔

۲۔ جہاں بارات جا آ رہی ہو اور وہاں کے لوگ گانے بجانے کے شائق ہوں۔

تو گانا بجانا صرف سنت ہی نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے اور اگر اس کے نہ ہونے سے کوئی فتنہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کا شمار واجبات میں ہے۔ ورنہ حسب موقع یہی غنا ناجائز بھی ہو سکتا ہے۔

اس زیر بحث روایت کو پیش نظر رکھئے' اس کے بعد اس روایت کو سامنے لائیے جو صدق جدید کے مراسلہ نگار نے ڈھونڈ نکالی ہے۔ فیصلہ ہم خود مراسلہ نگار پر چھوڑتے ہیں۔ وہ خود سوچ لیں کہ جس غنا کو وہ ناجائز بتا رہے ہیں اور اسے حرام ثابت کرنے کے لیے غنا اور خوش آوازی کے فرق کا جو نقطہ انیقہ پیش فرما رہے ہیں اس کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔

ہم آخر میں موصوف کے انتباہ کے لیے بولرق الاسماع فی تکفیر من یحرم السماع کے مصنف ابو الفتوح الغزالی (۵۱) کا قول نقل کیے دیتے ہیں۔

> فمن قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع حراما و مامنع عن السماع حراما و اعتقد ذلک فقد کفر بالاتفاق۔

> جو شخص یہ کہتا اور اعتقاد رکھتا ہے کہ حضورؐ نے حرام سنا

اور حرام سننے سے نہیں روکا تو وہ بالاتفاق مرتکب کفر ہوا۔
اور یہی کچھ امام غزالی کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:
جو شخص دف پر گانا سننے کو حرام کہے اس نے حضورؐ کے فعل سے انکار کیا لہذا مرتکب کفر ہے۔ (عقائد العزیز ص ۱۳۴)
اور یہی انتباہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیا نے فرمایا تھا کہ:
اس قوم پر قہر الٰہی کیوں نہ نازل ہو جس کے سامنے (جواز غنا) کی حدیثیں پیش کی جائیں اور وہ اس کے مقابلے میں قول ابو حنیفہ کا مطالبہ کرے۔
ہم اہل علم اور دینداروں کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ آئندہ اس مسئلے میں ذرا سوچ سمجھ کر قدم اور قلم اٹھائیں اور اچھی طرح غور فرمالیں کہ غنا کو حرام بتا کر وہ کن کن ہستیوں کو مرتکب حرام قرار دے رہے ہیں؟ اور ان ہستیوں کو مرتکب حرام قرار دینے کے بعد ایمان کی کون سی رمق باقی رہ جائے گی؟
اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ جو چیزیں جنت میں حلال ہیں وہ یہاں بھی حلال ہیں۔
۲۔ اگر کہیں اس کے خلاف نظر آئے تو وہ وقتی مصالح کی بنا پر ہے۔
۳۔ حبرہ بمعنی نغمات بہشت بالکل صحیح تفسیر ہے۔
۴۔ حبرہ کی مزید تحقیق۔
۵۔ حلت غنا پر اجماع صحابہ اور اجماع امت ہے۔

پیش نظر اس سے آگے جو مباحث ہیں وہ مختصراً یہ ہیں:

۱۔ حبرہ کی کچھ اور تفسیریں۔
۲۔ حلت غنا و مزامیر کے متعلق قطعی الدلالہ اور صحیح احادیث۔ (یہ حصہ آئے گا)۔

(۷)

نواب صاحب اور تفسیر حبرہ

نواب صدیق حسن خاںؒ نے اپنی کتاب مشیر ساکن الغرام الی روضات دارالسلام کے صفحہ ۵۸ پر یہ فصل قائم کی ہے۔ فصل فی ذکر السماع فی الجنة و غناء الحور العین و ما فیه من اللذة و الطرب (یعنی جنت میں جو سماع ہو گا اور حورعین کے گانوں میں جو لذت و کیف ہو گا' یہ فصل اسی کے بیان میں ہے)۔ اس فصل کا آغاز یوں کرتے ہیں:

----- فهم فی روضة یحبرون - قال یحیی بن ابی کثیر الحبرة اللذة و السماع و لا یخالف هذا قول ابن عباس یکرمون و قول مجاهد و قتادة ینعمون۔ فلذة الاذن بالسماع من الحبرة و النعم۔

... حبرہ کے معنی یحییٰ بن ابی کثیر نے لذت اور سماع کے بتائے ہیں اور اس کا کوئی تناقض ابن عباس کی تفسیر یکرمون یا مجاہد و قتادہ کی تفسیر ینعمون سے نہیں کیونکہ سماع سے جو لذت کان کو حاصل ہوتی ہے وہ بھی عام حبرہ یعنی نعمت ہی ہے۔

اس کے بعد نواب صاحب نے اٹھارہ اخبار و آثار و اقوال نقل کیے ہیں' اور ان سب میں سیدنا داؤدؑ کے گانے یا حوروں کے غنا یا حضرت اسرافیل کے ترنم' اثمار' جواہر کے نغمے یا تسبیح و تحمید کے نغموں کا ذکر ہے۔ سب کو نقل کرنے کا موقع نہیں۔ ہم پوری عبارت و ترجمہ نقل کرنے کے بجائے صرف راوی کے نام اور اصل مضمون مع حوالہ درج کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ ترمذی نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ جنت میں حوریں گائیں گی: نحن الخالدات الخ اور اس روایت کو غریب کہا ہے۔
۲۔ ترمذی نے ابو ہریرہ اور جعفر فریانی سے یہ روایت کی ہے کہ جنت میں باکرات تسبیح و تقدیس و تحمید و ثنا کا گیت گائیں گی۔
۳۔ ابو نعیم نے بھی جعفر فریانی سے یہ ارشاد نبوی نقل کیا ہے کہ جنت کے زریں درختوں کے زبرجدی اور دری ثمرات ہواؤں سے ٹکرا کر حسین نغمے پیدا کریں گے۔
۴۔ ابو نعیم ہی نے انس سے روایت کی ہے کہ جنت میں حوریں یہ گائیں گی: نحن الحور الحسان الخ
۵۔ یہی روایت ابن ابی الدنیا نے بھی نقل کی ہے۔
۶۔ ابو نعیم نے ابن ابی اوفیٰ سے بھی ارشاد نبوی روایت کیا ہے کہ ہر جنتی کو ہر ہفتے چار ہزار حوریں یہ گانا سنائیں گی: نحن الخالدات الخ
۷۔ جعفر فریانی خالد بن عدنان سے یہ حدیث نبوی روایت کرتے ہیں کہ ہر جنتی کو جنت میں داخل ہوتے ہی، دو حوریں لاجواب گانا سنائیں گی' اور یہ شیطانی گانا بجانا نہیں ہو گا۔
۸۔ طبرانی نے ابن عمر سے یہ حدیث رسول روایت کی ہے کہ جنت کی حوریں یہ گائیں گی: نحن خیرات حسان الخ
۹۔ ابن وہب نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جنتی درختوں کے نغمے کے ساتھ (جس کا ذکر ابو نعیم کی روایت نمبر ۳ میں ہے) حوریں یہ گائیں گی: نحن الناعمات الخ
۱۰۔ ابن وہب نے یہی روایت مع شئی زائد خالد بن یزید سے بھی کی ہے۔
۱۱۔ حضرت اسرافیل جنت میں بحکم خداوندی ایسا نغمہ سنائیں گے کہ فرشتے

اپنی نماز بھی چھوڑ دیں گے۔

۱۲۔ محمد بن منکد کہتے ہیں کہ جنت میں یہ اعلان کیا جائے گا کہ جو لوگ دنیا میں مجالس لہو اور مزامیر الشیطان سے پرہیز کرتے رہے' ان کو جنت میں ملائکہ اللہ کی تحمید و تمجید (گا کر) سنائیں گے۔ (لہو اور مزامیر الشیطان کا مطلب جابجا "اسلام اور موسیقی" میں واضح کر دیا گیا ہے۔ اسے دیکھ لینا چاہئے)۔

۱۳۔ ابن ابی الدنیا نے مالک بن دینار سے و ان لہ عندنا لزلفی و حسن مآب کی تفسیریوں نقل کی ہے کہ سیدنا داوٗد سے فرمائش کی جائے گی کہ جس طرح دنیا میں مجد باری سناتے تھے وہ یہاں بھی سناوٗ۔ (سیدنا داوٗد دنیا میں مختلف سازوں پر کس طرح حمد باری کرتے تھے' اس کی تفصیل "اسلام اور موسیقی" میں ملاحظہ فرمایئے۔)

۱۴۔ یہی روایت عبداللہ بن احمد سے بھی ہے۔

۱۵۔ حماد بن سلمہ نے شہر بن حوشب سے روایت کی ہے کہ اللہ اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندے صوت حسن کو پسند کرنے کے باوجود دنیا میں اس سے محض میری خاطر پرہیز کرتے رہے' اس لیے یہاں انہیں تسبیح و تکبیر (خوش آوازی سے) سناوٗ۔

۱۶۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل جنت جنتی درختوں سے (جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے) نغمے سنائیں گے۔

۱۷۔ سعید الحارثی کہتے ہیں کہ ان شجری نغموں کے علاوہ زبان خداوندی سے خطاب و سلام ہر نغمے سے زیادہ پیارا ہو گا۔

۱۸۔ ابو الشیخ نے عبداللہ بن بریدہ سے روایت کی ہے کہ اہل جنت کو ہر روز دو بار خود اللہ قرآن سنائے گا۔

آخری دو روایتیں ہمارے مبحث سے خارج ہیں۔ لیکن اگر یہ روایتیں

صحیح ہیں تو نغمات بہشت کے سلسلے میں ان کو لانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ قرات تغنی کے ساتھ ہو گی۔

تفسیر یحبرون

آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ نواب سید صدیق حسنؒ نے اولاً" تو غنا و موسیقی سے لفظ حبرہ کی تفسیر کی ہے اور ثانیاً" اس تفسیر کی تائید میں اتنی متعدد تفسیری روایات نقل کی ہیں جن میں نمبر ایک کو ترمذی نے غریب بتایا ہے۔ باقی تمام روایات کے متعلق خود نواب صاحب "صحاح و حسان" کا لفظ لکھتے ہیں۔

و یسم بک ایھا السنی من الاحادیث الصحاح الحسان....

اے سنی تمہیں ان صحیح و حسن روایتوں سے معلوم ہوا ہو گا کہ......

لیکن اگر ترمذی' ابو نعیم' طبرانی اور ابن ابی الدنیا وغیرہ کی ان تمام مذکورہ بالا روایات کو غلط ٹھہرا دیں تو مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں اس جرات مندانہ اقدام پر خوش ہوں گا اور اللہ کا شکر ادا کروں گا کہ جس مجموعہ روایات کو لوگ مثل القرآن مع القرآن ——— بلکہ ناسخ القرآن اور قاضی علی القرآن ——— کا درجہ دیئے ہوئے تھے' اسے آپ نے ختم کیا۔ لیکن اگر ان میں ایک روایت کو بھی صحیح تسلیم کر لیں تو یحبرون کے معنی غنا و مزامیر لینے سے کوئی شے روک نہیں سکتی۔ دیکھئے پھر کوشش کیجئے۔ شاید لسان العرب وغیرہ میں ان ساری روایتوں کے متعلق کوئی قیل وغیرہ کا سہارا مل جائے جس کی مدد سے آپ اس تفسیر کو "تحریف قرآن" قرار دے سکیں۔

ہم اہل حدیث حضرات کو خصوصاً" نواب صاحب کی ان تصریحات کی طرف توجہ فرمانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور اہل حدیث حضرات کو یہ تو علم ہی

ہو گا کہ نواب صاحب کے ہاں فوجی بینڈ خوب بجتے تھے اور وہ اسے جائز بتاتے تھے' حالانکہ حضورؐ نے کبھی بینڈ نہیں سنا۔ غرض حبرہ کی جو تفسیر ہم نے اپنے سابق مضمون "قرآن میں ذکر موسیقی" میں کی ہے اسے محض چند مترجمین کے ترجمے سے غلط ٹھہرانے کا اب کوئی امکان نہیں رہا۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاں جنت میں تو یہ جائز ہو گا اور دنیا میں ناجائز ہے۔ لیکن ہم اپنے جواب کی دوسری قسط میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ یہ نظریہ ہی سرے سے غلط ہے کہ دنیا کا حرام جنت میں حلال یا یہاں کا حلال وہاں حرام ہو جائے گا۔

ایک شُبہے کا ازالہ

ہاں نواب صاحب کی نقل کردہ روایات میں سے نمبر ۱۵ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جنت میں انہی لوگوں کو گانا سنایا جائے گا جو اللہ کی خاطر دنیا میں گانا نہیں سنتے تھے۔ لیکن یہ خوب سمجھ لیجئے کہ:

جائز و ناجائز لہو

(۱) یہ انہی گانوں سے پرہیز کا ذکر ہے جو واقعی ناجائز ہیں' یعنی فرائض و واجبات سے غافل کرنے والے ہوں جسے لہو کہتے ہیں۔ لیکن ہاں خبردار ہر لہو کو معصیت نہ سمجھ لیجئے گا۔ انصار لہو کو پسند کرتے تھے۔ اور حضورؐ نے اس لہو کو باقی رکھا۔ اور حضرت عائشہؓ سے تقاضا کرکے فرمایا کہ تم نے کوئی گانے والی اس دلہن کے ساتھ کیوں نہ کر دی۔ فان الانصار یعجبھم اللھو۔ انصار کو تو لہو پسند ہے۔ پس ناجائز لہو صرف یہی ہے جس کی صحیح تشریح امام عبدالغنی نابلسی نے ان الفاظ میں کی ہے:

لہو ممنوع

و المراد باللھو الاعراض بسبب ذلک عن الطاعات و

نسیان الفرض و الواجبات و الاشتغال بالمحرمات و
المکروهات کسماعها علی الخمر و الزنا و نحو ذلک
من المنهیات او خطور شئی ذلک بباله و استقرار ما فی
وقت سماعها کما سیاتی بیانه و کل احد یعرف ذلک
من نفسه لا من غیره و الاعمال بِالنّیات و انما لکل
الامری ما نوی (انتہی مختصراً)۔
لہو سے مراد یہ ہے کہ اس کی وجہ سے طاعت الٰہی کی طرف
سے بے توجہی ہو یا فرائض و واجبات فراموش ہو جائیں یا
حرام و مکروہات میں رغبت ہو جائے' مثلاً خمر یا زنا یا اس
طرح کی دوسری منہیات پر ابھارنے والا گانا سننا جس سے
سنتے وقت یا بعد میں عارضی یا مستقل طور پر ناجائز خیالات
دل میں پیدا ہوں۔ اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا اور ان
تمام باتوں کا صحیح اندازہ ہر شخص اپنے دل ہی سے کر سکتا ہے
نہ کہ دوسرا۔ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے' اور ہر شخص
کو اس کی نیت ہی کے مطابق جزا ملے گی۔

لہٰذا صرف موسیقی ہی نہیں بلکہ جو دلچسپی حتیٰ کہ وظیفہ خوانی بھی اگر فرائض و واجبات سے غافل کر دے تو وہ ناجائز ہے۔ لہٰذا اگر کوئی گانا ہو تو وہ وہی لہو ہے جس سے پرہیز ضروری ہے اور گانے کے ساتھ مزامیر ہوں تو بلاشبہ وہ مزامیر الشیطان ہیں۔ ایسے گانے اور مزامیر سے پرہیز کرنے والوں کو (از روئے حدیث مذکور) بلاشبہ جنت میں اعلیٰ درجہ کے گانے اور نغمے اور مزامیر سب سنائے جائیں گے۔ لیکن اگر اس قسم کا ناجائز لہو نہ ہو تو نہ کوئی گانا دنیا میں حرام ہو سکتا ہے نہ کوئی مزامیر۔

سماع اور ترک سماع لِلّٰہ

(۲) دوسری قابل غور چیز یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی خاطر ناجائز گانے بجانے سے پرہیز ہوتا ہے اسی طرح عین اللہ ہی کی خاطر جائز گانے بجانے سے دلچسپی بھی لی جا سکتی ہے۔ آپ کو تعجب ضرور ہو رہا ہوگا کہ بھلا اللہ کے لیے بھی گانا بجانا ہو سکتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جی ہاں ہو سکتا ہے۔ اس بحث کا انتظار فرمایئے۔

(۸)

امام ابوبکر اور تفسیر حبرہ

اچھا یہ بھی سن لیجئے کہ حبرہ کے معنی گانا بجانا لے کر "تحریف قرآن" کا جرم کرنے والے صرف نواب صاحب وغیرہ نہیں' ایک بزرگ اور بھی ہیں۔ یہ ہیں امام ابراہیم بخاری جنھوں نے امام ابی بکر بن ابی اسحاق بخاری کلابادی کی مشہور کتاب التعرف لمذهب التصوف کی شرح فارسی زبان میں کی ہے۔ یہ چار حصوں میں ہے۔ اس کا آخری باب آداب السماع پر ہے جس میں شارح موصوف لکھتے ہیں: چنانچہ در خبر آمده است کہ بعضے از مفسران گفتہ اند در قول خدائے تعالیٰ کہ مے گوید اِن الذین آمنُوا و عملُوا الصّٰلحٰت فهم فی روضة یحبرون قیل یحبرون بالسماع۔

مراسلہ نگار صدق سے یہ خطرہ ہے کہ پھر فوراً کہہ دیں گے کہ یہاں قیل لکھا ہوا ہے۔ ہم دوسری قسط میں واضح کر چکے ہیں کہ ہر قیل تمریض کے لیے نہیں ہوتا۔ جب لکھنے والا قائلین کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا تو صرف قیل پر اکتفا کرکے آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس قیل کے قائل کو ڈھونڈنا دوسروں

کا کام ہوتا ہے اور ہم ایک نہیں بہت سے قائلین کا ذکر دوسری قسط میں کر چکے ہیں۔ یہاں تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ خود امام ابو ابراہیم کیا لکھتے ہیں۔ اگر وہ خود اس تفسیر حبرہ کی تائید میں نہ ہوتے تو یہ آیت نہ لکھتے یا لکھتے تو تردید کر دیتے۔ بہرحال جس کا جی چاہے وہ شوق سے ان کو "محرفین قرآن" میں شمار کر کے اپنے ایمان کو غارت کرے۔

اب تک ہم نے تینوں قسطوں میں جن صاحبان علم و تقویٰ سے حبرہ بمعنی گانا بجانا نقل کیا ہے' وہ یہ ہیں:

علی' ابن عباس' مجاہد' یحییٰ بن ابی کثیر' وکیع' ابوبکر بن ابی اسحٰق' سید احمد کبیر' شیخ ابو النجیب سہروردی' نواب صدیق حسن خاں وغیرہ۔ آپ کا دل چاہے تو بڑے شوق سے ان تمام "گمراہ محرفین قرآن" میں (العیاذ باللہ) اس فقیر کا نام بھی لکھ لیجئے۔ ہم دوسرے تراجم کے غلط ہونے پر کوئی اصرار نہیں کرتے۔ اصرار صرف اپنے ترجمے کے صحیح ہونے پر ہے۔

جواز موسیقی

مولانا سید محمد ہاشم فاضل شمسی (لائبریرین پراونشل لائبریری کراچی) لکھتے ہیں:

ماہنامہ تاج کراچی ستمبر ۱۹۵۶ء میں ایک مختصر سا مضمون بجواب فاران کراچی شائع کر چکا ہوں۔ مدیر مخالف نے "سماع شریف" کہہ کر صلحائے امت پر طنز کیا تھا اور اس مجلس ذکر کی توہین کی تھی۔ لہٰذا "سماع شریف" ہی کی ذیلی سرخی کے تحت سماع پر چند سطریں لکھ دی گئیں۔ اور ارادہ تھا کہ باقاعدہ اس عنوان پر مفصل مضمون لکھوں، مگر شاید آپ کو اندازہ نہ ہو، لاہور اور کراچی کے درمیان جو طویل بعد مسافت ہے دونوں شہروں کے ماحول میں بھی اس سے کم فرق و دوری نہیں ہے۔ لاہور میں جہاں لا مذہب یا ضعیف المذہب رہتے ہیں وہاں ایک بڑی جماعت سرفروشان مذہب کی بھی موجود ہے۔ مگر کراچی کا حال بالکل مختلف ہے۔ ان حالات میں بعض مباحات کی تائید بلکہ چند خاص مستحبات کی حمایت سے اندیشہ ہے کہ اسلام سوزی کا کام کہیں تیز نہ ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق (۲۴) سے اس حقیقت کا اعلان مقصود ہے کہ ہماری زندگی کا مدار طبعی حاجات کی تکمیل پر ہے اور زندگی کا اظہار چند معین حواس کے ذریعے ہوتا ہے۔ لہٰذا زندگی اپنے تمام اصولی و فروعی تقاضوں کے ساتھ سراپا احتیاج ہے، اور اس کی ہر حاجت اور حاجت روائی کا سامان اللہ کا رزق ہے۔ ان ارزاق میں بعض طیب لذاتہ ہیں، وہ حلال ہیں اور خبیث لذاتہ ہیں وہ حرام ہیں اور بعض طیب لذاتہ مگر خبیث لغیرہ ہیں، ان کا استعمال اسی حد تک ممنوع ہے جب تک خبیث کی آلائش باقی ہے، مثلاً طیب چیز ناجائز ذریعہ سے حاصل کی گئی یا وہ طیب چیز

بعض طبعی و مزاجی حالات میں ہلاکت آفریں معلوم ہو۔ اسی طرح بعض اشیا خبیث لذاتہ اور طیب لغیرہ ہیں' مثلاً مردار اور شراب کہ خوف ہلاکت و موقع اضطرار میں استعمال ہوں گے' لہٰذا جن چیزوں کو بھی ہم شریعت کے حدود کے اندر رہ کر استعمال کریں گے' وہ رزق طیب ہی ہوں گی۔

ہماری احتیاجات حواس کے اعتبار سے مختلف الجہات ہیں اور ہر جہت میں جو حاجت پیدا ہوتی ہے ان کی تکمیل کے لیے رزاق کریم نے ارزاق طیبہ خلق فرمائے ہیں۔ ان طیب رزقوں میں سے کسی چیز کو حرام قرار دینا قرآن مجید کے زیب عنوان امت کی مخالفت ہو گی۔ مثلاً حاسۂ بصرہ کے لیے دیدہ زیب اشکال و صُوَر اور الوان رزق ہیں۔ حاسۂ سمع کے لیے اچھی اور سریلی آوازیں رزق طیب ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی چیز اس وقت تک حرام و ممنوع نہیں ہو سکتی جب تک فواحش ما ظهر منها و ما بطن کی آمیزش سے ان میں کدورت نہ آ جائے۔ پیاری اور سریلی آوازیں خواہ حلقوم انسانی سے پیدا ہوں یا کسی اور جامد و بے جان اشیا سے پیدا کی جائیں' فواحش کی آلائش سے جب تک پاک ہیں طیب ہیں' اور جس حد تک فواحش کی آلائش ہو گی ممانعت و حرمت عائد ہوتی جائے گی۔ آیت مذکور بالا میں موسیقی بھی داخل ہے۔ جب تک فواحش سے پاک ہے رزق طیب ہے۔ جب فواحش سے امتزاج ہو گا خبیث و حرام ہو جائے گی۔ قرآن کی عمومی تحلیل کا دائرہ وسیع ہے اور یہ اپنی وسعت کے ساتھ کارفرما ہے۔ جو چیزیں دائرہ حلت سے خارج ہوں گی کسی واضح دلیل سے ہوں گی۔ حرمت موسیقی قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے۔ رہیں حدیثیں تو اصولی طور پر اخبار احاد عمومات قرآنیہ کی مخصص نہیں ہوتیں۔ خبر واحد سے قرآن کا اطلاق مقید نہیں ہوتا' چہ جائے کہ قرآن مجید کی حلال کردہ چیزوں کو خبر واحد سے حرام ٹھہرایا جائے۔ موسیقی کی حلت قرآن کے عموم طیبات سے ثابت ہے اور اس کی تحریم خبر واحد سے پیش کی جائے اور اس خبر

واحد کا حال یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک قابل استدلال نہیں ہے' کیونکہ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ حرمت غنا کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ سب موضوع یا ضعیف ہیں اور اس سلسلے کی کوئی روایت حضور اکرم علیہ الصلوۃ و السلام سے ثابت نہیں ہے بلکہ حضور اکرم علیہ الصلوۃ و السلام سے حلت غنا کی روایتیں ثابت ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سماع غنا عہد نبوی کے بعد بھی ثابت ہے۔ تابعین' تبع تابعین سے حلت غنا و استماع غنا کا ثبوت ملتا ہے۔.

پھر ایک ایسا مسئلہ جو عموم قرآن سے جائز ثابت ہو۔ قرآن میں اس کی ممانعت نہ ہو۔ خصوصا" سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے جائز ثابت ہو۔ تابعین و تبع تابعین کی تحقیق میں جائز ٹھہرے۔ محدثین کے نزدیک جائز ہو۔ کوئی شخص ضعیف و موضوع روایتوں سے اس کی حرمت کا دعویٰ کرے' اور فسق و فجور قرار دے' سخت حیرت کی بات ہے۔ موسیقی جب فواحش سے آمیزنہ ہو یا لہو الحدیث نہ بنے' جائز ہے اور اگر اس کی غرض اللہ و رسولؐ کا ذکر ہے تو یہ سنت داؤدی ہے۔

جواب

فاضل مراسلہ نگار نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ اپنی جگہ بہت وزنی ہیں اور منکرین سماع کو بعض نئے نکات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ موصوف نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ:

"... ان حالات میں بعض مباحات بلکہ چند خاص مستجبات کی حمایت سے اندیشہ ہے کہ اسلام سوزی کا کام تیز تر ہو جائے۔"

اس بات نے ایک نئے مبحث کی طرف ہمیں متوجہ کیا ہے۔ یہ بالکل صحیح

ہے کہ فقہی مسائل میں عصری تقاضوں کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ اس لیے موسیقی پر گفتگو کرتے وقت اس کے نتائج و ثمرات کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہئے۔ لیکن اس سلسلے میں چند باتیں ضرور سامنے رکھئے:

(۱) پہلی چیز تو یہ ہے کہ محدثین اور ان کے تبع فقہا جب بھی مسئلہ غنا کا ذکر کرتے ہیں تو ایک طرف تو وہ واشگاف لفظوں میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ حرمت غنا پر کوئی نص موجود نہیں۔ روایات جتنی بھی ہیں وہ سب کی سب موضوع یا غایت درجہ کی ضعیف ہیں۔ اس کے ساتھ وہ کچھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے یہ تشریح شروع کر دیتے ہیں۔ جو روایات حرمت غنا کے متعلق ہیں وہ اسی غنا کے متعلق ہیں جو لہو و لعب اور فسق و فجور سے وابستہ ہو۔ لہٰذا جو غنا فواحش سے مقترن ہو وہ ناجائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب حرمت غنا کی تمام روایات ہی موضوع ہیں تو ان سے اس قسم کے معذرت خواہانہ استدلالات کب درست ہیں؟ بات سیدھی کرنی چاہئے کہ گانا بجانا مطلقاً جائز ہے اور اس کی اباحت میں کوئی شک نہیں کیونکہ انبیا، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، مجتہدین، صلحا سب سے اس کی اباحت ثابت ہے۔ رہا کسی خارجی وجہ سے اس کا ناجائز ہو جانا تو وہ کس چیز میں نہیں؟ اگر آپ سے کوئی نماز کے متعلق دریافت کرے تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ نماز فرض ہے۔ نکاح کے متعلق پوچھا جائے تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ سنت ہے (النکاح سنتی)۔ انڈا کھانے کے متعلق سوال ہو تو جواب یہ ہے کہ مباح ہے (ھلم جرا)۔

ان سوالات کا جواب یہ نہیں کہ —— "ہاں نماز فرض تو ہے مگر بیت الخلا میں نماز پڑھنا یا ریاکاری کے لیے پڑھنا ناجائز ہے۔ نکاح سنت تو ہے مگر نامرد کے لیے حرام ہے۔ انڈا بے شک جائز ہے لیکن اگر کسی پڑوسی کی مرغی کا ہو تو اسے بلا اجازت کھانا دائرہ جواز میں نہیں آتا" —— جواب کا یہ انداز

ہمارے نزدیک درست نہیں۔ یہ "اگر، مگر، لیکن اور بشرطیکہ" وغیرہ بالکل بے ضرورت ہے، بے معنی ہے۔ ہر چیز کے متعلق راست جواب یہ ہونا چاہیے کہ فی حد ذاتہ وہ کیا ہے؟ یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر کفالت کی استطاعت موجود ہو، پسندیدہ رشتہ بھی مل رہا ہو اور بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو نکاح محض مباح یا سنت ہی نہیں رہتا، بلکہ نماز سے بھی کچھ زیادہ فرض ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی عنین (نامرد) ہو اور کفالت کی کوئی استطاعت بھی نہ رکھتا ہو تو نکاح محض مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا بلکہ خنزیر سے زیادہ حرام ہو جاتا ہے۔ غرض اباحت سے لے کر فرض تک اور خلاف اولیٰ سے لے کر حرام مطلق تک جتنے بھی درجے ہیں وہ سب سے سب ہو سکتے ہیں۔ جیسے حالات ہوں گے ویسا فتویٰ ہو گا۔ لیکن جب نکاح کے متعلق علی الاطلاق گفتگو ہو تو اسے فی حد ذاتہ سنت ہی کہا جائے گا "اگر، مگر، اور لیکن" کے ساتھ اسے وابستہ نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس کے درجات ہی سے بحث کرنے کا موقع ہو تو صرف اتنا کہنا کافی نہیں کہ نکاح کبھی مکروہ بھی ہوتا ہے۔ کراہت تو صرف ایک درجہ ہوا۔ اس کے ساتھ فرضیت، وجوب، سنت موکدہ، مستحب اور اباحت محصنہ اور پھر اس کے مقابلے میں حرمت مطلقہ، کراہت تحریمی، کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ وغیرہ سب کو بیان کرنا چاہیے۔ صرف ایک ہی پہلو کے دو ایک درجوں پر اکتفا کر لینا کوئی منصفانہ روش نہیں۔

غنا کو حرام کہنے والوں کی روش نسبتاً" سیدھی ہے۔ وہ عموماً" ناجائز و حرام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں لیکن جواز غنا کے قائلین (خواہ وہ محدثین ہوں یا فقہا یا صوفیہ) عموماً" یہ کرتے ہیں کہ اباحت کے اعتراف کے ساتھ وہی معذرت خواہانہ "اگر، مگر، لیکن، وگرنہ، بشرطیکہ" وغیرہ کا ذکر ضرور کر دیتے ہیں۔ مجھے ان کے کامل احترام کے باوجود افسوس ہے کہ ان کی روش سے اتفاق نہیں۔ اس کی دو وجہیں ہیں:

(الف) اگر وہ اس کی حرمت کے درجات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے مقابلے میں اباحت سے لے کر فرضیت تک کے درجات کو بھی ذکر کرنا چاہیے۔ جس طرح خنزیر و مردار بعض اوقات حلال ہو جاتا ہے' اسی طرح بعض اوقات گانا بھی اباحت کی حد سے گذر کر مستحب' سنت موکدہ' واجب اور فرض بھی ہو جاتا ہے۔ بحمد اللہ چند بزرگوں کو ان درجات کے ذکر کی توفیق بھی نصیب ہوئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

شیخ الفقہاء الحنفیہ علامہ خیرالدین رملی لکھتے ہیں:

و اما سماع السادة الصوفية فبمعزل من هذا الخلاف بل مرتفع عن درجة الاباحة الى رتبة المستحب كما صرح به غير واحد من المحققين۔

(ترجمہ) رہا صوفیہ کرام کا گانا سننا تو وہ ان اختلافیات سے الگ چیز ہے بلکہ جواز کے درجے سے گذر کر یہ مستحب کے درجے تک پہنچتا ہے' جیسا کہ بہت سے محققین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (فتاویٰ خیریہ جلد ۲ ص ۱۷۹ و ص ۲۱۲)

شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسی لکھتے ہیں:

"------ ایسی ہی ایک محفل میں شیخ موصوف (شیخ تقی الدین) کے ساتھ بعض ائمہ ...... نے شرکت کی جس کے متعلق شیخ شہاب الدین بن عبدالطاہر کہتے ہیں کہ شیخ تقی الدین پر عالم وجد طاری ہوا۔ وہ ٹہل ٹہل کر کہہ رہے تھے کہ: ایسے لوگوں کی محفل سماع میں شرکت تو قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ (فرح الاسماع' مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ ص ۱۲۔۱۶)

ملا جیون تفسیر احمدی میں ناجائز محافل غنا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

----- بخلاف لولیاء الحق فانہ لم یبق حدیثا لھوا" فی شانھم بل یکون ذلک وسیلة لرفع درجاتھم و نیل کمالاتھم۔

"بخلاف اولیائے حق کے کہ ان کا معاملہ صرف یہی نہیں کہ لہو حدیث سے الگ ہے بلکہ یہ سماع ان کی بلندی درجات اور حصول کمالات کا ذریعہ ہے۔"

حضرت سید محمد گیسو دراز فرماتے ہیں:

"فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بود (سیر الاولیاء)

میرا روحانی کشود یا تلاوت قرآن کے دوران ہوا یا محفل سماع میں۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیری سمنانی لکھتے ہیں:

"حضرت قدوۂ کبریٰ فرمودند: حالتے کہ عارف را در سماع دست دہد و وقتے کہ سالک را در استماع نصیب گردد از صد چلہ حاصل نہ شود و از ریاضات شدیدہ واصل نہ بود... حضرت قدوۂ کبریٰ فرمودند کہ بعض از طائفہ بہ فرضیت سماع قائل اند کالدواء للداء ۔ و بالنغمات نظھر مخاطبات الاسرار و یتحرک جذبات الانوار فان السماع محرک القلوب۔"

حضرت قدوۂ کبریٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ عارف کو سماع میں جو حالت پیدا ہوتی ہے اور سالک کو گانا سننے میں جو فیض حاصل ہوتا ہے وہ سو چلوں اور سخت ریاضتوں سے بھی میسر نہیں آتا ----- حضرت قدوہ کبریٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بعض گروہ صوفیہ سماع کی فرضیت کے قائل ہیں، جیسے

بیماری کے لیے دوا ہوتی ہے' اور کانوں سے پراسرار
مخاطبت ہوتی ہے اور انوار کی کشش حرکت میں آتی ہے
کیونکہ سماع سے دل متحرک ہو جاتے ہیں۔"

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ:

"اگر زمان' مکان اور اخوان یک جا ہوں تو سماع واجب
ہے۔" (احقاق السماع ص ۲۷)

مولانا بحر العلوم کے صاحب زادے مولانا عبد الاعلیٰ لکھتے ہیں:

"و چشتیہ از فرقۂ صوفیہ سوئے وجوب وے رفتہ مشروط کردہ
اند کہ مغنی و مستمع امرد نہ باشد و ذوق الٰہی داشتہ باشد
(شرح مناقب رزاقیہ' مولفہ ملا نظام الدین)

صوفیوں میں فرقہ چشتیہ سماع کے وجوب کی طرف گیا ہے بایں شرط کہ گانے والا اور سننے والا امرد نہ ہو اور اس میں ذوق الٰہی موجود ہو۔

حضرت سید احمد کبیر رفائی فرماتے ہیں کہ:

السماع داعية الى الحق و هو من جملة القربات۔

گانا حق کی طرف بلاتا ہے اور وہ تقرب الٰہی کا ایک ذریعہ
ہے۔ (جلاء الصدیٰ فی سیرۃ امام الہدیٰ)

مخدوم سید اشرف جہانگیری سمنانی لطائف اشرفی میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"سماع کے لیے زیادہ اولیٰ جگہ مسجد ہے۔"

مولانا عبد الرحمان لکھنوی پنجابی مسجد ہی میں سماع سنتے تھے اور کہتے تھے کہ:

"سماع ہماری عبادت ہے اور مسجد عبادت کے لیے مختص ہے۔"
(عقائد العزیز)

امام احمد غزالی کے متعلق بھی عقائد العزیز میں یہی لکھا ہے کہ وہ سماع

کے لیے مسجد کو زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ اگر سماع سے کوئی روحانی فائدہ نہ ہو اور صرف مادی فائدے مقصود ہوں' جب بھی اباحت سے لے کر فرض تک کے مختلف درجات ہوں گے۔ بیسیوں امراض ایسے ہوتے ہیں جن کا علاج صرف موسیقی سے ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو "اسلام اور موسیقی" صفحہ ۱۲۹)

یہ چند اقتباسات ہیں جن سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے اہل دل' اہل علم اور اہل نظر نے سماع کے صرف حرمت کے پہلو کو ہی نہیں بیان کیا ہے بلکہ اس پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے جس میں اباحت سے لے کر فرضیت تک سماع کے مختلف درجات ہیں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں نے فتوائے اباحت کے ساتھ کراہت ہی کے مختلف درجات کو کیوں بیان کیا؟ ساتھ ہی اباحت سے آگے مختلف درجات کا ذکر بھی کیوں نہ کیا؟

(۲) دوسری وجہ اختلاف ہمیں ان بزرگوں سے یہ ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ موسیقی کے ذکر کے ساتھ اس کے قبیح لغیرہ ہونے کے اسباب کا ذکر بھی تفصیل سے ضروری سمجھتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ مثلاً اگر غنا و موسیقی کے ساتھ فواحش و منکرات ہوں یا یہ فرائض سے غافل کر دیں یا ناجائز لہو' شراب' زنا' وغیرہ کی محفل ہو یا شہوت انگیز مضامین گائے جائیں یا عورتیں اور امارد موجود ہوں یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو (۵۲) ہو وغیرہ وغیرہ تو ایسی موسیقی ناجائز و حرام ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ غنا کے ساتھ ان فواحش کا خواہ مخواہ ذکر کر کے اصل مسئلے پر پردہ ڈالنے کی کیا ضرورت پیش آ جاتی ہے؟ ان چیزوں کا ذکر باب الفواحش میں ہونا چاہیے۔ صرف موسیقی سے ان کو نتھی کرنے سے غرض کیا ہے؟ یہ فواحش تو جس جگہ بھی ہوں گے اور جس محفل یا جس چیز کے ساتھ وابستہ ہوں گے' وہ ناجائز ہو گی۔ پھر سوال یہ ہے کہ اور احکام کے ساتھ ان فواحش کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ اگر شرح وقایہ کے بعض

حصے پڑھنے سے شہوت پیدا ہو (درآں حالیکہ اس کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جو سماع سے کہیں زیادہ ہیجان انگیز ہو سکتے ہیں) تو اس کا پڑھنا ناجائز ہے؟ یہ کیوں نہیں لکھتے کہ اگر مسجد میں امارد آئیں اور اس سے خراب جذبات پیدا ہوں تو مسجد میں آنا جائز نہیں؟ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ عورتوں کو دیکھ کر یا ان کی آواز سن کر ہیجان انگیز خیالات آئیں تو ان کی گواہی حرام ہے؟ یہ فتویٰ کیوں نہیں دیتے کہ امرد طلبہ مدرسوں میں پڑھنے آئیں تو انہیں علم دین مت پڑھاؤ بلکہ انہیں خارج کردو یا مدرسے کو بند کردو؟ یہ ساری باتیں موسیقی ہی کی طرح کثیر الوقوع ہیں۔ پھر ان فواحش کا ذکر خاص طور پر محافل موسیقی کے ساتھ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ اگر کسی محفل میں یہ فواحش ہوں اور وہاں موسیقی کا نام و نشان بھی نہ ہو اور ایک شعر بھی کسی کی زبان پر نہ آئے تو کیا وہ محفل جائز ہو جاتی ہے؟ اور کیا اگر نثر میں گفتگو کے طور پر کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو ہو تو وہ دائرہ جواز میں آجاتی ہے؟ کیا کوئی غنا بغیر فواحش کے یا کوئی فاحش بغیر موسیقی کے نہیں ہوتا؟ جتنے درجات کراہت موسیقی کے ہیں اتنے ہی اباحت غنا کے بھی ہیں۔ پھر خاص طور پر درجات کراہت ہی کو ذکر موسیقی کے ساتھ لپیٹے رہنے کا مطلب کیا ہے؟ اسی کے ساتھ ساتھ درجات اباحت کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا؟

شہوت کوئی بری چیز نہیں۔ یہ خدا کی نعمت ہے۔ یہ بری اس وقت ہوتی ہے جب اس کا مصرف غلط لیا جائے۔ ہمارے دور کے بعض نہایت صوفی و متقی فقہا نے اپنی دینی کتابوں میں امساک کے تعویذ اور طلا کے نسخے بھی لکھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا مقصد قوت جنسی میں اضافہ کرنا ہی ہے لیکن ہم اس پر معترض ہونے کا حق نہیں رکھتے کیونکہ یہ اضافہ کوئی فعل حرام نہیں۔ حرام صرف اس وقت ہوگا جب اس کا مصرف غلط لیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ اسی نقطہ نظر سے موسیقی کو بھی کیوں نہیں دیکھا جاتا؟ اگر اس سے جنسی ہیجان بھی پیدا ہو —— جو استعمال طلا کے ہیجان سے بہرحال کم ہوگا —— تو یہ کوئی گناہ

نہیں، بلکہ کم قوت لوگوں کے لیے یہ اسی طرح ضروری ہے جس طرح مقوی گولیاں اور محرک دوائیں اور عمدہ طلا۔ ہاں اگر اس سے مصرف غلط لیا جائے گا تو ناجائز ہو گا۔

یہ ساری باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غنا و موسیقی کے متعلق جب بھی مطلق سوال ہو تو اس کا مطلق جواب ایک اور صرف ایک ہے کہ اس کی اباحت و حلت و جواز پر ہمیشہ سے اجماع امت رہا ہے، جیسا کہ شیخ محمد بن احمد مغربی طیونسی اپنی کتاب فرح الاسماع (۵۳) میں اور امام کمال الدین اوفوی اپنی الامتاع میں لکھتے ہیں۔ اور اگر سوال کسی خاص حالت یا شرط کے ساتھ ہو تو اس کے مطابق جواب دینا چاہیے۔ اور اگر مطلق سوال کے ساتھ دوسرے مقتضیات و شرائط کا ذکر بھی ضروری ہو تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کراہت و حرمت کے درجات کے ساتھ اس کے تمام درجات اباحت و وجوب کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ جہاں موسیقی کا ذکر آیا خطرے کی گھنٹی بجنی شروع ہو گئی اور عدم جواز کے تمام پہلو اجاگر ہونے شروع ہو گئے۔ ہمیں اس روش سے مودبانہ اختلاف ہے خواہ کوئی محدث اسے اختیار کرے یا فقیہ یا صوفی۔

ہمارے نزدیک موسیقی، غنا، قوالی، سماع یا گانے بجانے کے متعلق سوال کا صرف ایک سیدھا سادا جواب ہے کہ فی حد ذاتہ اس کی مطلق حلت و جواز و اباحت پر عہد نبوی سے لے کر آج تک اجماع امت رہا ہے۔ البتہ خارجی عوامل کی وجہ سے وہ جس طرح خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی اور حرام مطلق ہو سکتا ہے اسی طرح مباح، مستحب، سنت موکدہ، واجب اور فرض بھی ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا بھی کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کہ عام طور پر موسیقی سے ناجائز ہی مصرف لیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کی حرمت پر ہی زور دینا چاہیے۔ یہ بالکل ایسا

ہی ہے جیسے کہا جائے کہ عام طور پر جنسی قوت سے ناجائز ہی مصرف لیا جاتا ہے لہٰذا لوگوں کو نامرد ہو جانے پر زور دینا چاہئے' یا دولت سے زیادہ تر غلط کام لیے جاتے ہیں لہٰذا افلاس کی زیادہ تبلیغ کرنی چاہئے۔ بلکہ اس سے آگے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عام طور پر نماز ریاکاری سے پڑھی جاتی ہے لہٰذا ترک نماز پر زور دینا چاہئے۔ بلکہ کہنے والا یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سے آج تک عام طور پر اسلام کو غلط ہی استعمال کیا جاتا رہا ہے اس لیے کفر پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ اس طرح کے استدلالات اہل علم کو زیب نہیں دیتے۔ مسئلہ جو ہو وہی بیان کرنا چاہئے۔ البتہ خاص حالات میں خصوصی فتوے بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ لیکن وہ مخصوص زمان و مکان یا احوال و ظروف کے ساتھ ہی وابستہ رہیں گے' عموی فتوے نہ ہوں گے۔ اگر حالت اضطرار میں مردار کھانے کی اجازت دی جائے تو اسے عموی فتویٰ بنانا صحیح نہ ہو گا۔ عموی فتویٰ حرمت ہی کا رہے گا۔ غالبا" یہی وجہ ہے کہ امام عبدالغنی نابلسی نے نہ فقط گانے کے متعلق بلکہ آلات مطربہ یعنی سازوں کے بارے میں بھی صاف یوں لکھ دیا ہے کہ:

فان لم تكن لاجل التلهى فليست بحرام بل هى مباحه حينئذ لجميع المسلمين و المومنين سواء كان من العامة القاصرين او من الخاصة الكاملين و لا يكتم هذا الحكم من احد مطلقا (ایضاح الدلالات فی سماع الالات ص ۱۰)

اگر ساز لہو کے لیے نہ ہوں تو یہ حرام نہیں بلکہ تمام مومن و مسلم کے لیے جائز ہے خواہ وہ ناقص عوام ہوں یا کامل خواص' اور اس حکم کو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رکھنا چاہئے۔

لہو کے معنی خود امام عبدالغنی نابلسی نے وضاحت کے ساتھ لکھ دیئے ہیں اور ہم اسے بھی لکھ چکے ہیں کہ لہو صرف اس وقت ہو گا جب اس وجہ سے کوئی فرائض سے غافل ہو جائے یا منکرات میں مبتلا ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو لہو بھی قطعاً" مباح ہے۔ ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ان الانصار یعجبہم اللہو (انصار کو لہو سے دلچسپی ہے)۔ پھر حضورؐ نے ایک مغنیہ (زینب) کو انصار کے ہاں جا کر اپنا ہنر موسیقی دکھانے کا حکم دیا۔

اس موقعے پر ذرا یہ ذہن نشین رہے کہ امام مالک کے نزدیک دف بجا کر اعلان نکاح کرنا صحت نکاح کی شرط ہے۔ یعنی محض مباح نہیں بلکہ واجب ہے۔

غرض امام عبدالغنی نابلسی بھی اسے پسند نہیں فرماتے کہ گانے بجانے کی اصل حلت کو کسی مسلمان سے پوشیدہ رکھا جائے۔ ہم بھی اسی کو انسب سمجھتے ہیں اور اس میں صرف اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر اس کی کراہت کے مختلف درجات کی وضاحت کی جائے تو اس کی اباحت کے مختلف مدارج کو بھی واشگاف لفظوں میں ظاہر کر دینا چاہیئے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرنی مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو گانے بجانے سے کوئی دلچسپی نہیں اور انہیں اس سے کوئی روحانی کیف حاصل نہیں ہوتا بلکہ الٹی کوفت و انقباض ہوتا ہے۔ انہیں فی الواقع اس سے اجتناب ہی کرنا چاہیئے۔ اگر کسی کو گوشت پسند نہیں یا اسے نقصان کرتا ہے تو اسے کون مجبور کر سکتا ہے کہ چونکہ گوشت سید الطعام اور "سنت" ہے' اس لیے ضرور کھاؤ؟ اس کے لیے تو پرہیز ہی اولیٰ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسے کسی دوسرے کو روکنے کا ——— اور خصوصاً" ناجائز کہہ کر روکنے کا ——— قطعاً" کوئی حق نہیں پہنچتا۔ یہ ایک صریح شرعی جرم ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو کور ذوق نہیں بلکہ گانے بجانے سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اس کا کوئی غلط مصرف لینے کا اندیشہ بھی نہیں۔ اس کے باوجود وہ گانے بجانے سے اجتناب

کرتے ہیں۔ یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ وہ اگر کوئی اچھی نیت رکھتے ہیں اور کسی غلط تقویٰ کا غرور نہیں رکھتے تو وہ عنداللہ ماجور ہوں گے۔ لیکن وہ اگر اسے حرام بتانے لگیں تو یہ ان کی کم علمی ہو گی اور اگر کم علمی نہیں تو ماجور ہونے کے بجائے ماخوذ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایک بات اور بھی سن لیجئے۔ ہمیں موسیقی بلکہ سازوں کی مطلق اباحت پر اجماع امت ہونے میں رائی برابر بھی شک نہیں اس لیے اب اس کے مطلق جواز پر مزید دلائل پیش کرنے اور بحث کرنے کی ہم کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اب جسے گفتگو کرنی ہو وہ اس کے درجات اباحت ـــــ استحباب' سنت اور وجوب وغیرہ ـــــ پر گفتگو کرے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر گانا سنا ہے اور بعض موقعوں پر اس کا حکم بھی دیا ہے (۵۴) کسی اور ہستی کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ رہے ما و شما کے اقوال و افعال تو یہ اختلافات کسی اعتنا کے مستحق نہیں۔ اجماع کے یہ معنی نہیں کہ اس میں کسی ایک فرد امت کا بھی اختلاف نہ ہو۔ ایسا مسئلہ تو دنیا میں کوئی بھی موجود نہیں جس میں کسی نے کوئی اختلاف ہی نہ کیا ہو۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل نے صاف لفظوں میں فرما دیا ہے کہ من ادعی الاجماع فھو کاذب (جو شخص کسی مسئلے میں اجماع کلی کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے)۔ آج تک طریقہ نماز و حج وغیرہ پر تو اجماع امت ہو نہیں سکا تو اور کس مسئلے پر ہو گا؟

ہاں یہ صحیح ہے کہ ایک دور کے اجماع کو دوسرے دور کا اجماع بدل سکتا ہے کیونکہ تغیر احوال سے مسائل میں بھی تغیر پیدا ہو جاتا ہے لیکن موسیقی تو ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی حلت پر عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر دور میں ویسا ہی اجماع رہا ہے جیسا خلافت راشدہ کی راشدیت پر۔ اختلاف کرنے والوں نے تو ایک ایک خلیفہ راشد کی خلافت سے بھی اختلاف کیا ہے لیکن یہ اختلاف

ہمارے نزدیک نہ اجماع امت کو توڑ سکتا ہے نہ یہ اختلاف قابل اعتنا ہے۔

بے شک تغیر احوال سے مسائل بدل جاتے ہیں اور اس کلیے سے موسیقی بھی مستثنیٰ نہیں لیکن اگر یہ کسی وقت خاص حالات میں خلاف اولیٰ سے لے کر حرام تک ہو سکتی ہے تو ویسے ہی دوسرے حالات کی وجہ سے مباح سے لے کر واجب تک بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ یہاں سوال صرف فی حد ذاتہ مباح ہونے کا ہے۔ اور ہم اسی کے بارے میں یہ عرض کر رہے ہیں کہ اس پر ہر دور میں اجماع امت رہا ہے۔ اس حقیقت ثابتہ کے دلائل میں ہم نے ائمہ مجتہدین و صوفیہ وغیرہ کے اقوال پیش کیے ہیں۔ اگر کسی کو طنز و طعن کرنا ہو تو ان پر کرے' اگر وہ اس کی جرات کر سکتا ہے۔

آپ نے ماہنامہ "فاران" کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے وہ میری نظروں سے نہیں گذرا ہے لیکن یقین ہے کہ آپ نے علمی ہی گفتگو فرمائی ہو گی لیکن اس قسم کے "ماہنامے" اور "ہفت روزے" صرف جرنلزم اور صحافت کے ماہر ہیں جو اپنے حق میں یا دوسروں کے خلاف اچھا پراپیگنڈا تو کر سکتے ہیں لیکن علمی اور سنجیدہ گفتگو ان کا میدان نہیں۔ ان کے عدل و انصاف کا اندازہ اس سے فرمائیے کہ میری کتاب "اسلام اور موسیقی" کو پڑھے بغیر صرف نام سن کر ایک طنز نامہ لکھ مارا۔ لیکن یہ کبھی توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی سیاسی پارٹی کے جس شخص نے استمنا بالید' وطی فی الدبر اور متعہ وغیرہ کے جواز کا فتویٰ دیا' اس پر ایک حرف بھی لکھتے یا اب (الیکشن کی خاطر) جھوٹ بولنے کے جواز بلکہ وجوب پر جو خامہ فرسائی کر کے اسلامی اقدار کو رسوا کرنے کی کوشش کی ہے اس پر بھی لب کشائی کرتے۔ یہ حضرات ہر مسئلے کو خاص شخصیتوں کی عینک لگا کر دیکھنے کے عادی ہیں۔ آپ ان حضرات سے الجھ کر اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں؟ جن لوگوں کا سارا اسلام سمٹ کر صرف بیلٹ بکس میں آگیا ہے اور اب اس کعبہ مقصود کی راہ میں رقم زکوٰۃ دینی بھی ضروری ہو گئی ہے' ان

سے آپ دینی تحقیقات کی توقع ہی کیوں رکھتے ہیں؟ ان کے پاس دلائل کا کوئی جواب نہیں، ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا، اس لیے اپنی علمی و استدلالی بے بضاعتی کے خلا کو صرف طنز و استہزا اور بے وزن پروپیگنڈے ہی سے پر کرنے کی سعی فرما سکتے ہیں۔

کتابیات

الف

ابجدالعلوم: النواب السید صدیق حسن القنوجی (۱۲۴۸-۱۳۰۷)

ابطال دعوٰی الاجماع علی تحریم مطلق السماع: محمد بن علی الشوکانی (۱۱۷۳-۱۲۵۰)

اتحاف السادہ شرح احیاء علوم الدین للغزالی: ابو الفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق الحسینی الزبیدی الملقب بہ سید مرتضٰی (۱۱۴۵-۱۲۰۵)

احیاء علوم الدین: ابو حامد احمد الغزالی (۴۵۰-۵۰۵)

احقاق حق: مولانا عبدالباری فرنگی محلی

اخبار الاخیار: عبدالحق المحدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

اخوان الصفاء: ابو سلیمان المقدسی و ابو حسن الزنجانی، و النہرجوری، و العوفی و زید بن رفاعہ

آداب المریدین: الشیخ ابو النجیب عبدالقاہر السہروردی (۴۹۰-۵۶۳)

ارشاد الساری (علٰی صحیح بخاری): احمد بن علی القسطلانی الشافعی المصری (۸۵۱-۹۲۳)

الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر مالکی (۳۶۸-۴۶۳)

آستانہ زکریا (ماہنامہ): ملتان

اشعۃ اللمعات (شرح مشکوۃ المصابیح): عبدالحق المحدث دہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

اصل الاصول: فخرالدین زراوی (؟-۷۴۸)

اصول بزدوی: (دیکھیے کنز الوصول)

اقتناص السوانح: تقی الدین بن دقیق العید (۶۲۵-؟)

الامتاع باحکام السماع: جعفر بن ثعلب الاوفوی الشافعی (۶۸۵-۷۴۸)

انساب سمعانی: ابو سعید عبدالکریم بن محمد السمعانی المروزی الشافعی (۵۰۶-۵۶۲)

انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف السیرۃ الحلبیہ: علی بن برہان الدین الشافعی (۹۷۵-۱۰۴۴)

انیس الارواح: (ملفوظات خواجہ عثمان ہرونی) خواجہ معین الدین اجمیری چشتی (۵۳۵-۶۳۲)

اوائل النیل: عبدالکریم بن سمعانی (۵۰۶-۵۶۳)

ایضاح للدلالات فی سماع الالات: عبدالغنی النابلسی (۱۰۵۰-۱۱۴۳)

ب

البدایہ والنہایہ: ابو الفدا عماد الدین اسماعیل بن کثیر (۷۰۰-۷۷۴)

البستان: عبداللہ البستانی اللبنانی (۱۲۷۱-۱۳۴۸)

بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع: شہاب الدین ابو الفتوح احمد بن محمد الغزالی (؟-۵۲۰)

البیان فی احوال الصحابہ: محمد بن عمرو المکی

ت

التاج الجامع للاصول: منصور علی ناصف الازہری (کان حیاً فی ۱۳۵۱)

تاج العروس (شرح القاموس لمجدالدین الفیروز آبادی: السید الشریف مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵)

تاریخ ابن خلدون: عبدالرحمان بن خلدون الاشبیلی التونسی (۷۳۲-۸۰۶)

تاریخ بغداد: احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی (؟-۴۶۳)

تاریخ مکہ: ابو عبداللہ بن محمد اسحاق الفاکہی (؟-۲۷۲)

تحفۃ اولی الالباب فی العلوم المستفادۃ من النای والشباب: عبدالغنی النابلسی (۱۰۵۰-۱۱۴۸)

تحفۃالمحبین: السید الشریف مرتضیٰ زبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵)

التذکرۃ الحمدونیۃ(فی التاریخ والادب والنوادر والاشعار) : ابو المعالی کافی الکفاۃ بہاؤ الدین محمد بن حسن بن حمدون البغدادی (۴۹۵-۵۶۲)

الترغیب والترھیب(علی طریقہ المحدثین) : ابو القاسم اسماعیل بن محمد التمیمی الاصبہانی الشافعی (۴۵۷-۵۳۵)

تشنیف الاسماع(تلخیص الامتاع باحکام السماع للاوفوی) : ابو حامد المقدسی (۸۱۹-۸۸۸)

التعرف لمذہب التصوف: ابوبکر محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی (؟-۳۸۰) و شرحہ: ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی البخاری (؟-۴۳۴)

التعریفات: السید الشریف الجرجانی (۷۴۰-۸۱۶)

تفسیر احمدی: احمد بن سعید المعروف ملا جیون (۱۰۴۷-۱۱۳۰)

تفسیر القرآن: عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر(۷۰۰-۷۷۴)

تقریب التہذیب: ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

تلبیس ابلیس: ابو الفرج عبدالرحمان بن علی المعروف ابن الجوزی (۵۰۸-۵۹۷)

التلخیص الحبیر: ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

تہذیب الاسماء واللغات: محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف المعروف نووی (۶۳۱-۶۷۷)

تہذیب التہذیب: ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

ث

ثمرات القدس من شجرات الانس: لال بیگ، بخشی سلطان مراد بن اکبر بادشاہ

ج

جامع الالحان: عبدالقادر بن غیبی (۵۵) (؟-۸۳۸)

الجامع الصحیح (صحیح بخاری) : ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری
(۱۹۶-۲۵۶)

الجامع الصحیح (جامع ترمذی) : ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی
(۲۰۶ یا ۲۰۴-۲۷۵)

الجامع الصحیح (صحیح مسلم) : ابو الحسین مسلم بن الحجاج النیشابوری
(۲۰۱-۲۶۱)

الجامع الصغیر : الامام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی (۱۳۵ یا ۱۳۲ یا ۱۳۱-۱۸۷ یا ۱۸۹)

الجامع الصحیح (مسند دارمی) : ابو محمد عبداللہ التمیمی الدارمی (۱۸۱-۲۵۵)

جلاء الصدیٰ فی سیرة امام الہدیٰ (قلمی) : شیخ تقی الدین عبدالرحمان بن عبدالمحسن الواسطی (؟-۷۴۴) (یعنی السید احمد الکبیر الرفاعی (۵۰۰-۵۷۸) مولفہ (۱۱۵۲-۷۴۴)

الجلیس الصالح الکافی و الانیس الناصح الشافعی : معافی بن زکریا النہروانی المعروف ابن طرار (۳۰۳-۳۹۰)

جمع الفوائد : محمد بن محمد بن سلیمان بن الفاسی بن طاہر السوسی الرودانی المالکی
(۱۰۳۹-۱۰۹۴)

جمع الفوائد' مقدمہ : مولوی عاشق علی میرٹھی

جواز السماع و المزامیر : ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی المعروف ابن القیسرانی
(۴۴۸-۵۰۷)

الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم : الجوہری الطنطاوی (۱۲۸۷-۱۳۵۸)

ح

الحاوی الکبیر (فی فروع الفقہ الشافعی) : ابو الحسن علی بن محمد الماوردی البصری
(۳۶۴-۴۵۰)

حلیة الاولیاء : ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی (۳۳۶-۴۰۳)

خ

خاتم سلیمانی: مولانا الشاہ غلام حسنین الفلواروی (۱۳۱۷-؟)
خیر المجالس (ملفوظات خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (؟-۷۵۷):
مولانا حمید شاعر معروف بہ قلندر بن مولانا تاج الدین (؟-۷۶۸)

د

الدر النظیم (فی التفسیر): ابو الحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی (۶۸۳-۷۵۶)
دلیل الطالب علی ارجح المطالب: النواب صدیق حسن خان القنوجی
(۱۲۴۸-۱۳۰۷)

ر

راحت القلوب (ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر): خواجہ نظام الدین اولیاء
(۶۳۴-۷۲۵)
الرخصة فی السماع: ابو محمد ابن قتیبہ (۲۱۳-۲۷۶)
ردالمحتار (المعروف الفتاویٰ الشامیہ): ابن عابدین الشامی (۱۲۳۹-۱۳۰۷)
رسالة الی جماعة الصوفیہ ببلدان الاسلام و شکایة الی اہل السنة بحکایة ما نالہم
من المخة (المعروف الرسالة القشیریہ): ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن
القشیری (۳۷۶-۴۶۶)
رسالہ جواز سماع: سید جمال الدین محدث حنفی
رسالہ الشرفیہ: صفی الدین عبدالمومن بن فاخر
رسالہ سماع: علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری القرطبی الاندلسی (۳۸۴-۴۵۶)
الرسالة فی الموسیقی: یحییٰ بن ابی منصور
الرسالة فی السماع: ابو منصور البغدادی (؟-۴۲۹)
رشحات: حسین بن علی البیہقی السبزواری ثم الہروی ملا واعظ کاشفی (؟-۹۱۰)

الردات الثقات: محمد بن احمد (شمس الدین ابو عبداللہ) الذہبی الترکمانی (۶۷۳-۷۴۸)

روضتہ الاحباب (فی سیرۃ النبی و آل و الاصحاب): جلال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ الشیرازی الدشتکی الحسینی (؟-۸۰۳)

ز

الزرقانی: (دیکھئے المواہب اللدنیہ)

زمزمہ عشاق (قلمی): تسلیم احمد بن شیخ محمد تمیز علی امروہوی کمبوہ

س

ساکن الغرام الی روضات دار السلام: النواب صدیق حسن خاں القنوجی (۱۲۴۸-۱۳۰۷)

سبع سنابل: میر عبدالواحد بلگرامی (؟-۱۰۱۷)

سماع و وحدت الوجود: القاضی ثناء اللہ الپانی پتی (؟-۱۲۲۵)

السنن و الآثار و السنن الکبیر: ابوبکر احمد بن حسین البیہقی النیسابوری الشافعی (۳۴۸-۴۵۸)

سنن ابی داؤد: ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی (۲۰۲-۲۷۵)

سنن ابن ماجہ: ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (۲۰۹-۲۷۳)

السنن الکبیر للنسائی: ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی ۲۱۴ (۲۱۵، ۲۲۱-۳۰۳)

سیر الاولیاء: (محمد مبارک علوی) خواجہ امیر خرد کرمانی (باخورد) خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیا

سیر الاقطاب: الہدیہ بن عبدالرحیم بن حکیم بینا چشتی عثمانی

ش

شرح خطبتہ القاموس: قاضی عبدالرحیم بغدادی ثم سورتی گجراتی (؟-۱۲۴۷)
شمس المعارف (مکتوبات سلیمانی) : مولانا شاہ سلیمان ا لفلواروی (۱۲۷۶-۱۳۵۴)
شرح السنۃ: محی السنہ حسین بن مسعود ا لبغوی (۴۳۶-۵۱۶ یا ۵۱۰)

ص

صفوۃ التصوف: ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی المعروف ابن ا لقیسرانی (۴۴۸-۵۰۷)

ط

طبقات الشافعیہ الکبریٰ: ابو نصر تاج الدین عبدالوہاب بن علی ا لسبکی (۷۲۷-۷۷۱)
طبقات الشافعیہ: تقی الدین ابوبکر بن احمد بن القاضی شبہ (۷۷۹-۸۵۱)
طبقات الفقہاء: عبدالرحیم بن حسن بن علی الاسنوی الشافعی (۷۰۴-۷۷۷)
طبقات ناصری: منہاج الدین عثمان بن سراج الدین عمر الجرجانی جوزجانی (؟-۶۶۰)
الطریقۃ المحمدیہ و شرحہ البریقتہ المحمودیہ: محمد بن پیر علی المعروف برکلی (؟-۱۸۱)

ع

عقائد العزیز: شاہ عزیز اللہ صفی پوری
العقد الفرید: احمد بن محمد بن عبدربہ القرطبی (۲۴۶-۳۲۸)
عقد الجواہر المنیفہ فی ادلتہ مذہب الامام ابی حنیفہ: ابو ا لفیض محمد بن محمد بن محمد بن عبدالرزاق ا لحسینی الزبیدی ا لملقب بہ سید مرتضیٰ الزبیدی (۱۱۴۵-۱۲۰۵)
عمدۃ الرعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) : مولانا عبدالحی فرنگی محلی (۱۲۴۶-۱۳۰۴)
عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین ا لسہروردی (۵۳۹-۶۳۲)

غ

غایۃ المامول (حاشیہ التاج الجامع للاصول للازہری) : منصور علی ناصف الازہری (کان حیا فی ۱۳۵۱)

غنیۃ الطالبین: الشیخ عبدالقادر جیلانی البغدادی (۴۷۱-۵۶۲)

ف

الفاروق: مولانا شبلی نعمانی (۱۲۷۴-۱۳۲۲)

الفتاوٰی التاتار خانیہ: عالم بن علاء معاصر خان اعظم تاتار خان

الفتاوٰی الخیریتہ لنفع البریتہ: خیر الدین بن علی الرملی (۹۹۳-۱۰۸۱)

فوائد سعدیہ: (۵۶) قاضی القضاۃ ارتضٰی علی خان صفوی مدراسی (۱۱۹۸-۱۲۵۱)

فتاوٰی قاضی خاں: فخر الدین حسن بن منصور الاورجندی الفرغانی (؟-۵۹۲)

فتح الباری (شرح صحیح البخاری) : ابن حجر العسقلانی ۷۷۳-۸۵۲

فرح الاسماع: (۵۷) محمد بن احمد التونسی الشاذلی

فوائد الفواد (ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیا) : امیر حسن علاء سنجری (؟-۷۳۶)

ق

القدیم و الحدیث: محمد کرو علی (۱۲۹۳-۱۳۷۲)

قرع الاسماع فی بیان احوال القوم و اقوالھم فی السماع: عبدالحق المحدث الدہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

قوت القلوب (فی معاملتہ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید): ابو طالب محمد بن علی المکی (؟-۳۸۶)

ک

الکامل: المبرد (۲۱۰-۲۸۵)

کتاب الاغانی: ابو الفرج علی بن حسین الاصفہانی (۲۸۴-۳۵۶)

کتاب اللولو و الملاہی و نزہۃ المفکر الساہی: احمد بن طیب السرخسی (؟-۲۸۶)

کتاب معرفۃ الصحابہ: اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ الاصبہانی (۳۱۰-۳۹۵)

کتاب الموسیقی الکبیر: ابو النصر الفارابی (۲۶۰-۳۳۹)

کتاب الموسیقی الکبیر: احمد بن طیب السرخسی (؟-۲۸۶)

الکشاف عن حقائق التنزیل: محمود بن عمر الزمخشری (۴۶۷-۵۳۸)

کشف الظنون عن اسماء الکتب و الفنون: مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی المعروف الحاجی خلیفہ (۱۰۱۷-۱۰۶۷)

کشف المحجوب: ابو الحسن سید علی الغزنوی الجویری (۴۰۰-۴۶۵)

کشف المفتاح عن وجوہ السماع: مولانا فخر الدین زرادی (؟-۷۴۸)

کف الرعاع: ابن حجر العسقلانی (۷۷۳-۸۵۲)

کلام فی احصاء الایقاع: ابو نصر الفارابی (۲۶۰-۳۳۹)

کلام فی الموسیقی: ابو نصر الفارابی

کلمات طیبات: مرزا مظہر جان جاناں (؟-۱۲۱۱)

کنز الالحان فی علم الادوار: عبدالقادر بن غیبی المراغی (؟-۸۳۸)

کنز الوصول الی معرفۃ الاصول المعروف اصول البزودی: فخر الاسلام ابو الحسن علی بن محمد البزودی (۴۰۰-۴۸۴)

گ

گلستان: شیخ مصلح الدین سعدی الشیرازی (؟-۶۹۴)

گنج ارشدی (سوانح و ملفوظات جد مولف محمد ارشد جونپوری: (ابو الفیض قمر الحق)، غلام رشید بن محب اللہ بن بدر الحق محمد ارشد عثمانی جونپوری (۵۸) (۱۰۹۶-۱۱۶۷)

ل

لطائف اشرفی: سید اشرف جہانگیر سمنانی (۷۸۸-۸۰۸)

لطائف المنن: عبدالوہاب بن احمد الشعرانی (۸۹۸-۹۷۳)

لمعات: الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی۔ (۱۱۱۴-۱۱۷۶)

لمعات سلیمانی: مولانا الشاہ سلیمان الفلواروی (۱۲۷۶-۱۳۵۴)

م

مثنوی معنوی: مولانا جلال الدین الرومی (۶۰۴-۶۷۲)

مجرد الاغانی: (ابو الفرج) علی بن حسین الاصفہانی (۲۸۴-۳۵۶)

مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل: محمد طاہر فتنی (گجراتی) (۹۱۳-۹۸۶)

مدارج النبوۃ: عبدالحق المحدث الدہلوی (۹۵۸-۱۰۵۲)

مروج الذہب و معاون الجوہر: علی بن حسین ابو علی المسعودی (؟-۳۴۶)

المستدرک: ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیسابوری (۳۲۱-۴۰۵)

المسند (او الجامع الصحیح): ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (۳۸۴-۴۵۸)

المسند (او الجامع الصحیح): ابو محمد عبداللہ التمیمی الدارمی (۱۸۱-۲۵۵)

مسند احمد بن حنبل: احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی (۱۶۴-۲۴۱)

مسند الامام الاعظم (۸۰-۱۵۰): زین الدین قاسم بن قطلوبغا (۸۰۲-۸۷۹)

مسند الخوارزمی: ابوبکر احمد بن محمد البرقانی الخوارزمی (؟-۴۲۵)

مشکوۃ المصابیح: ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب
(کان حیاً فی ۷۳۷)

مصباح اللغات: عبدالحفیظ بلیاوی

مصنف: ابوبکر بن ابی شیبہ (۱۵۹-۲۳۴)

مصنف: ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی (۱۲۶-۲۱۱)

معجم الادباء: یاقوت بن عبداللہ ابو عبداللہ الحموی (؟-۶۲۶)

المعجم الکبیر و الاوسط و الصغیر : ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (۲۶۰-۳۶۰)
معدن المعانی : (ملفوظات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری) : شیخ زین بدر العربی (کان حیا" فی القرن الثامن)
معرفة السنن و الآثار : ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (۳۸۴-۴۵۸)
مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر : فخر الدین محمد بن عمر ابو عبد اللہ الرازی (؟-۶۰۶)
مفاتیح العاشقین : خواجہ محب اللہ
مفردات الفاظ القرآن : ابو القاسم حسین بن محمد المعروف راغب اصفہانی (؟-۵۰۲)
المقاصد الحسنہ فی کثیر من الاحادیث المشتہرہ علی الالسنة : ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمان السخاوی (۸۳۱-۹۰۲)
مقالید العلوم : علی بن محمد الجرجانی (۷۴۰-۸۱۶)
المقصدہ : مولانا علیم اللہ النقشبندی
المقنع فی فروع الحنبلیہ و شرحہ "الشافی" : عبد الرحمان بن محمد بن احمد ابن قدامہ الجماعیلی الحنبلی (۵۹۷-۶۸۲)
مکتوبات امام ربانی : شیخ احمد سرہندی (۹۷۱-۱۰۳۴)
المنجد : الاب لوئس معلوف الیسوعی (۱۲۸۴-۱۳۶۵)
المنہیہ : احمد بن سعید المعروف ملا جیون (۱۰۴۷-۱۱۳۰)
المواہب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ : شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۸۵۱-۹۲۳) و شرحہ (اشراق مصابیح السیر المحمدیہ بمزج اسرار المواہب اللدنیہ) : محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المصری (۱۰۵۵-۱۱۲۲)

ن

نزہتہ الخواطر : حکیم عبد الحی لکھنوی۔ (۱۲۰۸-۱۳۴۱)
نشر المحاسن : عبد اللہ بن اسعد بن علی الیافعی ۶۹۸-۷۶۸

نصب الرایہ الاحادیث الہدایہ: جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی (؟-۷۶۲)

نغمہ عشاق: (۵۹) مولانا نور اللہ بچھرایونی (کان حیا" فی القرن الثالث عشر

نفائس الفنون فی عرائس العیون: محمد بن محمد الاملی

نفحات الانس من حضرات القدس: مولانا نور الدین عبدالرحمان المعروف ملا جامی (۸۱۷-۸۹۸)

نفح الطیب: جلال الدین ابن ابی بکر السیوطی (؟-۹۱۱)

نور القبس: تاج الدین فزاری

نیل الاوطار: محمد بن علی الشوکانی (۱۱۷۳-۱۲۵۰)

ہ

الہدایہ فی الفروع: برہان الدین علی بن ابوبکر بن عبدالجلیل الفرغانی و المرغینانی (۵۳۰-۵۹۳)

حواشی

(۱) یہ حصہ مولانا ابوالحسن علی ندوی سلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" سے بہ ترمیم یسیر نقل کیا گیا ہے۔

(۲) ان اللہ تعالٰی جمیل و یحب الجمال (مسلم و ترمذی عن ابن مسعود)

(۳) خوشبو جنت کی نعمتوں میں بھی ایک نعمت ہے۔ بادۂ جنت کی تعریف یوں ہے: وختامہ مسک یعنی اس کی مہر (یا اس کا اختتام) مشک ہوگا۔ غالباً اس کا مفہوم وہی ہے جسے آج کل یوں کہتے ہیں کہ اس میں مشک کا Flavour ہوگا، یعنی ہر گھونٹ کے آخر میں مشک کی باس محسوس ہوگی۔

(۴) (یہاں ایک بات اور بھی پیش نظر رکھئے۔ وہ یہ ہے کہ آیات زبور کے بعد جا بجا مسلاہ لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر مغنی خود خاموش ہو جائے، مگر ساز بجتے رہیں۔ یہ طریقہ میں نے بعض صوفیا کے ہاں دیکھا ہے۔

(۵) اس حدیث کو سید مرتضٰی زبیدی محدث حنفی نے بھی اتحاف السادہ ج ۶ ص ۴۷۱ میں نقل کیا ہے۔

(۶) یہی روایت حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری ج ۹ ص ۶۳ میں نقل کی ہے۔

(۷) جوہری طنطاوی نے یہ نظریہ ابن خلدون سے اخذ کیا ہے۔

(۸) الامتاع فی احکام السماع کے مولف امام کمال الدین ابو الفضل

جعفر بن ثعلب ادفوی شافعی ہیں۔ ان کی وفات ۷۴۹ھ میں ہوئی ہے۔ یہ اکابر محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی نے اپنے کئی رسالوں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے الدرر الکامنہ میں اور ابن شہبہ دمشقی نے طبقات الشافعیہ میں بھی ان کا ذکر خیر کیا ہے۔ شیخ ابو حامد مقدسی (۸۱۹ - ۸۸۸ھ) نے اس کتاب الامتاع کی تلخیص بھی کی ہے جس کا نام تشنیف الاسماع ہے۔ اس کا حوالہ امام شوکانی بھی دیتے ہیں۔

(۹) مقدسی یعرف بابن القیسرانی۔

(۱۰) ابن قتیبہ وغیرہ نے یہ واقعہ یوں لکھا ہے:

انه ذكر عند ابی یوسف الغناء فذكر قصة جار ابی حنیفة ... انه كان له جار و كان لیلة یغنی۔

اضاعونی وای فتی اضاعوا　　　لیوم کریهة و سداد ثغر

وكان ابو حنیفة یسمع الیه وانه فقد صوته فسال عنه فقیل له انه وجد فی اللیل و سجن فی سجن الامیر عیسیٰ فلبس عمامته و توجه الی الامیر وتحدث معه فقال لا اعرف ما اسمه فقال ابو حنیفة اسمه عمرو فقال الامیر یطلق كل منه اسمه عمرو فاطلق الرجل فلما خرج قال له ابو حنیفة اضعناک؟ قال بل حفظت و تمام هذا انه قال له فصر الی ماکنت الیه و قد ضمن ذالک فی قصیدته ابو عمرو یوسف بن هارون الکندی المعروف بالرمادی۔

ابو یوسف کے سامنے گانے بجانے کا ذکر ہوا تو آپ نے ابو حنیفہ کے ہمسائے کا ذکر کیا کہ.... آپ کا ایک پڑوسی تھا جو روزانہ شب کو یہ شعر گایا کرتا تھا:

(ترجمہ) لوگوں نے مجھے ضائع کیا اور کس نوجوان کو انہوں نے ضائع کیا؟
وہ بھی جنگ اور سرحدی حفاظت کے دن۔"

ابو حنیفہ اسے سنا کرتے تھے۔ ایک دن وہ آواز نہ سنی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ شب کو (مشتبہ حالت میں) پایا گیا' اس لیے امیر عیسیٰ کے قید خانے میں بند کر دیا گیا۔ آپ نے اپنا عمامہ باندھا اور امیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سے بات کی تو اس نے کہا مجھے اس کے نام کا علم نہیں۔ ابو حنیفہؒ نے بتایا اس کا نام عمرو ہے۔ امیر نے کہا اس نام کے سب قیدیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ غرض وہ آدمی بھی رہا ہوا۔ جب وہ باہر نکلا تو آپ نے اس سے پوچھا: کیا ہم نے تمہیں ضائع کیا؟ اس نے کہا: نہیں بلکہ ضائع ہونے سے بچا لیا۔ یہ واقعہ یہاں یوں ختم ہوتا ہے کہ آپ نے اس سے کہا تم اپنا شغل (شعر گانے کا) جاری رکھو۔"

(۱۱) ملا علی قاری کے اپنے رسالے میں اور بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہؒ میں یہ مضمون بجنسہ درج ہے (ملاحظہ ہو بریقہ ج ۴ ص ۶۲)۔

(۱۲) النور السافر فی القرآن العاشر میں ان کے مفصل حالات موجود ہیں۔ اور ملا علی قاری نے بھی ابتدا" ان ہی سے استفاضہ کیا ہے۔

(۱۳) ایسی ہی ایک روایت ہے لعن اللّٰہ المغنی و المغنّٰی لہ گانے اور گوانے والے دونوں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ امام بخاری المقاصد الحسنہ ص ۱۵۶ میں اس روایت کے متعلق نووی کی رائے لکھتے ہیں: قال النووی انہ لا یصح یعنی یہ روایت صحیح نہیں۔

(۱۴) امام نابلسیؒ کا ایک اور رسالہ بھی اسی سلسلے میں ہے جس کا نام ہے تحفۃ اولی الالباب فی العلوم المستفادۃ من النای و الشباب۔

(۱۵) یہ اشعار حکیم سنائیؒ کے ہیں۔ اس کے آگے چند شعر یہ ہیں:

چو مرد سماع ست شہوت پرست

بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست
پریشاں شود گل بباد سحر
نہ ہیزم کہ نشگافدش جز تبر
جہاں پر سماع ست و مستی و شور
و لیکن چہ بیند در آئینہ کور؟

(۱۶) لیکن گنج ارشدی میں بحوالہ ثمرات القدس مولانا قاضی ضیاء الدین سنامی کے احتساب کا جو واقعہ لکھا ہے یوں ہے کہ سلطان المشائخ کی محفل سماع سے مزامیر کے ساتھ آواز غنا آرہی تھی۔ صاحب لمعات سلیمانی نے اپنے ایک قلمی رسالے میں لکھا ہے کہ زیادہ تر سلطان المشائخ بلا مزامیر ہی سماع سنتے تھے۔

(۱۷) سود خواری انفرادی سے زیادہ معاشری اور سوشل گناہ ہے۔

(۱۸) غالباً یہ اشارہ خانقاہ عمادیہ پٹنہ شہر کی طرف ہے جہاں دف بجائی جاتی ہے اور کوئی دوسرا باجا نہیں بجتا۔

(۱۹) اونٹ کا حدی خوانی سے مست ہونا ایک ایسی حقیقت ہے کہ شیخ سعدیؒ بھی گلستاں میں فرماتے ہیں:

دانی چہ گفت مرا آن بلبل سحری
تو ہم چہ آدمی کز عشق بے خبری
اشتر بشعر عرب درحالت ست و طرب
گر ذوق نیست ترا کژ فہم جانوری

یہ بحر بسیط ہے۔ قصیدۂ بردہ اسی بحر میں ہے۔ مستعفلن فعلن مستعفلن فعلن۔

(۲۰) اس حقیقت کو قرآن نے ان انکر الاصوات لصوت الحمیر فرما کر بیان کیا ہے۔

(۲۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی کند ذہنی اور جمود کا علاج یوں بتاتے ہیں:

"نفس ناطقہ میں لطیف کیفیات پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والے کو سماع کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سماع میں رنگین اشعار ہوں اور وہ نغمے اور زیر و بم کے ساتھ گائے بھی جائیں' اور خاص طور پر وہ اشعار زیادہ موثر ہوتے ہیں جن میں اچھے استعارے ہوں' ان کے قافیے بہت عمدہ ہوں' ان کا اسلوب بیان وجد آور ہو' اس ضمن میں اس شخص کے لیے رباب اور طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے کیونکہ موسیقی سرور پیدا کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جو تاثیر کہ شراب میں ہوتی ہے۔ الغرض عشق پاکباز ہو یا سماع شعر و نغمہ اگر کند ذہن اور جامد طبیعت والا برابر ان سے متمتع ہوتا رہے تو وقتاً" فوقتاً" اس کے نفس ناطقہ میں اس سے ایک نہ ایک کیفیت پیدا ہوتی رہتی ہے اور آہستہ آہستہ اس کا نفس ناطقہ ان کیفیات سے متصف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طرح کند ذہن آدمی کا جمود ٹوٹ جاتا ہے۔" (لمعات۔ مترجم پروفیسر محمد سرور' ص ۱۶۸)

(۲۲) یہ امام غزالی کے بھائی ہیں اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔

(۲۳) اسمه محمد بن محمد بن یحیٰی وھو ملقب بالحاسب' ولد ۳۲۸ و مات ۳۷۶ (وفیات)

(۲۴) بوزجان بلدة بخراسان بین ھراة و نیسابور (وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۴ ص ۳۵۳) و کتب النواب صدیق حسن خاں ھذا اللفظ بالجیم فی کتابه "ابجد العلوم" ج ۱ ص ۶۶۸ و ۶۶۹ و ھذا غلط۔ الصحیح بالباء الموحدة کما کتبه آنفاً"۔

(۲۵) یہ امام دارقطنی کے استاد اور محمد بن جریر طبری کے شاگرد ہیں۔ ۲۸۴ھ میں ولادت ۳۵۶ھ میں وفات ہے۔ مذہباً" شیعہ تھے۔ یاقوت حموی' ابن خلکان اور تنوخی نے (معجم الادباء) وفیات الاعیان وغیرہ میں' ان کے علم و فضل کا بڑے شاندار الفاظ میں اعتراف کیا

ہے۔ روایات انساب، سیر، ادب، مغازی، ایام العرب، لغت، طب، بیطاری، نجوم کے ماہر تھے اور موسیقی کے امام۔ فن موسیقی پر کتاب الاغانی سے بلند پایہ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ یہ پچاس سال میں مکمل ہوئی تھی۔ بعد میں اس کی آٹھ دس تلخیصات کی گئیں۔ ابوالفرج نے مختلف فنون میں کوئی تیس کتابیں لکھی ہیں (خلاصہ مضمون شیخ محمد احمد پانی پتی مندرجہ ددماہی صحیفہ دسمبر ۵۹ و جنوری ۶۰ء

(۲۶) نیز مجرد الاغانی۔

(۲۷) شاہ صاحب کا ایک قلمی رسالہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے جس میں فن موسیقی کے علاوہ تمام آلات مزامیر کا بھی ذکر ہے۔

(۲۸) غالباً یہی نظریہ ہے جسے حکیم سنائی یوں پیش کرتے ہیں۔

جہاں پر سماع ست د مستی و شور　　　　و لیکن چہ بیند در آئینہ کور؟

(۲۹) اس کا نام فارعہ بنت اسعد تھا اور نکاح نیط بن جابر انصاری سے ہوا تھا۔ (التاج الجامع الاصول ج ۲ حاشیہ ص ۲۳۵)

(۳۰) غزل کے معنی ہیں عورتوں سے دلچسپی لینا۔ یہاں گانے بجانے اور ترنم سے دلچسپی رکھنا مراد ہے۔

(۳۱) اوپر ابتدا میں ہم یہ سب اشعار مع ترجمہ درج کر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

(۳۲) اس کے الفاظ یوں ہیں:

أما بعثتم معها ضاربة تضرب بالدف و تغنی

تم نے اس دلہن کے ساتھ کوئی مغنیہ نہ کر دی جو گاتی بجاتی ہوئی جاتی؟

(۳۳) مثلاً علامہ عبدالغنی نابلسیؒ کہتے ہیں واللہ عطف اللھو علی التجارۃ و حکم المعطوف حکم ماعطف علیہ وبالاجماع یحل التجارۃ ۱۲ یعنی اللہ تعالیٰ نے اللھو کو التجارہ پر عطف کیا ہے اور معطوف و

معطوف علیہ کا حکم ایک ہی ہوتا ہے اور تجارت بالاتفاق حلال ہے۔

(۳۴) وقال القسطلانی فی الارشاد الساری : هو الطبل الذی کان یضرب لقدوم التجارة فرحا لقدومها و اعلاما قسطلانی ارشاد ساری میں کہتے ہیں کہ یہ وہ طبل ہے جو تجارتی قافلوں کے آنے کی خوشی میں یا اعلان کے لیے بجایا جاتا تھا۔

(۳۵) مستدرک حاکم میں آگے یہ بھی ہے والبکاء علی المیت من غیرنیاحة' یعنی شادی کے علاوہ غم کے موقع پر بھی گانے بجانے کی اجازت ہے بشرطیکہ نوحہ نہ ہو۔

(۳۶) اس شرح کا نام ہے غایۃالمامول۔

(۳۷) غالباً تکسر سے مراد جسم میں ایسی لچک پیدا کرنا ہے جو غلط جذبات پیدا کرے۔

(۳۸) یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ گانے والی عورت کو بیچ کر دام کھانا حرام ہے تو نہ گانے والی عورت یا مرد کو بیچ کر کھانا کب حلال ہوگا؟

(۳۹) قرآن میں چار جگہ دنیا کو لہو و لعب کہا گیا ہے۔ ہم نے صرف ایک مثال پر اکتفا کیا ہے۔

(۴۰) سورہ ۶۹ : ۳۰ تا ۴۳۔

(۴۱) اس وقت قوال یہ شعر گا رہے تھے:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگراست

ان کے علاوہ ذوالنون مصری' شبلی' فراز' نوری' وراج رضی اللہ عنہم کی رحلت بھی حالت سماع میں ہوئی تھی۔ ان میں سے تین بزرگوں کی رحلت تو سماع کے تین دن بعد ہوئی اور باقی کی اسی سماع میں (لطائف اشرفی)۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے ابوالفتح کی رحلت بھی حالت سماع ہی میں ہوئی۔ (فوائد سعدیہ ملتانی ارتضا علی خاں)

(۴۲) خاتم سلیمانی حصہ چہارم ص ۲۷ ملفوظ ۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موصوف عین اس وقت آئے تھے جب غیاث الدین تغلق نے مجلس مناظرہ گرم کی تھی اور جواز سماع ثابت کرنے کے لیے خواجہ نظام الدین اولیا خود تشریف لے گئے تھے جیسا کہ اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں مذکور ہے۔

(۴۳) سماع کے محرک ہونے کے متعلق حضرت مولانا شاہ سلیمانؒ پھلواروی ایک مکتوب میں بڑے اچھے انداز سے اس حقیقت کو یوں کہتے ہیں۔ "اے عزیز! بعض غذا و دوا مستحیل بخلط غالب ہوتی ہے یعنی معدے اور جگر میں جو غلط غالب ہوتی ہے صحیح ہو یا فاسد' یہ اسی رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ یہی حال سماع کا ہے کہ دل و دماغ میں جو خیالات ہوتے ہیں ان ہی کو یہ تیز کر دیتا ہے۔ پس جب تک دل و دماغ آلائش ظلماتی سے پاک نہ ہوں اور ان میں اصلی محبت کی تخم ریزی نہ ہو' لا یجوز السماع حقا کم علم متشیعین چاہے جو سمجھیں مگر ہمارے یہاں رقاصی و ہاؤ ہو یا -عبابہ ہے۔ مقصود کچھ اور ہے۔ شمس المعارف۔ (مکتوب بنام مولوی محمد اسماعیل مدرس مشن سکول سیالکوٹ)

(۴۴) نواب صاحب نے اسے جوزجانی لکھا ہے جو غلط ہے۔ صحیح بوزجانی ہے۔

(۴۵) فرقہ اثنا عشری کے نزدیک بیوی کی رضامندی کے بعد اس کی پھوپھی یا خالہ سے نکاح جائز ہے۔

(۴۶) یہ حدیث ایسی ہے جو سنی و شیعہ دونوں میں مسلم ہے۔ دیکھیے ترمذی و اصول کافی۔

(۴۷) اس کو "آرڈی ننس" کہتے ہیں جو وقتی ہوتا ہے۔

(۴۸) ایسی ہی ایک روایت ہے کہ لعن اللّٰہ المغنی و المغنی لہ گانے اور گوانے والے دونوں پر خدا کی پھٹکار ہے۔ امام سخاوی المقاصد

الحسنۃ ص ۱۵۶ میں اس روایت کے متعلق نووی کی رائے لکھتے ہیں کہ :
قال النووی لایصح یعنی یہ روایت صحیح نہیں۔

(۴۹ و ۵۰) اصل کتاب میں یہ دونوں لفظ لام تعریف کے بغیر لکھے ہیں۔ جو یقیناً کتابت کی غلطی ہوگی۔

(۵۱) یہ امام غزالی کے بھائی ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کا نام احمد ہے۔

(۵۲) اسلامی رواداری کی یہ انتہا ہے کہ فقہاء ایسے اشعار گانا بھی ناجائز بتاتے ہیں جن میں کسی ذمی کا ذم ہو۔ دیکھیے فتح القدیر۔

(۵۳) "اسلام اور موسیقی" ص ۷۵ میں یہ حوالہ موجود ہے اور ثقافت ماہ اگست میں اصل عبارت بھی درج ہے۔

(۵۴) یہ تمام روایات ہم "اسلام اور موسیقی" میں لکھ چکے ہیں۔

(۵۵) بعضوں نے اسے عینی لکھا ہے اور بعض نے غیبی۔

(۵۶) یہ کتاب قلمی ہے جو قاضی القضاۃ ارتضا علی خاں صفوی (گوپامو، مدراس) کے خاندان کے ایک فرد نواب عبدالحق نے حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کو تحفے میں دی تھی۔ یہ مخطوطہ ہنوز خانقاہ سلیمانیہ پھلواروی شریف کے کتب خانے میں موجود ہے۔

(۵۷) اس کتاب اور اس کے مولف کا ذکر کئی جگہ زمزمہ عشاق میں آیا ہے۔ دیکھیے نغمہ عشاق کا حاشیہ۔

(۵۸) حکیم عبدالحی لکھنوی نے نزھۃ الخواطر میں ان کا سنہ وفات ۱۱۳۷ لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

(۵۹) نغمہ عشاق کے مولف مولانا نور اللہ پھراپونی کا ذکر زمزمہ عشاق مولفہ تسلیم احمد ولد شیخ محمد تمیز علی کمبوہ امروہوی میں کئی جگہ آیا ہے۔ یہ ۲۵۸ صفحات پر مشتمل ہے اور کتب خانہ سلیمانیہ پھلواری شریف میں موجود

ہے۔ زمزمہ عشاق ہی میں کئی جگہ محمد بن احمد تونسی شاذلی اور ان کی کتاب کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس کتاب میں سماع پر کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ مولوی امیر الدین علی متوفی ۱۲۷۸ نے مولانا نور اللہ ہی سے ان کی کتاب النور المطلق پڑھی۔ ان کی ایک کتاب انولر الرحمان لتنویر الجنان (مولانا عبدالرحمان لکھنوی متوفی ۱۲۴۵ء کے حالات و ملفوظات میں) مطبوعہ کالی پرشاد پریس لکھنؤ ۱۲۷۶ ہے۔ یہ مولانا عبدالرحمان موصوف کے مسترشد تھے۔

اشاریہ

مرتّب: اشفاق انور